خطبات
حکیم العصر
۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید دامت برکاتہم العالیہ کے

علمی خطبات کا حسین مجموعہ

خطبات حکیم العصر

جلد اوّل

مرتبہ
مولانا شبیر حیدر فاروقی

مکتبہ شیخ لدھیانوی

باب العلوم کہروڑ پکا لودھراں

ضابطہ

نام کتاب:	خطبات حکیم العصر (جلد اوّل)
خطیب:	حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ
اہتمام:	استاد العلماء مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ
ترتیب:	مولانا شبیر حیدر فاروقی
تصحیح:	قاری محمد ادریس۔ اسلام آبادی
تخریج:	مولانا محمد عمران
ضخامت:	368 صفحات
تعداد:	1100
اشاعت چہارم:	جنوری 2008ء
قیمت:	200 روپے

واحد تقسیم کنندگان

مکتبہ شیخ لدھیانوی باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

فون: 0300-6804071

0300-7807639

انتساب

اس اولین کاوش کا انتساب۔۔۔

اُن عظیم اکابر **علماء دیوبند** کے نام کرتا ہوں کہ جنھوں انتہائی نا مساعد اور کٹھن حالات میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑا اُٹھایا اور اپنے وقت کے ظالم وجابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق بُلند کیا۔۔۔

ہر قسم کے ظلم وستم برداشت کیئے اور خاک وخون میں غلطاں ہوئے۔۔۔

لیکن دین الٰہی پر آنچ نہ آنے دی!!

اور اپنے اُن تمام **اساتذہ کرام** کے نام جن کی مثالی تربیت اور انمول دعاؤں کا ثمرہ یہ گراں قدر جواہر پاروں کا مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ وشرف

خاکپائے اکابرین علمائے دیوبند

ناشر خطبات

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

توحید باری تعالیٰ

آمدِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل معاشرے کی حالت

ولادتِ رسول ﷺ

رحمتِ کائنات ﷺ کے بچپن کے حالات

ماہِ محرم اور اسلامی تقویم

تقویٰ کی حقیقت اور طائفہ منصورہ

اہمیتِ علم

دینی مدارس اور کالج

تاریخ علماء دیوبند

اہمیتِ پردہ

سورج گرہن

اسلامی سال کا افتتاح

ظالموں کی طرف میلان

قیامِ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہارِ تشکر

ابُو طلحہ مفتی ظفر اقبال ناظمِ اعلیٰ جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا، ضلع لودھراں

حمد و ثنا اُس اللہ، جل جلالہ کی جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اُسے زبان و بیان کی صلاحیتوں سے بہرہ مند کیا۔اور درود و سلام ہو اُس **مبلغِ اعظم** ﷺ پر جو سب انسانوں کیلئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا۔اور اُس کی آل و **اصحاب** رضی اللہ عنہم پر جو نوُرِ ہدایت کو معلم اعظم سے سیکھ کر اُسے اَکنافِ عالم تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

رئیس المحدثین، حکیم العصر، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم سے میرا عقیدت اور نیازمندی کا تعلق بہت ابتدائی عمر سے شروع ہو گیا تھا۔یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میرے حضرت جواں تھے اور **دارالعلوم** کبیر والہ کے تدریسی علماء سے بننے والی علمی کہکشاں کا حصہ تھے۔

اُس زمانے میں **دارالعلوم** کبیر والہ آسمانِ علم وفضل کا ایک درخشندہ ستارہ تھا۔جس کے شیخ الحدیث مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جبکہ دیگر اساتذہ میں میرے اُستاد جی مدظلہ کے علاوہ مولانا منظورالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا ظہورالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا صوفی محمد سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا فیض علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند، جیسے **جِبَالُ الْعِلْم** تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

میں اسی زمانے میں ابتدائی کتابیں پڑھنے وہاں گیا تھا، میں نے دیکھا کہ دارالعلوم کے اکثر طلباء کی نظریں حکیم العصر، حضرت اقدس مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم کا طواف کرتی ہیں اور وہی اس کہکشاں کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔۔۔ یہ میری سعادت تھی کہ مجھے جلد ہی اُستاد جی مدظلہ کے خصوصی حلقے میں جگہ مل گئی۔

آپ مدظلہ نے مجھے اپنی حقیقی اولاد جیسی شفقت ومحبت سے نوازا، میری تمام تعلیم آپ کی نگرانی میں مکمل ہوئی، میرے شب وروز آپ کی سرپرستی میں گذرے، آج میں جو کچھ بھی ہوں سب حضرت والا کی دُعاؤں اور کرم نوازیوں کا صدقہ ہے۔ اُستاد جی مدظلہ کے ساتھ قائم ہونے والا اوائلِ عمری کا تعلق وقت کے ساتھ ساتھ وثیق سے وثیق تر ہوتا چلا گیا۔ اَب مالک الملک سے دعاء ہے کہ اِسے دمِ واپسیں تک قائم رکھے ۔اور میرے حضرت کا سایہ تادیر مجھ ناکارہ کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

پھر یہ بھی میری حسنِ سعادت تھی کہ جب حضرت شیخ کو دارالعلوم کبیر والہ چھوڑ کر کہروڑ پکا میں اپنی دنیا بسانا پڑی،تو اُن کے ساتھ آنے والوں میں ناچیز بھی شامل تھا۔ میں نے کہروڑ پکا ہی میں اپنی تعلیم مکمل کی اور خوش بختی سے اسی ادارے میں تدریسی اور انتظامی اُمور کیلئے منتخب کرلیا گیا۔

جامعہ باب العلوم کے ناظم اعلیٰ اور اُس کی تشکیلِ نو کے مراحل میں انتہائی اہم خدمات سرانجام دینے والے مولانا مشتاق احمد صاحب مرحوم ومغفور کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا، اگرچہ اس خلا کو پُر کرنے کا دعویٰ تو ہرگز نہیں لیکن کافی حد تک اس کمی کو پورا کرنے کی سعادت بھی اللہ کریم نے اسی ناچیز کو عطا فرمائی ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

خاکسار کو اُستاد جی مدظلہ کے انتہائی قریبی خدام میں داخل وشامل ہونے کا شرف بھی حاصل رہا، چنانچہ مجھے حضرت شیخ کو جتنے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا شاید ہی کوئی اس کا دعویٰ کرسکے۔ سفر وحضر اور شب وروز کی پاکیزہ زندگی کے اَدوار قرونِ اُولیٰ کے اسلاف کی یاد دلاتے ہیں۔ آپ مدظلہ اپنی ذات، اپنے علم وفضل، اپنے حسنِ اخلاق، حسنِ کردار اور اعلیٰ ترین انسانی اقدار میں اپنی مثال آپ ہیں۔

میرے حضرت دامت برکاتہ اپنے علم وفضل اور فکری بلندی کے اُس مقام پر تھے کہ سرزمین پاک کا ہر بڑا شہر آپ کیلئے چشم براہ تھا، لیکن اپنے اسلاف کی روایات کے اَمین میرے حضرت نے کہروڑ پکا جیسے پسماندہ اور گمنام علاقے کو تقسیم میراثِ نبوت کا

مرکز بنایا۔آج کہروڑ پکا پاکستان بھر میں حضرت جی اور آپ کے گلشن کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔الحمدللہ

اللہ کریم کی اِن بیشمار عنایتوں میں سے ایک مزید سعادت پر راقم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں لاکھوں مرتبہ ادائے شکر کے ساتھ سجدہ ریز ہے کہ اُس نے مجھے اُستاذ محترم ،رئیس المحدثین، حکیم العصر، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم کے خطبات شائع کرنے کی توفیق بخشی ۔ میں کسی فخر کی بنا پر نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کناں ہوں کہ یہ میرے حضرت مدظلہ کے خطبات بابرکات کا پہلا مجموعہ ہے، جس کی اشاعت کا اعزاز ہمارا ادارہ حاصل کر رہا ہے۔۔۔موقع ملا تو آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اِنشاءاللہ۔

☆ اِن علمی جواہر پاروں کو موجودہ شکل دینے میں اللہ کریم کی نصرت کے ساتھ ساتھ میرے اَساتذہ کرام اور اَحباب کے پرخلوص تعاون، اُن کی دُعاؤں اور قدم بقدم راہنمائی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

چنانچہ ناسپاسی ہو گی کہ اِس موقع پر میں اُن مشفق ومحسن اساتذہ کرام واحباب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے میرے ساتھ اس سلسلے میں حد سے بڑھ کر تعاون فرمایا۔خصوصاً اُستاذِ محترم حضرت مولانا حبیب احمد صاحب مدظلہ (اُستاذ الحدیث جامعہ باب العلوم) ☆ اُستاذِ محترم حضرت مولانا منیر احمد صاحب مدظلہ (اُستاذ الحدیث جامعہ باب العلوم) ☆ اُستاذِ محترم پیر طریقت حضرت مولانا جاوید شاہ صاحب مدظلہ (فیصل آباد) ☆ اُستاذِ محترم حضرت مولانا اللہ بخش صاحب مدظلہ (اُستاذ الحدیث جامعہ سراج العلوم لودھراں) ☆ حضرت مولانا محمد اشرف شاد صاحب مدظلہ (مان کوٹ) ☆ حضرت مولانا محمد امین صاحب مدظلہ (اُستاذ الحدیث جامعہ خالد بن ولید ٹھینگی) ☆ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہ (محمود سویٹ لاہور) ☆ ان کے علاوہ ہمیں اپنے رفقاء کار میں سے جناب قاری محمد احمد صاحب مدظلہ (اُستاذ الحدیث جامعہ باب العلوم) ☆ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ (اُستاذ

الحدیث جامعہ باب العلوم) ☆ مولانا افتخار احمد صاحب (نائب ناظم جامعہ باب العلوم) ☆ مفتی سجاد حسین ظفر صاحب (اُستاذ جامعہ باب العلوم) ☆ عزیزی قاری عمر حیات سلمہ۔ (لاہور) ☆ کا ممنون ہوں کہ اس کارِ خیر میں انہوں نے میری معاونت فرمائی۔ اللہ کریم اِن سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

☆ عزیزی مولوی شبیر حیدر فاروقی سلمہ تو بہت ہی زیادہ دُعاؤں اور تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے اِس مجموعے کی تجمیع و ترتیب میں نمایاں کردار ادا کیا اور اِسے تیمُّناً رمضان المبارک میں اس اُمید کے ساتھ حوالۂ قرطاس کیا کہ جس طرح مولائے کریم نے اس ماہِ مقدس کو اپنی خاص عنایات سے نوازا ہوا ہے، ایسے ہی اِس جواہر پارے کو بھی قبولیت کا درجہ عطا فرمادے اور اس مقدس مہینے کے صدقے ہر خاص و عام تک پہنچادے!! کیونکہ اِنَّہٗ جَوَّادٌ مَلِکٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

گذارش

حضرت دامت برکاتہ کے یہ خطبات چونکہ اکثر دینی مدارس کے اجتماعات میں ہوئے ہیں۔ جہاں عوام الناس کم اور طلباء وعلماء زیادہ ہوتے تھے۔ لہٰذا آپ مدظلہ کے پیشِ نظر زیادہ تر زور اَبنائے اُمت کی ذہن سازی اور اُن کی اصلاح رہی، لیکن اِس کے باوجود حضرت اُستاد جی کے ملکۂ تفہیم نے اُن کو عوام کیلئے بھی انتہائی سہل اور عام فہم بنا دیا ہے۔

چونکہ یہ خطبات مکمل طور پر اصلاحی اور تربیتی ہیں۔ اِس لئے اِن کا اُسلوب عام تقاریر وخطابات سے کسی قدر مختلف ہے۔ اور یہ قافیہ بندی، جوشِ خطابت اور اشعار و لطائف وغیرہ کی بھرمار سے خالی ہیں۔

تقریر وتحریر کا فرق اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ جملوں کی ساخت اور تقدیم وتاخیر، مکررات، استفسارات اور کہیں کہیں ربط ونظم کا اُتار چڑھاؤ اِسی پر محمول کیا جائے۔

اُستاد جی دامت برکاتہ کے یہ خطبات ٹیپ ریکارڈر سے سے لئے گئے ہیں۔حد درجہ اِحتیاط کے باوجود کوئی کمی رہ سکتی ہے جو با قائدہ تحریر میں نہیں ہوتی۔

لِہٰذا

قارئین سے گزارش ہے کہ وہ بھی درج بالا نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اِن خطبات کا مطالعہ ثواب اور اِصلاح کی نیت کے ساتھ فرمائیں۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلَیٰ مَا نُرِیْدُ وَھُوَعَلَیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر

والسلام

ابوطلحہ ظفر اقبال عفی عنہ

حکیم العصر مدظلہٗ کے

مختصر حالاتِ زندگی

شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید۔ایک منفرد اور صاحب اسلوب شخصیت

(تحریر ڈاکٹر محمود الحسن عارف)

الحمد الله رب العالمين ۔ والصلوٰة والسلام علی رسوله الكريم سيدنا و مولانا محمد والهٖ واصحابهٖ اجمين اما بعد

امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۶ء/۱۷۶۲ھ) نے نامور پیر طریقت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۵ء/۱۷۸۰ء) کی بابت تحریر فرمایا تھا۔

''ان کی قدر و منزلت جو ہم جانتے ہیں تم کیا جان سکتے ہو؟ ہندوستان کے لوگوں کے حالات بوجہ میرے مولد و منشا ہونے کے ہمیں بخوبی معلوم ہیں، اہل عرب کو بھی دیکھا اور پرکھا ہے۔ ولایت کے حالات وہاں کے ثقہ لوگوں سے سنے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ان جیسا شخص جو جادۂ شریعت وطریقت اور اتباع کتاب وسنت پر اس ثابت قدمی سے جما ہوا ہو،اور طالبان کی تعلیم و تربیت میں بلند اور قوی شان رکھتا ہو، پورے زمانے میں موجود نہیں ہے۔ (مکتوبات طیبات ص ۱۵۹ حاشیہ ۱)

اپنے محدود علم اور محدود وسائل کی روشنی میں پورے وثوق اور اعتماد سے یہی بات آج کے دور میں ''جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا'' کے شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی، کی بابت کہی جاسکتی ہے مولانا کی شخصیت ان قابل صد احترام ہستیوں میں سے ایک ہے، جو ساری زندگی گمنامی کی حالت میں گزار دیتے ہیں۔ اور عمر بھر تن دہی اور کامل یک سوئی سے اپنے مشن کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی صحیح قدرو قیمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنا سفر طے کر کے منزل مقصود سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔

مولانا ایک طویل عرصے سے دینی درسیات کی خدمت جس ذوق وشوق اور

جس ہمت و جاں فشانی سے سر انجام دے رہے ہیں وہ شاذ ہی کہیں دیکھنے میں آتی ہے۔

ا۔مولانا کی ابتدائی زندگی

مولانا کی ولادت موضع سلیم پور (تحصیل جگراؤں ،ضلع لدھیانہ) کے ایک دینی گھرانے میں ہوئی (۵ جون ۱۹۳۴ء) ۔ والد ماجد (حافظ محمد یوسف مرحوم) ایک متوسط درجے کے زمیندار اور کاشتکار تھے علاقے اور برادری کی رسم و رواج کے مطابق مولانا کو سلیم پور کے گورنمنٹ ہائی سکول میں داخل کروا دیا گیا (غالبًا یہ نواح ۱۹۳۹۔ ۱۹۴۰ کی بات ہے) اس زمانے میں دوسری عالمگیر جنگ کا آغاز ہوگیا تھا۔اور برطانوی حکومت کئی محاذوں پر محوری طاقتوں کے خلاف برسر جنگ تھی تاہم اسکولوں میں باقاعدہ پڑھائی جاری تھی ۔انگریز اور انگریزی حکومت کا یہ آخری دور تھا اور ملک کے طول وعرض میں بدیسی حکمرانوں اور ان کی لائی ہوئی تہذیب کے خلاف تحریک اپنے عروج پر تھی مگر بایں ہمہ یہ ہونہار اور ذہین طالب علم اپنی تعلیم کی طرف پوری طرح متوجہ رہا اور ہر جماعت میں نمایاں نمبر لے کر کامیابی حاصل کرتا رہا۔

مگر جیسے جیسے شعور وادراک اور فہم وبصیرت کی حِس تیز ہوتی گئی اس کے دل میں اس تعلیم سے تکدّر بڑھتا گیا۔

انہیں احساسات کو ایک واقعے نے مزید مہمیز دی ، جو مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا دورۂ سلیم پور ہے۔اس وقت ذہین طالب علم کی فہم اور بصیرت نازک سیاسی اور ملکی سیاست کو سمجھنے سے تو قاصر تھی مگر حضرت مدنی قدس سرہ کی شخصیت اور ان کے لب و لہجہ نے اس کی طبیعت کو بہت متاثر کیا۔حضرت مدنی کی شخصیت کے متعلق ننھے عبدالمجید کے دل میں پیدا ہونے والا یہ لازوال تاثر ثابت ہوا تاہم ابھی عملی قدم اٹھانے میں کچھ وقت درکار تھا۔

ابھی یہ ذہین طالب علم آٹھویں جماعت میں پہنچا تھا کہ برعظیم پاک و ہند کی

تقسیم کا فیصلہ اپنی اختتامی صورت کو پہنچا (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء)۔ اس کے ساتھ ہی پورے ملک میں قتل و غارت گری اور فسادات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ آگ اور خون کے دریا سے گزر کر جب یہ ذہین طالب علم اپنے والدین کے ہمراہ ارضِ پاک پر پہنچا تو اب اس کے دل کی دنیا بدلی ہوئی تھی۔ اس کی تیز اور ذہین آنکھوں نے وحشت ناک مناظر اور دنیا پرستی کے جو ہولناک نتائج دیکھے تھے، ان سے اسے فیصلہ کرنے میں بڑی مدد ملی۔

شور کوٹ میں مستقل طور پر آباد ہو جانے کے بعد والدین نے اس نوجوان کو اپنی چھوڑی ہوئی تعلیم مکمل کرنے کیلئے کہا اور اس نوجوان نے کچھ روز نئے سکول میں حاضری بھی دی اور آپ نے مارچ ۱۹۴۹ء میں مڈل کا امتحان دیا اور کامیابی حاصل کی۔ مگر اب آپ کا دل مکمل طور پر اس تعلیم سے باغی ہو چکا تھا اور آپ نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اب اپنے دل کی آواز کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔

۲۔ پہلا قدم

بالآخر وہ مرحلہ آ گیا تھا کہ عملی قدم اٹھایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نوجوان عبدالمجید نے اپنے گھر والوں کی مرضی کے برخلاف مدرسہ عربیہ دارالعلوم ربانیہ (تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع فیصل آباد) میں داخلہ لے لیا۔ یہ غالباً وسط ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔

یہاں سے آپکی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ پرانا عبدالمجید ایک نئے روپ میں ڈھل چکا تھا۔ یہ روپ جو خود اس کا اپنا روپ تھا۔ گھر والوں کی ناراضگی، بلکہ شدید خفگی اور قطع تعلقی کا ذریعہ بنا۔ مالی امداد و اعانت بند کر دی گئی۔ لیکن جو قدم اٹھنے تھے وہ اٹھ گئے اور عزم و ہمت کے ساتھ اٹھنے والے قدم واپس نہیں ہوا کرتے۔

مولانا نے یہ زمانہ نہایت تنگی اور افلاس میں گزارا مگر کسی صورت میں راہ حق و صداقت سے قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ اساتذہ نے جب ان کا یہ شوق اور ولولہ دیکھا تو ان سے خصوصی شفقت اور مہربانی کا سلوک کیا۔ اس فہرست میں دارالعلوم ربانیہ کے شیخ الحدیث

مولانا محمد رفیق صاحب کا نام سرفہرست ہے انہوں نے راہ صبر و استقامت میں ان کی حوصلہ افزائی کی اوران پر ہمیشہ مہربان رہے۔

دارالعلوم ربانیہ میں دو سال زیرِ تعلیم رہنے کے بعد آپ نے تین سال اشرف الرشید نامی مدرسہ میں جو فیصل آباد ہی کے ایک قصبے میں قائم تھا تعلیم حاصل کی

۳۔ خانہ آبادی

مگر جیسا کہ کہا جاتا ہے ہر انسان اپنی تقدیر اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ ماں باپ تو اس کی روزی کا فقط ذریعہ معاش اور وسیلہ ہیں، اگر ایک راستہ بند ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دوسرا راستہ کھول دیتا ہے چنانچہ مولانا کے سلسلے میں قدرت کی طرف سے کچھ ایسا ہی کرشمہ دیکھنے میں آیا۔ ہوا یوں کہ قدرت نے اس ذہین و فطین طالب علم پر اسلامی تعلیم کے دوسرے ہی سال میں کمالیہ کے ایک کھاتے پیتے گھرانے کو مہربان کر دیا، اس خاندان کی قدردانی نے جواب تک خوشگوار تعلقات کی صورت میں برقرار ہے۔ اس نوجوان کی ڈانواڈول زندگی کو ایک قوی سہارا دیا۔ دینی تعلیم کے دوسرے سال کے اختتام پر یہ تعلقات اس خاندان میں خانہ آبادی پر منتج ہوئے غالباً نواح ۱۹۵۰ء میں اسی خاندان کی ایک نہایت وفاشعار، پارسا صفت اور سلیقہ شعار خاتون سے آپ کا نکاح ہو گیا اور رخصتی بھی اسی وقت عمل میں آ گئی۔

نوجوان عبدالمجید کی تعلیمی زندگی کا یہ دوسرا سال تھا، اور ایسے حالات میں عام طور پر طالب علم، تعلیمی راستے سے ہٹ جایا کرتے ہیں۔ مگر یہ نوجوان اس آزمائش پر بھی پورا اترا اور اپنی تعلیم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اس کے ساتھ ساتھ سسرالی خاندان کے لوگوں نے نہ صرف اپنی دختر کو اپنے گھر میں رکھا بلکہ حتی المقدور اس نوجوان کی بھی سرپرستی کی۔

اپنی ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد دورۂ حدیث شریف کیلئے آپ نے غالباً ۱۹۵۳ء۔۱۹۵۴) میں ملتان کے معروف مدرسہ ’’قاسم العلوم‘‘ میں داخلہ لے لیا، جہاں اس زمانے میں ملک کے نامور اور جید اساتذہ درس و تدریس کے فرائض سرانجام

دے رہے تھے۔ ان اساتذہ میں سے بالخصوص دو اساتذہ نے آپ کی طبیعت پر گہرے اثرات چھوڑے ان میں سے ایک دارالعلوم دیوبند کے سابق استاد مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانے میں قاسم العلوم میں صدر مدرس تھے اور صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا درس دیتے تھے (مولانا نے یہ دو کتابیں ان سے پڑھیں) دوسری نامور شخصیت مولانا مفتی محمود (م ۱۹۸ رحمۃ اللہ علیہ) کی تھی جو اس وقت یہاں صحیح مسلم شریف پڑھاتے تھے۔

آپ کی طبیعت میں وضاحت اور قدرت اظہار کا ملکہ اور علم حدیث و تفسیر سے جو نہایت گہرا ربط پیدا ہوا، وہ انہی اساتذہ کی نظر کرم کا فیضان ہے۔

۴۔ روحانی تربیت

قدیم علماء کی طرح آپ نے صرف ظاہری تعلیم پر کفایت نہیں کی، بلکہ باطنی فیض تربیت کے لئے مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے جانشین و خلیفہ مولانا حافظ عبدالعزیز رائپوری گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ سامنے حاضری دی۔

مولانا رائپوری کے علاوہ آپ کا میاں جمیل احمد رحمۃ اللہ علیہ اور سید انور حسین، نفیس الحسینی مدظلہ سے بھی روحانی تعلق رہا مئوخرالذکر دونوں بزرگوں سے مولانا کو خلافت و اجازت بھی حاصل ہے۔ مگر یہ روحانی استعداد آپ کی اپنی ذات تک محدود ہے۔ ''پیری مریدی'' بہت اچھا طریقہ ہے مگر کیا کیا جائے مولانا کی طبیعت ادھر نہیں آتی۔

۵۔ متعلمی سے معلّمی کی طرف

دینی تعلیم سے فراغت (شعبان ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵) کے بعد آپ نے پیشہ معلّمی کو اپنایا اور اس وقت سے مسلسل دینی علوم کی ترویج و اشاعت میں مصروف و منہمک ہیں۔

فراغت کے اگلے سال (۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) آپ نے مدرسہ نعمانیہ کمالیہ

میں تدریسی فرائض انجام دیئے اس سے اگلے سال مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو قاسم العلوم ملتان طلب کیا۔مگر یہاں بھی ایک ہی سال پڑھا پائے تھے کہ مولانا عبدالخالق صاحب نے جو سال دو سال قبل مدرسہ دارالعلوم کبیر والہ کی بنیاد رکھ چکے تھے آپ کو وہیں طلب کرلیا۔ یہاں آپ نے پندرہ سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں (۱۹۵۷تا ۱۹۷۲ء) اور اپنی بہترین تدریسی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کے تعلیمی حلقوں میں اپنا وہ مقام پیدا کیا کہ ابھی تک طالب علموں کی زبان پر آپ کا ہی نام آتا ہے۔

دارالعلوم کبیر والا ابتدا سے ہی اپنے مخصوص تدریسی اور تعلیمی ماحول، اساتذہ کے تبحر علمی اور اپنے موقع ومحل کی بناء پر وطن عزیز میں بڑا اہم مدرسہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور مولانا ۱۹۷۲ء تک اس کے روح رواں رہے۔

آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں میری ایک ہی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں لاکھوں انسانوں تک فیض پہنچانے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو پوری کردی ہے۔اور آپ کا علمی اور فکری فیضان ملک کے گوشے گوشے تک پہنچ رہا ہے۔

۶۔ دینی علوم

اور یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ ایک کامیاب مدرس ہی نہیں بلکہ طلبہ کے ایک مشفق ومہربان مربی اور خلیق سرپرست بھی ہیں طلبہ کیلئے آپ کے دروازے رات دن کھلے رہتے ہیں۔

آپ فی الواقع طلبہ کے دوست اور سرپرست ہیں۔غریب، نادار اور مفلس طالب علموں کی نہایت مخفی طریقے سے امداد فرماتے ہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔طلبہ کی ہر قسم کی مشکلات میں ان کے ایک قابل اعتماد رفیق اور مہربان دوست ثابت ہوتے ہیں۔اور ان کی بہتری اور فلاح و بہبود کیلئے آپ سے جو کچھ بن پڑتا وہ

ضرور کرتے ہیں۔ جب بھی مدرسہ کی انتظامیہ کی طرف سے کسی طالب علم کی حق تلفی یا اس کی ہتک کی جاتی تو آپ منتظمین حضرات کی صحیح راہنمائی کرنے کا ضرور فریضہ انجام دیتے ہیں۔ طلبہ مولانا کی اس اخلاقی جراۃ و ہمدردی کی وجہ سے آپ پر جان چھڑکتے ہیں۔

یوں تو دارالعلوم کبیر والہ میں اپنے وقت کے کئی مستند اور جید علماء تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مگر قدرت نے تعلیم اور تدریس کا جو ملکہ آپ کو بخشا ہے وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ درسیات کے علاوہ آپ کا سب سے اہم کارنامہ طلبہ کو دور حاضر کے مسائل و معاملات سے آگاہ کرنا اور ان میں جدید مسائل و معاملات سے نبرد آزما ہونے کا صحیح ملکہ اور شعور پیدا کرنا ہے۔

آپ فی الواقع ایک ''ذہن ساز'' استاد ہیں۔ آپ کتاب کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ طلبہ کی نذر کرتے ہیں۔ یعنی اسلام کی خدمت و حفاظت کا جذبہ اس کے لئے جان لڑا دینے کا ولولہ، مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ہمت اور دور حاضر کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کا خصوصی وصف وغیرہ۔

دارالعلوم کبیر والہ کی تدریس کے دور میں خصوصی طور پر آپ کے درس قرآن اور درس مشکوٰۃ شریف نے بہت شہرت پائی اور ان دو مضامین کے ذریعے آپ نے طلبہ میں جو شعور اور احساس ذمہ داری پیدا کیا وہ الفاظ و حروف کا محتاج نہیں ہے۔

۱۹۷۲ء کے آخری دن تھے، کہ دارالعلوم کبیر والہ کی انتظامیہ سے آپ کی ان بن ہوگئی تو آپ نے پندرہ سال کی تدریس کے بعد دارالعلوم کبیر والہ سے علیحدگی کے بعد باب العلوم کہروڑپکا کو زینت بخشنے کا فیصلہ کرلیا (۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲) چنانچہ اس وقت سے آپ اسی مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۷۔ جامعہ اسلامیہ باب العلوم میں تدریس کا دور

کہروڑپکا ضلع لودھراں کا ایک تاریخی قصبہ ہے۔ یہاں مغلوں کے دور تک کے واضح آثار موجود ہیں لیکن اس قصبے کی تاریخ اس سے بھی قدیم ہے۔

یہاں باب العلوم کے نام سے ایک مدرسہ موجود تھا، مگر وہ عرصے سے بے آباد تھا۔ اس کی دیواریں ایک زمانے سے قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں سننے کو بے تاب تھیں۔ بالآخر مدرسہ کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ اس سلسلے میں مدرسہ کے مہتمم معروف زمیندار اور دینی شخصیت شیخ غلام محمد عباسی اور ان کے والد محترم شیخ خورشید احمد عباسی مرحوم کی کاوشیں رنگ لائیں اور علوم اسلامیہ کے ایک فرزند نے اس مدرسہ کی فضاؤں کو اپنے علمی فیضان سے بسانے کا فیصلہ کرلیا۔

یہاں آپ کی تدریسی قابلیتوں کے ساتھ ساتھ انتظامی قابلیتوں کا مظاہرہ بھی دیکھنے میں آیا اور ہمارے مخدوم ایک کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ایک کامیاب منتظم بھی ثابت ہوئے۔ یہاں کے ابتدائی کئی سال مشکلات سے بھرپور ہوکر گزرے۔ داخلی قسم کی مشکلات، علاقائی مشکلات، سیاسی و سماجی مشکلات، الغرض قسم ہاقسم کی مشکلات نے آپ کو پریشان رکھا مگر آپ نے اپنی مستقل مزاجی اور ناقابل تسخیر ہمت اور عزم کے طفیل ان تمام معرکوں کو سر کیا اور اللہ کے فضل وکرم سے ان حالات سے سرخرو ہو کر نکلے۔ آجکل آپکی زیر نگرانی مدرسہ باب العلوم نہایت کامیابی سے ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے اس میں دو ہزار کے قریب طالب علم اور طالبات زیر تعلیم ہیں تمام طلبہ کی خوراک اور رہائش مدرسہ کے ذمے ہے۔ مگر اسکے باوجود مدرسہ کا کوئی سفیر کسی جگہ جاکر دست سوال دراز نہیں کرتا یہ غالباً مدرسہ کے اساتذہ اور منتظمین کے اخلاص کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا کسی سوال کے مدرسے کے سالانہ اخراجات کا بندوبست کر رہا ہے۔

مولانا کو بڑے بڑے اساتذۂ حدیث مثلاً مولانا محمد زکریا کاندھلوی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا سرفراز احمد خاں صفدر، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمھم اللہ اور دیگر کئی اساتذہ سے اجازت حدیث حاصل ہے۔

۸۔مولانا کا انداز تدریس

مولانا کی زندگی پر ایک نظر ڈالنے کے بعد مناسب ہوگا کہ آپ کی تعلیم وتدریس کے انداز پر بھی مختصر گفتگو کر لی جائے۔تفصیل درج ذیل ہے مولانا اس وقت جب زندگی کی تقریباً (انگریزی حساب سے ۷۱) اور (عربی حساب سے ۷۴۔۷۳) بہاریں دیکھ چکے ہیں پاکستان کے ان گنے چنے اساتذہ میں شامل ہیں جن کی تدریس کی شہرت نے دور دراز علاقوں کو متاثر کیا ہے۔مولانا روایتی قسم کے مدرس نہیں ہیں بلکہ ان کا انداز تدریس غیر روایتی نوعیت کا ہے۔

ہمارے دینی مدارس میں عام طور پر حدیث فقہ اور تفسیر کی کتب میں بعض خاص خاص مقامات کو حل کرنے پر خوب زور تدریس صرف کیا جاتا ہے مگر مولانا ایسے مقامات کو نہایت سہل انداز اور بہت عمدگی کے ساتھ حل کرتے ہیں البتہ جہاں کوئی معاشرتی تہذیبی یا کوئی اخلاقی مسئلہ مذکور ہو وہاں پر مولانا ،رُک جاتے ہیں۔اس مسئلے کی ایسی عمدگی کے ساتھ تشریح کرتے اور اس پر اظہار خیال کرتے ہیں کہ ان کے سننے والے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

وہ جو کہا جاتا ہے ’’از دل خیز و بر دل ریزد‘‘ (جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر ضرور اثر کرتی ہے۔مولانا کی ہر بات اس کا مصداق ہے جو دل سے اٹھتی ہے وہ طالب علموں اور سامعین کے دلوں پر اثر کرتی ہے۔

دارالعلوم کبیر والہ میں ایک سے بڑھ کر ایک مدرس تھا وہاں ایسے مدرس بھی تھے جو بڑی علمی اور مدلل گفتگو کرتے تھے۔ایسے بھی تھے جو لگے بندے انداز میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔مگر مولانا لدھیانوی کا انداز بڑا ہی منفرد تھا وہ بظاہر ایک عام سے مدرس نظر آتے ہیں۔مگر جب کوئی ان کے قریب آتا ہے اور اسے دو چار مرتبہ سننے کا موقع ملتا ہے تو وہ ایک ایسے سمندر کو دریافت کرتا ہے جس کی تہہ سفید اور ٹھنڈی برف سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔مولانا کی تدریس کئی پہلو رکھتی ہے انہیں کتاب

پر مکمل عبور حاصل ہوتا ہے۔ وہ طالب علموں کی نفسیات سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ نئی کتابوں اور جدید مسائل کا مطالعہ ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ مولانا خصوصی طور پر اپنے شاگردوں کو جن باتوں کی بار بار اور کثرت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں وہ ایک دوسرے سے ہمدردی اور اخلاص اور اتفاق کی دعوت ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مختلف قسم کے دھڑوں برادریوں۔فرقوں اور قوموں میں بٹے ہوئے اس معاشرے میں مولانا کی یہ دل پذیر دعوت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اور رحمت العالمین کی امت کو آج سب سے زیادہ جس بات کی ضرورت ہے وہ یہی دعوت ہے۔

مولانا اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث نبوی کا بکثرت حوالہ دیتے ہیں جس میں ارشاد نبوی ہے۔

لَاتَدْخُلُو الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْ مِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْ ا اَفَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُو ا اَلسَّلَامَ بَيْنَكُمْ (مشكوٰة)

تم جنت میں داخل نہ ہوگے۔ جب تک تم مومن نہ ہوگے اور تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں کہ اگر تم وہ کرنے لگو، تو تم آپس میں محبت کرنے لگو گے، تم کثرت سے سلام پھیلاؤ۔

مولانا کے نزدیک اسلام ایک عالمگیر معاشرہ پیدا کرتا ہے۔ جس کی اساس نہ رنگ پر ہے نہ وطن اور قبیلے پر۔ آپ اس سلسلے میں غالب کا یہ شعر دہراتے تھے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

آپ لوگوں کو آپس میں دوستی رکھنے ایک دوسرے سے محبت سے پیش آنے اور ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر زندگی کے ریگزاروں کو عبور کرنیکی تعلیم دیتے ہیں اور یہ ایک ایسا سبق ہے جس کی نفرتوں اور فرقہ پرستیوں سے ڈسے ہوئے اس معاشرے کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

۲۔خود اعتمادی کی دعوت

مولانا کے دروس (Lectures) میں باہمی محبت و الفت کے ساتھ ساتھ طالب علموں کو خود اعتمادی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور خود اعتمادی ایک ایسی شے ہے۔ جس کے بغیر انسان اپنی ''خودی'' اور اپنی ذات کی تکمیل سے عاری ہوتا ہے۔ اس لئے شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں سب سے زیادہ زور خودی پر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پرروح الامین پیدا

مولانا بھی اپنے شاگردوں میں بال و پر روح الامین پیدا کرتے ہیں۔ یہ ملک وقوم کی بدقسمتی ہے۔ کہ عموماً خوشحال سرمایہ دار گھرانوں کے لڑکے جدید تعلیم کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی اولاد کو جدید تعلیم نہیں دلا سکتے انہیں دینی تعلیم کیلئے بھیجا جاتا ہے۔ اس طرح دینی مدارس میں آنے والے طلبا مالی اعتبار سے تو کمزور ہوتے ہیں۔ مگر ان میں بعض نو جوان ذہنی اعتبار سے ذہنی پستی اور احساس کمتری کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم العصر ایسی آیات مبارکہ اور احادیث پر کھل کر گفتگو کرتے ہیں جن میں خودی اور خودداری کا سبق ملتا ہے۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالیں دیتے ہیں کہ صحابہ کی اکثریت کے پاس تن ڈھانکنے کو کپڑا نہ ہوتا تھا۔ لیکن دنیا نے دیکھا انہی مفلس اور قلاش صحابہ کی ٹھوکروں سے قیصر و کسریٰ کے محلات زیر و زبر ہوئے دنیا کی متمدن اور مہذب قومیں ان مفلوک الحال مسلمانوں کے عزم قوی کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور سیدھے اصحاب صفہ کے درمیان جا بیٹھے اس وقت ان کا حال یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے جسم سے اپنے نیم برہنہ جسموں کو چھپا رہے تھے ۔نباض فطرت انسانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ تم لوگ مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوگے۔ یہ سن کر ان کے چہرے کھل اٹھے حضرت

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ اس دن مجھے بھی یہ خواہش ہوئی کہ کاش میں بھی انہیں مفلوک الحال لوگوں میں سے ہوتا یہ حدیث بیان کرتے ہوئے مولانا کا چہرا فرط خوشی سے تمتما جاتا ہے۔اور آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے پسماندہ علاقوں اور غریب گھرانوں کے نوجوان بھی باغ باغ ہوجاتے ہیں۔ نہ جانے اس وقت ان کے دلوں میں خوشی اور خود اعتمادی کے کتنے چراغ روشن ہوجاتے ہونگے علامہ اقبال نے اگر چہ واعظ کے دل و دماغ پر'' وعدہ حور'' کے اثر کو ہدف تنقید بنایا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر اوقات یہ وعدہ حور بھی بڑے کام کی چیز ثابت ہوتا ہے۔اور اس کی بناء پر دل و دماغ میں خود اعتمادی اور عزت نفس کی وہ فضا پیدا ہوجاتی ہے جو بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کا کلام پڑھنے سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔

ان کی اسی نوع کی تربیت کا یہ اثر ہے کہ آپ کے شاگردوں نے سیاست علم و دانش اور دین ومذہب کے کئی میدانوں میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ اور دنیا ان کی الو العزمی اور قوی عزم کے گن گاتی ہے۔

خود اعتمادی باہمی پیار ومحبت کے فروغ مطالعے اور مشاہدے میں وسعت کیلئے آپ سیر وتفریح اور کھیل کود کو لازمی قرار دیا کرتے ہیں۔

مولانا کے یہ خیالات قدماء کے خیالات سے عین مطابقت رکھتے ہیں جن کے ہاں جسمانی مشقت اور ریاضت پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ نامور مالکی فقیہ قاضی ابن جماعۃ نے اپنی کتاب تذکرۃ السامع والمتکلم کے عنوان سے جو مختصر مگر جامع کتابچہ تحریر کیا ہے۔اس میں آداب علم میں سے ایک ادب سیر و سیاحت کا بھی بیان کیا ہے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

وَكَانَ بَعْضُ كِبَارِ الْعُلَمَاءِ يَذْهَبُوْنَ بِبَعْضِ الطَّلَبَةِ اِلٰى مَقَامَاتِ النُّزْهَةِ وَ يَشْتَغِلُوْنَ بِمَالاً ضَرَرَ عَلَيهِمْ فِىْ دِيْنِهِمْ اَوْدُنْيَا هُمْ ہ

یعنی بعض بڑے بڑے علماء اپنے طالب علموں کو کسی صاف ستھرے اور خوش منظر مقام پر

لے جاتے تھے اور ایسے کھیلوں میں مشغول رہتے ہیں کہ جن کا ان کی دینی یا دنیاوی زندگی پر کوئی نقصان نہ ہوتا تھا۔

حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے بامقصد سیر وتفریح اور کھیل کود کی قرآن و سنت میں کہیں ممانعت نہیں بلکہ خود مولانا اس کے جواز پر آیت قرآنیہ (**اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ** (سورۃ یوسف) یعنی برادران یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ کھائے گا اور کھیلے گا۔) سے استدلال کرتے ہیں لیکن دینی مدارس میں یہ ساری باتیں معیار علمی کے منافی تصور ہوتی ہیں۔

۳۔ کثرت مطالعہ کی دعوت

مولانا کی گفتگو اور عمومی بات چیت سے مطالعے کی وسعت جھلکتی ہے اور ظاہر ہے کہ مطالعہ کے بغیر ''گفتگو اور درس'' میں نہ تو وسعت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی گہرائی، آپ شروع سے ہی بہت زیادہ مطالعہ پسند رہے ہیں۔ بڑھاپے میں البتہ اس میں فرق ضرور پڑا ہے لیکن جذبہ بہرحال موجود ہے۔ گو اب یہ جذبہ صرف ضروری کتب اور رسائل کے مطالعہ تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔

آپ کا حافظہ بھی بڑے غضب کا ہے آپ کو کتابوں کے حوالے ان کے صفحات سمیت یاد رہتے ہیں اس بارے میں آپ پر رشک آتا ہے آپ اپنے شاگردوں میں بھی یہی بات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو ادب کے ساتھ بھی خصوصی دلچسپی ہے۔ اچھی بات اور اچھا شعر آپ کی کمزوری ہے۔ اور میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں اگر آپ دینی عالم نہ ہوتے تو ایک اچھے شاعر ضرور ہوتے ۔ آپ کے کئی شاگرد تک بندی کرتے کرتے اچھے خاصے شاعر بن گئے ہیں۔ آپ اپنی گفتگو اور خطوط میں موزوں اور برمحل اشعار کا استعمال کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات آپ اپنا مافی الضمیر صرف ایک شعر میں بیان کردیا کرتے ہیں۔

۴۔ تربیت نفس کی دعوت

آپ کی تقریروں اور گفتگو میں دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ ''تصوف'' اور تربیت نفس کی دعوت بھی شامل ہوتی ہے آپ تصوف کو حدیث جبریل میں آنے والے ''احسان'' کی تعبیر قرار دیتے ہیں جس میں ہے۔

مَا الْاِحْسَانُ قَالَ الْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَأَنَّكَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاكَ (البخاری)

(حضرت جبرئیل نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا) احسان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے جیسے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

چنانچہ آپ نے سب سے پہلے تو شاہ عبدالقادر رائپوری سے بیعت کی ان کی وفات ۱۹۶۲ء کے بعد کچھ عرصہ لاتعلقی میں گزارا پھر ۱۹۶۵ء کے قریب مولانا عبدالعزیز رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی ایک زمانے تک آپ کا مولانا سے بڑا گہرا تعلق رہا اور ان دنوں آپ مولانا کے لئے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

دلم کہ رم نبودے زپری روجواناں کہنہ کار پیرے بردش بیک نگاہے۔

بعد میں اگرچہ اس تعلق میں فرق آ گیا لیکن مولانا گھمتلوی کے ساتھ آپ کی عقیدت ومحبت میں کوئی فرق نہ آیا۔

آپ کو دوسرے کئی صوفیاء بزرگوں خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ عبدالعزیز محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے اکابر سے بڑی عقیدت ہے اور آپ ان کا ذکر ہمیشہ بڑے ادب سے کرتے ہیں اور ان کے علمی اور صوفیانہ معارف ونکات سے اپنے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں۔

مولانا ''تربیت'' کو تعلیم کا لازمہ تصور کرتے ہیں، مولانا کا خیال ہے کہ تعلیم اس وقت تک بندے کو فائدہ نہیں دیتی، جب تک ''تربیت'' کا لاحقہ اس کے ساتھ نہ ہو، مولانا کے نزدیک اگر علم انسان کو راہ ہدایت نہ دکھائے تو وہ علم وبال جان ہے مولانا کا پسندیدہ ترین شعری مصرعہ، جسے وہ اکثر دہراتے ہیں، یہ ہے۔

علمے کہ راہ حق نمناید جہالت است

آپ اکثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واعوذبك من علم لا ینفع۔ (اور اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو مجھے فائدہ نہ دے۔

علم کا نفع یہ ہے کہ وہ انسان کی شخصیت بدل دے، اسکے خیالات وافکار میں تبدیلی پیدا کردے چنانچہ آپ اکثر کہا کرتے ہیں۔ کہ جہاں تک علمی وسعت کا تعلق ہے تو ایک مسلمان عالم اور ایک غیر مسلم عالم میں بنیادی فرق یہی ہے، کہ ایک طرف علم ہی علم ہے اور دوسری جانب علم کے ساتھ عمل بھی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُو التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ)

ان لوگوں کی مثال جو تورات کو اٹھائے ہوئے ہیں پھر وہ اسے نہیں اٹھاتے (عمل نہیں کرتے) اس گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لاددی گئی ہوں۔

اپنے شاگردوں کی فکری اور ذہنی تربیت اور ان میں ''علمی وعملی کمال'' پیدا کرنے کیلئے آپ نفسیاتی طریقوں سے بھی کام لیتے ہیں۔ آپ نے نفسیات کے موضوع پر پڑھا تو کچھ خاص نہیں البتہ اس ہستی کے انداز تربیت اور فلسفہ اخلاق کا ضرور گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ کہ جن کے سامنے انسانی علوم ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا

اس لئے آپ کی مجالس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''انداز تربیت'' کا اثر تو عمدگی کے ساتھ نظر آتا ہے آپ ڈانٹ ڈپٹ اور سختی وشدت کے بجائے پیار ومحبت سے اپنے

طالب علموں کے گرد جال ڈالتے ہیں اور اپنے عمدہ اخلاق اور اپنے زوردار اسلوب بیان سے طالب علموں کو اتنا متاثر کر لیتے ہیں کہ ان میں تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے اور وہ از خود اس سے اثر پذیر ہو جاتے ہیں ۔ آپ کا یہ انداز تربیت ہی ، آپ کی زندگی کی وہ متاع گرانمایہ ہے، جسے بجا طور پر آپ کا سرمایہ حیات قرار دیا جا سکتا ہے ۔

الغرض مولانا اپنے دور میں اسلاف کی یادگار اور قدیم و جدید تعلیم کا ایک حسین امتزاج اور تعلیم و تربیت کا ایک خوب صورت سنگھم ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو ان خوبیوں کے ساتھ سلامت رکھے ۔

خطبات حکیم العصر کا جائزہ

حکیم العصر مولانا عبدالمجید صاحب کے یہ خطبات زیادہ بہتر الفاظ میں ، ان کے دروس (Lectures) ان کے ایسے خطبات کا مجموعہ ہیں جو انہوں نے مختلف موقعوں پر دیے جن سے مولانا کے اندازِ تدریس اور اسلوب بیان کا بخوبی اظہار ہوتا ہے ۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں مولانا نے اپنی زندگی میں جو کام احسن و اجمل طریقے سے انجام دیا ، وہ ''عمل تدریس'' ہے یہ فریضہ وہ تقریباً گزشتہ ۵۰۔۵۱۔ سالوں سے انجام دے رہے ہیں ۔ انہوں نے ۲۰ برس کی عمر میں تدریس شروع کی اور اس وقت تک جبکہ مولانا ستر سے زیادہ بہاریں دیکھ چکے ہیں ۔ یہ سلسلہ جاری ہے ۔ اس عرصے میں آپ نے بنیادی طور پر ، چار مدارس (جامعہ نعمانیہ کمالیہ ، مدرسہ قاسم العلوم ، دار العلوم کبیر والہ اور جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا) میں تدریسی فرائض انجام دیے ۔ ان میں سے اول الذکر دونوں میں صرف ایک ایک برس ، انہوں نے یہ فریضہ انجام دیا اور باقی عرصہ آپ نے موخر الذکر دونوں مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے بسر کیا ۔

ایک مدرس اور خطیب میں بڑا بنیادی فرق ہوتا ہے ۔ خطیب کے سامنے عوام ہوتے ہیں لہذا اسے اپنے علمی اور فکری رتبے سے نیچے اترنا پڑتا ہے ۔ اور عوام کی سطح پر

آ کر ان سے گفتگو کرنا ہوتی ہے۔ جبکہ ''مدرس کے روبرو طلبہ ہوتے ہیں لہذا اسے اپنی سطح پر رہتے ہوئے گفتگو کرنا پڑتی ہے۔ پھر خطیب کو موقع محل کے مطابق اپنی آواز میں ''زیر و یم'' لانا ہوتا ہے۔ تا کہ اس کے سامعین کو حسب حال اپنی گفتگو اور اپنے اطوار سے متاثر کیا جاسکے۔ جبکہ ''تدریس'' کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اس کو چونکہ روز ہی یہ فرض انجام دینا ہوتا ہے۔ اور وہ بھی کئی کئی گھنٹے اس لئے اس کی گفتگو ''جوش خطابت سے عاری ہوتی ہے۔

ایک اچھے اور کامیاب مدرس کی کیا پہچان ہے؟ ہمارے خیال کے مطابق ، اسے کسی قاعدے اور ضابطے کے تحت محدود نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ہمارے خیال میں ایک اچھے اور کامیاب مدرس میں درج ذیل خصوصیات پائی جانی چاہئیں۔

۱۔ زیر درس کتاب پر فکری عبور اور اس کے پس منظر و پیش منظر سے گہری واقفیت۔

۲۔ مطالعے کی وسعت

۳۔ اظہار مافی الضمیر کا وسیع ملکہ اور زبان و بیان کے اسالیب پر عبور

۴۔ خوش اخلاقی اور خوش گفتاری۔

۵۔ سامع اور طالب علم کی ذہنی سطح اور اس کی نفسیات سے ہم آہنگی

حکیم العصر مولانا عبدالمجید صاحب کے متعلق یہ بات بلا خوف و خطر کہی جاسکتی ہے کہ ان میں اچھے اور کامیاب مدرس کی یہ تمام صفات اور اس کے ساتھ مزید کئی اور صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ مولانا نے چونکہ تدریس کا پیشہ ضرورت اور مجبوری کے تحت نہیں اپنایا بلکہ دلی مسرت اور دلی شوق کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ اور آپ سر سے لے کر پاؤں تک مکمل طور پر مدرس ہی ہیں اور شاید ہمشیہ ایسا ہی رہیں گے۔ لہذا آپ کی تدریس میں کمال درجے کی گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔

مولانا کو اپنے حاضرین اور اپنے شاگردوں کی نفسیات پر پورا عبور حاصل ہوتا ہے۔ آپ بڑے ہی ماہرانہ طریقے سے طالب علموں کے ذہنوں سے ابھرنے والے خیالات کا کھوج لگا لیتے ہیں۔ اور پھر ان کے ہونٹ ہلنے سے پہلے ہی ان کے سوالوں کا

جواب دے دیتے ہیں۔ ان کی گفتگو سننے والوں کی حالت ایسی ہوتی ہے جو غالب نے بیان کی ہے۔

دیکھ کر تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے جانا یہ بھی گویا میرے دل میں ہے

تاہم مولانا میں روایتی قسم کے مدرسین کے مقابلے میں ایک یہ کمال بھی ہے کہ آپ اپنے آپ کو کتاب کے مضمون یا موضوع تک محدود نہیں رکھتے بلکہ آپ کی گفتگو کا کینوس بڑا وسیع ہوتا ہے وہ طلبا کے ہمہ قسم کے سوالات کے جوابات بھی دیتے ہیں۔ اور ملکی یا عالمی سطح پر رونما ہونے والے کئی دینی یا سیاسی مسائل کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ بسا اوقات پورے درس میں ایک بات بھی کتاب کے متعلقہ حصے کے بارے میں نہیں ہوتی بلکہ دوسرے موضوعات کے متعلق ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر ان کے ذہن وفکر کے دریچے کھلتے ہیں۔ اور بات سے بات یوں نکلتی اور پھیلتی چلی جاتی ہے جیسے وہ گویا تسبیح کے دانے ہوں بہت جلد وہ اپنی گفتگو اور اپنے الفاظ سے علم و ادب کا ایک ایسا دائرہ بنادیتے ہیں جس کی خوشبو بہت سحر انگیز ہوتی ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ پورے وقت پر نصابی کتب بھی مکمل کراتے ہیں۔ طلبا اور علماء میں آپ کی درسی تقاریر معہ تحقیقات اور خارجی مسائل پر آپ کی جچی تلی رائے اور تقاریر کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے خارجی اہم مسائل میں بڑی بڑی شخصیات رہنمائی حاصل کرتی ہیں۔ مولانا کے زیر نظر خطبات مولانا کے ایسے خطابات یا دروس پر مشتمل ہیں۔

جس نوجوان نے ان خطبات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے اس نے انہیں اسی انداز اور اسی اسلوب میں منتقل کردیا ہے یقیناً یہ انداز کسی ''تحریر'' یا مضمون نویسی کے اسلوب سے مختلف ہے۔ لیکن اگر اسے مضمون نویسی کے انداز میں مرتب کیا جاتا، تو شاید اس کا سارا حسن و جمال ہی غارت ہوجاتا'' اس لئے اسے اسی ترتیب میں مرتب کیا جانا چاہیے تھا۔

یہ مضامین متفرق موضوعات سے متعلق ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ توحید باری تعالیٰ۔
۲۔ روشن خیالی کیا ہے۔
۳۔ ولادت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۴۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حالات۔
۵۔ ماہ محرم اور اسلامی تقویم۔
۶۔ تقویٰ کی حقیقت اور طائفہ منصورہ۔
۷۔ اہمیت علم
۸۔ دینی مدارس اور کالج۔
۹۔ تاریخ علمائے دیوبند۔
۱۰۔ اہمیت پردہ۔
۱۱۔ سورج گرہن۔
۱۲۔ احکام ماہ محرم
۱۳۔ ظالموں کی طرف میلان۔
۱۴۔ قیام پاکستان۔

ان کا پہلا خطبہ توحید باری تعالیٰ پر مشتمل ہے، یہ ان کا ''جامعہ عبیدیہ'' فیصل آباد میں دیا ہوا خطبہ ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی واحدنیت اواس کی ربوبیت کبری کو واضح کیا ہے۔ مجموعے کا دوسرا خطبہ دراصل ''ختم بخاری'' پران کا بیان ہے۔ جس میں آپ نے بخاری شریف کی آخری حدیث پر گفتگو فرمائی ہے اور ''ایمان اور کفر'' یا نور وظلمت کے مابین موازنہ کیا ہے۔ آپ کے اس خطبے کا عنوان اگر چہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل معاشرے کی حالت ہے۔ مگر حقیقت میں، اس کا موضوع اس سے زیادہ وسیع ہے اور انہوں نے کفر کے مقابلے میں ایمان کی اور ظلمت کے مقابلے میں نور کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کو واضح کیا ہے۔

اس مجموعے کا تیسرا خطبہ ''رسول اکرم ﷺ کی ولادت'' کے عنوان پر مشتمل ہے۔ اس خطبے میں مولانا نے ربیع الاوّل کے مہینے میں میلاد النبی کے عنوان پر ہونے والی رسوم پر گفتگو کی ہے اور اس کو اسلام کے اصل پروگرام سے توجہ ہٹانے کی کوشش قرار دیا ہے۔ اس سے اگلے خطبے میں آپ نے اسلامی سال کی اہمیت کو واضح کیا اور محرم الحرام میں ہونے والی بے سند اور بے بنیاد رسوم پر بحث کی ہے اس خطبے میں مولانا نے مولانا شمس الحق افغانی کے حوالہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماہ دسمبر میں ولادت کو ''قرآن کریم کی تصریحات کے منافی'' قرار دیا ہے۔ اور اسلامی تقویم کی حکمتوں کو واضح کیا ہے۔

اگلا خطبہ ''تقویٰ کی حقیقت اور طائفہ منصورہ'' کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ اس میں بنیادی موضوع مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے جسے حضرت عرباض بن ساریہؓ نے روایت کیا ہے اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کو مضبوطی سے پکڑنے اور کتاب وسنت پرزور دیا ہے۔ مولانا نے اس حدیث کے علاوہ دوسری احادیث میں مذکور اہل سنت والجماعت کی حقانیت پر بحث کی ہے اس سلسلے میں ''صراط مستقیم'' پر بھی پُر مغز گفتگو ہوئی ہے۔

''علم کی اہمیت'' اگلے خطبے کا عنوان ہے۔ اس خطبے میں آپ نے ملت ابراہیمی کی توضیع وتشریح سے بات شروع کی ہے اور پھر خصوصی طور پر ''دینی علوم'' کی اہمیت اور اس کی فضلیت و برکت کو واضح کیا ہے دینی تعلیم کی اہمیت کے بارے میں شکوک وشبھات کے شکار لوگوں کو یہ خطبہ ضرور پڑھنا چاہیے۔

پھر چونکہ دینی مدارس میں دینی علم پڑھایا جاتا ہے اور موجودہ زمانے میں اہل مغرب نے دینی مدارس کو ایک سوالیہ نشان بنادیا ہے اس پس منظر میں مولانا کا آئندہ خطبہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جس میں دینی مدارس اور کالجوں کی تعلیم اور دونوں کے طرز تعلیم میں تقابل کرتے ہوئے دینی تعلیم کے مراکز کا عمدہ ترین الفاظ میں دفاع کیا گیا ہے مولانا کے خطبات کا ایک خوشگوار پہلو یہ ہے کہ ان میں بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے دینی مدارس کی بات چلی تو برعظیم پاک و ہند میں دینی مدارس کی صورت میں

ہزاروں مدارس چلانے اور اعتدال پر مبنی مسلک رکھنے والے ''علمائے دیوبند'' کا نام بھلا کیسے بھلایا جاسکتا ہے۔ اس لئے اگلے خطبے کا عنوان علمائے دیوبند اور ان کی خدمات ہے'' اس خطبے میں مولانا نے علامہ اقبال کا علمائے دیوبند کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ ''ہر عقل منداور ہوش مند انسان دیوبندی ہوتا ہے۔ دراصل '' دیوبندیت'' دین میں ''میانہ روی'' اختیار کرنے سے عبارت ہے۔ اس لئے دیوبندی علماء اور ان کی برعظیم پاک و ہند میں دینی فکر کو پروان چڑھانے کے سلسلے میں ان کی کوششیں ہماری دینی تاریخ کا اہم ترین حصہ ہیں۔ جنہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ایک مسلمان عورت کو کیسے رہنا چاہیے؟ خصوصاً پردہ اور حجاب کے متعلق اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ یہ مولانا کے اگلے خطبے کا موضوع ہے۔ یہ دراصل طالبات کے سالانہ اجتماع کے موقع پر مولانا کا خطاب ہے۔ جسمیں آپ نے مسلمان عورتوں کے اسلامی معاشرے میں کردار پر گفتگو کی ہے اور حجاب اور پردے کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔

اگلا خطبہ سورج گرہن کے عنوان پر مشتمل ہے اس میں مولانا نے سورج گرہن کے حوالے سے قرآن مجید اور احادیث نبویہ پر گفتگو کی ہے۔

'' اسلامی سال کا اختتام'' نامی خطبے، میں مولانا نے ماہ محرم میں ہونے والی رسوم پر بحث کی ہے۔ مولانا کا یہ خطاب '' ماہ محرم اور اسلامی تقویم'' کے عنوان پر گزشتہ اوراق میں مذکور خطبے سے ملتا جلتا ہے۔ مواد اور مباحث بھی تقریباً یکساں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو غیر مسلموں اور فاسق وفاجر لوگوں سے مشابہت اختیار کرنے سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ یہی مسئلہ مولانا کے اگلے خطبے کا موضوع ہے۔ یہ خطبہ مولانا نے مدرسہ کی طالبات کی مجلس میں دیا ہے۔ اور چونکہ عورتوں میں دوسروں کی نقل کرنے کا جذبہ بہت زیادہ دیکھنے میں آتا ہے۔ اس لئے یہ خطبہ وقت کے ایک اہم تقاضے کی تکمیل کرتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد مسلسل یہ سوال اٹھایا جارہا ہے۔ کہ بعض علمائے دیوبند نے تحریک پاکستان کی مخالفت کیوں کی تھی؟ اس کا جواب اگر چہ مفصل طور پر کئی کتابوں میں دیا جاچکا ہے۔ اور ان معروضی حقائق کی نشان دہی کی گئی

ہے جن کے تحت انہوں نے موقف اختیار کیا لیکن پھر بھی وقتاً فوقتاً یہ سوال اٹھایا جاتا ہے ان کے اس موقف کا سب سے واضح ثبوت یہ ہے کہ اسی موقف کی بنا پر وہ آج بھی ہندوستان کے ۲۴ کروڑ مسلمانوں کی قیادت کرر ہے ہیں مولانا نے اسی موضوع پر آخری خطبہ صادر کیا ہے۔

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجموعہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور ان زندہ مسائل کے بارے میں جن میں آج کا
ہر مسلمان مرد وعورت مبتلا ہے۔ بڑی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ خطبات ہر مسلمان گھرانے کی ضرورت ہیں۔

اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث مولانا لدھیانوی کو، اور ان کے مرکز رشد وعرفان کو تادیر سلامت رکھے اور اس مجموعہ کو مرتب کرنے والے حضرات کو جزائے خیر عطا کرے آمین۔

(محمود الحسن عارف)

دار العرفان
رحمان پارک پارک گلشن راوی لاہور

توحید باری تعالیٰ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

❀❀❀❀

تمہید

واجب الاحترام علمائے کرام! جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ کبھی سال میں دو موقعے بھی مل جاتے ہیں، ورنہ ایک موقع تو لازماً مل ہی جاتا ہے۔ سال کے شروع میں یا سال کے آخر میں۔ یا ترجمہ شروع کرواتے وقت۔ اور اِس دفعہ تو آپ کے لئے ایک بڑی نعمت حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی تشریف آوری تھی جو آپ کے سامنے موجودہ حالات کی صحیح طور پر ترجمانی کرتے۔ ان کو وقت زیادہ سے زیادہ ملنا چاہئے تھا۔ لیکن مجھے کمزوری کا بہت شدید عارضہ ہے اور لمبا سفر کر کے آیا ہوں جب کہ دوپہر کو آرام بھی نہیں کر سکا، مگر حاضری لگوانی ضروری تھی۔ تو حضرت کی خدمت میں التجاء کی کہ مجھے چند منٹ ابتدا میں دے دیں صرف ایک حاضری لگوانی مقصود ہے۔ ورنہ نہ میں آپ حضرات کے لئے اجنبی ہوں اور نہ آپ میرے لئے اجنبی ہیں۔ جب سے یہ مدرسہ عبیدیہ قائم ہوا ہے، سال میں ایک دو دفعہ حاضری مسلسل جاری ہے اور آگے بھی زندگی رہی تو یہ سلسلہ جاری رہے گا انشاء اللہ، یہ میرا اپنا مدرسہ ہے اِس لیے محترم شاہ صاحب جب بھی یاد فرماتے ہیں حاضر ہو جاتا ہوں۔

آج کا موضوعِ سخن

بس ایسے ہی وقتی طور پر ایک بات ذہن میں آ گئی آپ حضرات کی خدمت میں عرض کر دوں۔ توجہ فرمائیں اللہ مجھے بھی اور آپ کو بھی صحیح عقیدے اور صحیح عمل پر اِستقامت نصیب فرمائے۔ آمین

پہلا تعارفِ خداوندی

دیکھنے میں ایسا لگ رہا ہے کہ آج یہاں مجمع زیادہ تر اہل علم یا اہلِ اصلاح کا ہے، جو آپ حضرات کی خدمت میں آتے رہتے ہیں۔ اِس لئے وہ اِس بات کو جانتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔قرآن پاک نے اِس واقعہ کو ذکر کیا ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اُن کی ساری اولاد کو بیک وقت موجود کر کے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے تمام بنی آدم سے ایک عہد لیا تھا، اور۔۔۔لفظ رَبّ سے اپنا پہلا تعارف بنی آدم کو کروایا اور یہ سوال اٹھایا تھا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؟ ۔ کیا میں تمہارا رَب نہیں ہوں؟ تو آدم علیہ السلام کی ساری اولاد نے بمع ہمارے، ہم بھی وہاں موجود تھے کیونکہ ہم بھی اولادِ آدمؑ میں سے ہیں کسی بندر کی نسل سے نہیں۔ بندر کی نسل کے جو لوگ ہیں اُن کی بات علیحدہ ہے ہم حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔لہٰذا ہم نے بھی اللہ سے عہد کیا:

قَالُوْا بَلٰی ۔ کیوں نہیں! یا اللہ تو ہمارا رَب ہے۔

اللہ نے ہمیں سب سے پہلے لفظِ رَب سے اپنا تعارف کروایا اور اُس کے رَب ہونے کا ہم نے اقرار کرلیا۔۔

رَبوبیت کی آواز

اللہ نے سب سے پہلے ہمارے کان میں جو آواز ڈالی وہ اپنی رَبوبیت کی ہے۔اور یہ بھی آپ سنتے رہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہماری زندگی کا جو نتیجہ نکلے گا اور حساب وکتاب کا جو عمل شروع ہوگا وہ مرنے کے بعد قبر میں جاتے ہی شروع ہو جائے گا اور وہاں ہمارے سامنے ایک پرچہ آنے والا ہے جو تین سوالوں پر مشتمل ہوگا۔ وہ پرچہ بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ سلم نے آؤٹ کر دیا اور ہمیں بتا دیا ہے کہ کیا کیا سوال ہونے ہیں۔آپ کو یاد ہے کہ اِس میں پہلا سوال یہی ہے:

مَنْ رَبُّكَ؟ ۔ تیرا رَب کون ہے؟

قبر میں جانے کے بعد جس وقت ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا تو سب سے پہلے جو بات پوچھی جائے گی، وہ یہ ہے مَنْ رَبُّكَ؟ ۔ تیرا رَب کون ہے؟ (ترمذی ۱۴۴/۲۔مسلم ۳۸۶/۲)

معلوم ہوگیا کہ پہلے دن جو سبق پڑھایا تھا اُسی کے متعلق سوال کیا کہ وہ یاد

بھی رہا کہ نہیں رہا۔ جو زندگی گزار کر آئے ہو اُس میں وہ سبق یاد رکھا تھا کہ نہیں ؟۔اِسلئے مَنْ رَبُّكَ کا سوال پہلے ہے۔ اور موت اور اِس دنیا میں آنے کے بعد کا جو درمیانی وقفہ ہے اِس میں ہم سے یہی مطالبہ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ۔۔۔۔

جو لوگ کہہ دیں کہ ہمارا رَب اللہ ہے اور پھر اِس کے اوپر ڈٹے رہیں۔۔۔۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ۔۔۔اللہ کو رَب ماننے کے بعد ، اِس ربوبیت کے عقیدے کے اوپر اِستقامت، ہماری پوری زندگی میں اِس کا مطالبہ ہے۔

کتابِ ہدایت کی ابتداء و انتہاء

بلکہ اگر آپ غور فرمائیں،سب اَہلِ علم ہیں ماشاء اللہ، اِشارہ کافی ہے کہ اللہ نے ہمارے سامنے جو کتابِ ہدایت رکھی ہے اِس کتابِ ہدایت کی بسم اللّٰه کے بعد پہلی آیت بھی یہی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رَب العالمین ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔۔۔اور جب اِس کتاب کو ختم کیا تو آخر میں بھی اِسی کا ذکر کیا:۔۔۔قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رَبوبیت کا تذکرہ کیا۔

تو اللہ کی رَبوبیت کا جو عقیدہ اتنا مضبوط ،اتنا مستحکم اتنا مشہور اور مؤکد ہے ! جیسے میں نے آپ کے سامنے اِشارے کیے ہیں۔تو دیکھتے ہیں آخر اِس عقیدے میں ہے کیا؟۔۔۔۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ

اَنبیائے کرام کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہی رَبوبیت کا عقیدہ اُن کے لئے ایک بہت بڑے امتحان کا باعث بنا۔ دو نبیوں کا ذکر تو

ہے کہ جن کا واسطہ پڑا ہے بادشاہ سے اور ایسے وقت کے حاکم سے جو اپنے متعلق کہتا تھا کہ میں رَب ہوں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے جن کا واسطہ وقت کے بادشاہ سے پڑا۔ جس کو عام زبان میں ہم نمرود کہتے ہیں۔ وقت کا جابر بادشاہ تھا کافر تھا، مشرک تھا، بت پرست تھا، بت فروش تھا، سب کچھ تھا، اور وہ اپنے متعلق یہ خیال کرتا تھا کہ میں رَب ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اُس کا جھگڑا ربوبیت کے بارے میں ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کے دربار میں نعرہ لگایا کہ میرا رَب تو وہ ہے جو موت وحیات کا مالک ہے:

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔ اور اُس نے کہا کہ

اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ موت وحیات تو میرے ہاتھ میں ہے (سورہ بقرہ۔آیت ۲۵۸)۔

جس کو چاہوں ماروں جس کو چاہوں زندہ رکھوں۔ اب اِن باریکیوں میں مَیں نہیں جاتا۔ موٹی سی بات کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر کہا کہ میرا رَب وہ ہے جو سورج کو مشرق کی طرف سے لاتا ہے مغرب میں غروب کرتا ہے، اور اگر تجھے اپنی رَبوبیت کا دعویٰ ہے تو سورج کو مغرب کی طرف سے چڑھا کے دکھا دے۔

فَبُہِتَ الَّذِیْ کَفَر ۔۔۔ کافر مبہوت ہو گیا آگے بول نہ سکا!

لیکن جس وقت طاقتور کو بات کا جواب نہ آئے، تو بقول حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ مُکّا نکالتا ہے اور وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تو اُس نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِسی عقیدے کی سزا دینے کے لئے کہ وہ ۔۔۔ کسی دوسرے کو رَب ماننے کے لئے تیار نہیں تھے ۔۔۔ بادشاہ کو رَب ماننے کے لئے تیار نہیں تھے ۔۔۔ لہذا اُن کے لئے آگ تیار کروائی تا کہ وہ اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکے۔ اِدھر اللہ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں کودنا برداشت کر لیا لیکن اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو رَب ماننے کیلئے تیار نہیں ہوئے۔

تتمیماً للفائدہ ایک قصہ آپ کے سامنے بیان کروں کہ جب آپ علیہ السلام آگ میں ڈالے جا رہے تھے ۔۔۔ قابلِ عبرت بات ہے، کہ اللہ کو رَب ماننے والا

آ گ میں ڈالا جا رہا ہے، اور وقت کا جابر حاکم اُس کے جلانے کے تمام انتظامات کیے ہوئے ہے۔

غیراللہ کی حمایت کرنے والے کی سزا

حدیث شریف میں آ تا ہیکہ ایک کیڑا جس کو عرَ بی میں ''وزغ'' کہتے ہیں ،جس کا معنی لکھا ہے، ''**سام ابرص کبیر**'' بڑی چھپکلی۔ایک تو چھوٹی چھپکلی ہوتی ہے جو عام گھروں میں پھرتی ہے اور ایک اِس کی بڑی قسم ہوتی ہے جو باہر جنگل میں ہوتی ہے جس کو ہماری پنجابی زبان میں کوڑ کرلا کہتے ہیں۔سمجھ آ گیا ہو گا آپ حضرات کو؟ اگر آپ کبھی باہر جاتے ہوں۔ویسے شہر والوں کو باہر جانے کا موقع کم ہی ملتا ہے۔۔۔ یہ کوڑ کرلا جھاڑیوں میں، جنگلوں میں، درختوں میں ہوتا ہے،شکل چھپکلی کی ہوتی ، اکڑتا بہت ہے۔ اِس کی گردن بہت اکڑی ہوئی ہوتی ہے۔اِسی لئے جب کوئی آدمی بلاوجہ تکبر کرتا ہے،تو کہتے ہیں دیکھو! کس طرح کوڑ کرلے کی طرح گردن اٹھاتا ہے اور جب جھانکتا ہے تو گردن کو اکڑا کے دیکھا کرتا ہے۔

تو حدیث شریف میں آتا ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بڑا بدمعاش ہے۔اِس کے لئے **فویسق** کا لفظ اِستعمال کیا ہے، کہ وہ فاسق بدمعاش ہے۔فرمایا جو اِس کو ایک ہی مار سے مار دے اُس کو سو نیکی ملتی ہے، جہاں دیکھو اِس کوڑ کرلے کو جو گردن اٹھاتا ہے، اکڑتا ہے، فوراً مار دو۔ آخر اِس کے اوپر اتنی ناراضگی کا اظہار کیوں ہے؟۔ ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟۔۔۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا، تو یہ بدبخت آگ کو بھڑکانے کیلئے پھونکیں مارتا تھا (بخاری ۱/۴۷۴۔مسلم ۲/۲۳۶۔ابن ماجہ ۱/۲۳۱)۔۔۔

اب کیا کوڑ کرلا اور کیا اِس کی پھونک؟۔۔۔اتنی بڑی آگ کے مقابلے میں کوڑ کرلے کی پھونک کی حیثیت ہی کیا ہے؟ لیکن اِس خبیث کی خباثت تو سمجھ میں آ

گئی۔ !!یعنی اللہ کی رَبوبیت کا دعویٰ کرنے والے کے مدِّ مقابل۔۔۔ جب اُسے آگ میں ڈالا جارہا تھا یہ اُس غیر اللہ کا، جو اپنے رَب ہونے کا دعویٰ کررہا تھا اُس کا مددگار بن کر پھونکیں مارتا اور اپنی خباثت کا اظہار کرتا رہا۔ اِس کی ان پھونکوں کا اثر یہ ہوا کہ اِس کی پوری نسل ملعون ہوگئی اور قیامت تک کے لئے یہ بدبخت قرار پایا۔ اور اِس کو مارنا کوٹنا اور اِس کو ہلاک کرنا باعثِ ثواب ہوگیا۔

معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے مقابلے میں اگر دشمن کوئی آگ بھڑکائے تو جو آدمی کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا، لیکن ایک لفظ سے بھی اِس ظالم حاکم کی حمایت کرتا ہے تو یہ کوڑ کرلے کی پھونک ہے۔۔۔ اگر وقت کا حاکم اللہ کو رَب ماننے والوں کے مقابلے میں کوئی اَلاؤ جلاتا ہے۔۔۔ آگ بھڑکاتا ہے۔۔۔ اُن کو آگ میں پھونکتا ہے اور کوئی شخص اِس ظالم حاکم کا ساتھ دیتے ہوئے کوئی ایک لفظ بھی ایسا بولتا ہے جو اُس کی حمایت میں ہو اور اہل اللہ کی مخالفت میں ہو تو یہ کوڑ کرلے کی پھونک ہے۔ اگرچہ اُس کے اِس بولنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن ایسے ظالموں کی حمایت میں بولنے والا اپنی نسل کو ملعون بنا جائے گا۔ کیا اِس واقعہ سے عبرت نہیں حاصل ہوتی۔؟

تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے آنے والی نسل کے لئے اسلئے محفوظ کیا ہے کہ یہ باعثِ ہدایت ہے۔ اِن واقعات سے سبق حاصل کرو کہ اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر آگ میں جلنا پڑتا ہے۔۔۔ یہ اُسوہ ہمیں بتاتا ہے کہ آگ کو قبول کرلیا جائے لیکن کسی کو رَب مان کر اُس کے سامنے سر نہ جھکایا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بدمعاشِ اعظم سے واسطہ

دوسرے نمبر پر قرآن کریم میں ذکر آتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا، ان کو بھی ایک ایسے ہی بدمعاش سے واسطہ پڑا تھا جو کہتا تھا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ (سورہ نازعات۔آیت ۲۴)۔۔

قرآن کریم نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رَبوبیت کا مدعی تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت کچھ سکھایا پڑھایا، بچے ذبح کروائے، ہر قسم کے ظلم وستم برداشت کیے لیکن اُس بدمعاش کی رَبوبیت کو تسلیم نہیں کیا۔۔۔

بچے ذبح کروا لیئے، سختیاں سہہ لیں، زخم کھا لیئے، وطن سے بے وطن ہو گیئے، جنگلات میں نکل گیئے، لیکن اُس کی رَبوبیت نہیں مانی۔

فرعون سے موسیٰ علیہ السلام کا جھگڑا بہت طویل ہے اور جو جو واقعات قرآن کریم نے نقل کیے ہیں۔۔۔ایک ایک واقعہ کے اندر موجودہ زمانے کی تصویر صاف نظر آتی ہے۔ کہ جب اہلِ حق کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑ جائے جن کا دماغ یہ ہو کہ رَب ہم ہیں۔۔۔روٹی اُس کو ملے گی جو ہمارے سامنے جھکے گا۔۔۔اور جو ہمارے سامنے نہیں جھکے گا اُس کے لئے آگ ہے۔۔۔اُس کو جلنا پڑے گا، اُس کو اپنی نسلیں کٹوانی پڑیں گی۔ جب یہ دور آ جائے۔۔۔تو اُس دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے عبرت پکڑی جائے۔

رَب کا قصہ چھیڑنے کا مقصد

قرآن کریم کو کبھی اِس نظر سے پڑھ کر تو دیکھو!! تمہیں اِس دور کے بارے میں کیا ہدایات ملتی ہیں؟ آپ کہیں گے کہ یہ رَب کا قصہ کیسے چھیڑ دیا۔اور اِسے آپ کے سامنے لے کر کیوں بیٹھ گیا؟۔۔۔آپ کو نشاندہی کرانا چاہتا ہوں۔ کہ عنقریب ایک مدعی رَبوبیت آنے والا ہے جس کے **مقدمۃ الجیش** کے افراد آ چکے ہیں۔

سب سے بڑا فتنہ اور دجالوں کی تعداد

حدیث شریف میں بار بار اِس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک دجال آئے گا، دجال اُس کا نام نہیں ہے، دجال کا معنی ہے۔۔۔مکر و فریب، چالبازی کرنے والا۔۔۔دجال کا اتنا بڑا فتنہ ہو گا کہ جب سے دنیا بنی ہے اور قیامت تک اُس سے بڑا فتنہ کوئی نہیں ہو گا۔۔۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اِس کا ذکر ابتدا سے کیا ہوا ہے۔

نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے۔ جیسے اللہ نے قیامت کا کوئی وقت متعین نہیں کیا اِسی طرح اِس دجال کے دور کا وقت بھی متعین نہیں کیا۔ لیکن جیسے قیامت یقیناً آئے گی اِسی طرح قیامت سے پہلے یہ دجال بھی ضرور آئے گا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ کسی فتنے کا عروج اور کمال یکدم نہیں ہوا کرتا اِس کی ایک تمہید ہوا کرتی ہے۔۔۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیس دجال آئیں گے۔ کہیں آتا ہے کہ ستر دجال آئیں گے۔ یہ چھوٹے چھوٹے دجال اُس بڑے دجال کے لئے میدان بنائیں گے۔ آخر میں وہ بڑا دجال آئے گا۔

اَنبیائے کرام اُس کا ذکر کرتے رہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں اُس کے متعلق جو تفصیل بتا رہا ہوں، پہلے کسی نبی نے نہیں بتائی کیونکہ واسطہ آپ ﷺ کی اُمت کو پڑنے والا تھا۔ پہلے کسی نبی کی اُمت کو واسطہ عملاً پڑنے والا نہیں تھا۔ اسلئے آپ ﷺ نے اُس کے حالات بڑی تفصیل سے بیان فرمائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ دجال کیا کیا کرتب دکھائے گا؟ کیا کیا اُس کو قدرتیں حاصل ہوں گی اور اُس کا دعویٰ یہی ہوگا کہ جو مانے گا روٹی ملے گی اور جو نہیں مانے گا بھوکا مرے گا اور اپنے متعلق رَبوبیت کا دعویٰ کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔ جن کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں ۔۔۔ اور ایک بات تو بار بار بتائی ہے۔ تمہیں اور کچھ یاد رہے نہ رہے ایک بات ضرور یاد رکھنا کہ۔۔۔ وہ کانا ہوگا اور تمہارا رَب کانا نہیں ہے ۔۔۔ یہ ایک موٹی سی علامت یاد رکھنا کہ وہ دجال کانا ہوگا اور تمہارا رَب کانا نہیں ہے۔

ایمانی بصیرت

اور یہ جو حدیث شریف میں الفاظ آتے ہیں کہ اُس کی پیشانی کے اوپر کافر لکھا ہوا ہوگا، اِس کا یہ معنی نہیں ہے کہ یوں لکھا ہوگا اور سب پڑھ لیں گے بلکہ اُس روایت میں اِشارہ موجود ہے۔۔۔

يَقْرَئُهُ كُلُّ مُوْمِنٍ كَاتِبٌ اَوْ غَيْرُ كَاتِبٍ (مسند احمد۔ رقم ۱۲۹۰۶، مسلم ۲/۴۰۰)۔۔

مومن پڑھے گا۔۔۔ **مومن** چاہے لکھنا پڑھنا جانتا ہو چاہے نہ جانتا ہو وہ پڑھے گا کہ اُس کی پیشانی کے اوپر کافر لکھا ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے کفر کو پہچاننے کے لئے ایمانی بصیرت کی ضرورت ہوگی۔

عام لوگوں کو اس کا پتہ نہیں چلے گا، البتہ مسلمان اپنی ایمانی بصیرت سے پہچانیں گے کہ یہ کافر ہے

یقرئہٗ کل مومن۔۔۔ مومن پڑھے گا۔۔۔

دجالی فتنہ کی تمہید

اُس دجال کے متعلق جس نے رَبوبیت کا دعویٰ کرنا ہے۔میرا خیال یہ ہے کہ اُس کی تمہید شروع ہے اور اُس کے **مقدمۃ الجیش** کے لوگ آ چکے ہیں اور لوگوں کا ذہن بناتے جا رہے ہیں کہ اگر زندگی خوشحال گزارنی ہے تو اُس دجال کو اور اُس دجال کے پیشواؤں کو جو آنے والے ہیں قبول کرلو۔۔۔قبول کرو گے تو بچو گے۔۔۔ اگر قبول نہیں کرتے تو تمہارا کچھ نہیں بچے گا۔۔۔

یہ دعویٰ آہستہ آہستہ یہاں تک پہنچے گا کہ ان کا لیڈر رَب ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور کہے گا کہ کھانا اُس کو ملے گا جو مجھے مانتا ہے اور جو مجھے نہیں مانتا اُس سے۔۔۔اقتصادی بائیکاٹ۔۔۔اُس کا حقہ پانی بند۔۔۔اُس سے تمام رابطے ختم ۔۔۔وہ لوگوں کو بھوکا مارے گا اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوگا۔

ایک روایت کی نشاندہی کر کے اِس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ ورنہ اِس کے بہت پہلو ہیں جو آپ کے سامنے اِس دور میں ذکر کرنے کے ہیں۔ بات یاد رکھنے کی ہے اور یہی قوم کو سمجھانے کی ہے۔

دجال کے ساتھ نہر ماء اور نار کا مطلب

حدیث شریف میں الفاظ آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دجال آئے گا

اور اُس کے ساتھ "نَهْرُ مَآءٍ" پانی کی نہر ہو گی۔ اور اُس کے ساتھ نار ہو گی۔ اگلے جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ جو اُس کی نہر میں جا گرا اُس کی تو زندگی بھر کی نیکیاں برباد ہو گئیں اور گناہ ثابت ہو گیا اور جو اُس کی نار میں جا گرا اُس کے زندگی بھر کے گناہ معاف ہو گئے اور اُس کی نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اگلے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے لیکن میں نهر ماء اور نار کے متعلق آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کے کلام میں کیا کیا نکتے اور کیا کیا تفسیریں اور کیا کیا گہرائی ہے، سمجھنے والے اِس بات کو سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی اور آگ دو چیزوں کا ذکر کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ پانی کی نہر لیے پھرے گا اور اپنے ساتھ جہنم اور آگ لیے پھرے گا۔

صورت جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ پانی ہے سیراب کرنے والا اور آبادی کا باعث اور آگ ہے بھسم کرنے والی اور بربادی کا باعث۔ جس طرح آج جہاں بمباری ہوتی ہے وہاں آگ برستی ہے اور جو لوگ اُس کی زد میں آتے ہیں وہ واقعتاً آگ میں جل رہے ہیں، اِس میں کیا شبہ کی بات ہے؟

حالیہ جنگ کی صورتِ حال

آج کل جو جنگ ہو رہی ہے تو کیا دشمن کی بمباری کے نیچے آنے والے لوگ آگ میں نہیں جل رہے؟ اور وہاں یہ ساری صورتِ حال موجود نہیں ہے؟ تو پانی سے مراد آبادی و خوشحالی اور آگ سے مراد تباہی و بربادی ہے۔ وہ خوشحالی اور آبادی بھی ساتھ لائے گا کہ جو اُس کو مانے گا اُس کے لئے خوشحالی ہی خوشحالی ہے اور جو اُس کو نہیں مانے گا اُس کے لئے آگ اور بربادی ہے۔ لیکن میں آپ کے سامنے رحمۃ اللعالمین، اپنے محبوب اور اللہ کے محبوب ﷺ کا مشورہ نقل کرنا چاہتا ہوں کہ سرورِ کائنات ﷺ کا فرمان ہے کہ۔۔۔ جب وہ بدمعاش آئے اور اُس کے ماننے میں خوشحالی ہو نہ ماننے میں بربادی ہو۔۔۔ اُس کے پاس پانی بھی ہو اور آگ بھی ہو۔۔۔ اُس کی **آگ** کو قبول کر

لینا **پانی** کو قبول نہ کرنا۔

انبیاء کی آزمائش سے سبق

آپ جانتے ہیں کہ جیسے میں نے پہلے عرض کیا کہ فتنہ یک دم نہیں اُبھرا کرتا اُس کی کوئی تمہید ہوتی ہے اُس کے کچھ حالات بنا کرتے ہیں تب وہ جا کے انتہاء پہ پہنچا کرتا ہے۔ اِس وقت مسلمانوں کو سبق پڑھانے کی ضرورت ہے کہ ایک طرف پانی ہے اور دوسری طرف آگ ہے لیکن جو اللہ کے غیر کا دروازہ ہے اِس پر قطعاً نہ جھکیں۔ اگر کوئی کہے کہ تم یہ نہیں مانو گے تو روٹی نہیں ملے گی، تو مرجانا منظور کرلیں۔۔۔لیکن اللہ کے غیر کو رَب ماننے کے لئے تیار نہ ہوں اور برملا کہیں کہ ہم آگ میں جل جائیں گے لیکن ایسی خوشحالی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔۔۔

قوم کو اِس ذہن پہ تیار کیا جا رہا ہے کہ اگر تم خوشحال یا زندہ رہنا چاہتے ہو تو اِس دروازے پر سجدہ کرلو تو خوشحالی ہی خوشحالی ہے۔۔۔اور اگر اِس در پر نہیں جھکو گے تو بربادی ہی بربادی ہے۔۔۔اللہ اِن حالات کو سمجھنے کی اور ایمان کے اوپر اِستقامت کی مجھے بھی اور آپ کو بھی توفیق نصیب فرمائے۔

دورِ حاضر کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

علماء کرام سے دجال اَکبر کے بارے میں روایات سنیں تو آپ کو پتہ چلے کہ اِس دور کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہدایات ہیں؟

باقی صحیح عملاً چونکہ اِس سلسلے میں ہمارے محترم حضرت قاضی (حمیداللہ) صاحب دامت برکاتہ تشریف لائے ہوئے ہیں وہ زیادہ اچھے طریقے سے آپ کے سامنے وضاحت کریں گے۔ میں انہی الفاظ پر اپنی معروضات کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں کسی ابتلاء میں نہ ڈالے اور اگر اللہ کی طرف سے ہماری زندگی میں کوئی ابتلاء آنے والی ہے تو اللہ کریم ہمیں اِستقامت نصیب فرمائے کہ ہمیں مرجانا منظور ہو لیکن ہم ان بدمعاشوں کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ آمین یارب العالمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

آمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل معاشرے کی حالت

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِالْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ الْحَدِیْثِ مُحَمَّدبْنِ اِسْمَاعِیْلَ ا لبُخَارِیّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ ابْنُ اَشْکَابٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عَمَّارَۃَ ابْنِ الْقَعْقَا عِ عَنْ اَبِی زُرْعَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِیْ الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم

❀❀❀❀

تمہید

آج اِس عظیم مجمع میں اِسٹیج پر بہت سے علماء کرام تشریف فرما ہیں، اِن میں ہمارے اَحباب اور اَصحاب ِ روحانیت، اَصحاب ِ خانقاہ حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں اور طلباء کرام کی جماعت کے ساتھ ساتھ عوام الناس کی بھی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔

اصحاب ِ روحانیت سے درخواست

اصحاب ِ روحانیت سے میری درخواست ہے کہ وہ خصوصی توجہ فرمائیں اللہ تعالیٰ دل کو سیدھا رکھے اور زبان پر بھی صحیح بات جاری فرمائے۔ **اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبِیْ وَصَدِّقْ لِسَانِیْ**۔۔۔۔

آپ جانتے ہیں کہ اِس موقع پر عموماً آخری حدیث شریف کا درس ہوتا ہے جہاں تک صحیح بخاری شریف کے ختم کا تعلق ہے وہ تو آخری عبارت پڑھنے کے ساتھ ہی ختم ہوگئی، جب ''**سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ**'' تک تلاوت ہوگئی تو یوں سمجھو کہ صحیح بخاری ختم ہوگئی۔

اور رہا مسئلہ بیان کا تو اَب دستور اِس طرح بن گیا ہے کہ اس میں جو مخاطب ہوتے ہیں وہ عام طور پر اہل علم نہیں ہوتے۔ اور یہ جو اِسٹیج پر بیٹھے ہوئے ہمارے دست و بازو، ہمارے پشت پناہ بزرگ تشریف فرما ہیں، یہ مخاطب نہیں ہوتے بلکہ اِس موقع پر خطاب عوام کو کیا جاتا ہے تا کہ اِس بہانے سے جو مجمع ہے اُس کے فائدے کے لئے دو چار باتیں اُن کے ذہن میں ڈال دی جائیں۔۔۔۔ جیسے اَبھی آپ نے ہمارے بھائی قاری منصور صاحب کا بیان سنا۔۔ اور ہمیشہ ہی اِس اِسٹیج پر مجھ سے پہلے اُنہی کا بیان ہوا کرتا ہے جس سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ اُن کے بیان میں بڑی جامعیت ہوتی ہے ۔۔۔ بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں، بہت ساری ذمہ داریاں سامنے آجاتی

ہیں اور وقت کے تقاضے بھی کہ آپ حضرات کو کس طرح رہنا چاہئے؟ کس طرح سوچنا چاہئے؟ ۔۔۔۔ اُن کی تقریر میں یہ سارے گوشے واضح ہو جاتے ہیں۔ اِس میں عوام الناس کا بہت فائدہ ہوتا ہے اور جہاں تک حدیث کے فنی مباحث کا تعلق ہے وہ ہمارے مدارس کے طلباء کے سامنے سات سال تک آتی رہتی ہیں۔ اِس لئے ہمیشہ اِس حدیث پر بیان کرنے سے قبل دس پندرہ منٹ میں وقت کی مناسبت سے عوام الناس کے لئے چند باتیں عرض کرنے کا کچھ معمول سا بنا ہوا ہے۔ اِس ضمن میں عرض کرتا ہوں۔

روشن خیالی کا تعارف:

حدیث شریف کا ترجمہ اور اِس کے متعلق جو دو چار باتیں کہنی ہیں وہ بعد میں کہوں گا۔ آج کل روشن خیالی کا تذکرہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی ہو رہا ہے۔ تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تھوڑا سا روشن خیالی کا تعارف کروا دوں۔۔۔

تاریکی اور روشنی دونوں لفظ ایک دوسرے کے مقابلے میں آتے ہیں۔ تاریکی اندھیرے کو کہتے ہیں اور روشنی تو آپ جانتے ہی ہیں۔

قرآن کریم میں سورۃ الانعام کی ابتدا میں ہی اللہ تعالیٰ نے تاریکی اور نور کا ذکر کیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ......

سب تعریفیں اُس اللہ کی ہیں جس نے زمین اور آسمان بنائے اور ظلمات اور نور بھی بنائے۔ اِس کا معنی یہ ہوا کہ ابتداءِ کائنات سے ہی ظلمت اور نور یہ دونوں متقابل چیزیں چلی آ رہی ہیں۔

ظلمت و نور کا مطلب

ظلمت اندھیرے کو کہتے ہیں اور نور روشنی کو کہتے ہیں۔ اَب یہ **ظلمت** (اندھیرا) اور **نور** (روشنی) ایک تو حسّی ہیں جو ہمیں اپنی آنکھ سے نظر آتی ہیں۔ رات کو

اندھیرا ہوتا ہے دن کو روشنی ہوتی ہے۔ چاند سے کچھ روشنی پھیلتی ہے اور چاند اگر نہ ہو یا بادل آ جائیں تو اندھیرا ہوتا ہے۔ آپ کے کمرہ میں اندھیرا ہے آپ بلب جلا دیتے ہیں تو روشنی ہو جاتی ہے۔ یہ اندھیرا اور روشنی ایسی ہے کہ جس کو سمجھنے کے لئے کوئی زیادہ غور وخوض کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارے لئے ایک بدیہی بات ہے جو بچے سے لے کر بوڑھے تک ، عالم سے لے کر جاہل تک سب سمجھتے ہیں کہ اندھیرا کیا ہوتا ہے اور روشنی کیا ہوتی ہے۔ اِس کا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لیکن ایک ظلمت اور نوران کے علاوہ بھی ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی سورة ابراہیم میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ:

الٓرٰ۞ کِتَابٌ اَنزَلنَاہُ اِلَیکَ لِتُخرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّورِ۔

آپ ﷺ پر یہ کتاب اُتاری گئی "لِتُخرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّورِ۔ تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ یہ کتاب آپ کو دی گئی ہے تاکہ اِس کے ذریعے سے آپ لوگوں کو اندھیروں اور تاریکیوں سے روشنی میں لے آئیں۔ اَب یہاں آپ جانتے ہیں کہ اِس کتاب کے ذریعے جن تاریکیوں سے نکالنا نبی ﷺ کے ذمہ لگایا گیا وہ یہ ظاہری تاریکی تو ہونہیں سکتی کہ آپ اِس کتاب کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں اور تاریکیوں سے نکالیں ،اورحِسی روشنی اور نور کی طرف لائیں۔ اور اِسی سورۂ مبارکہ میں آگے جا کر چند آیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَد اَرسَلنَا مُوسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَن اَخرِج قَومَکَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النّورِ۔۔۔۔

کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر بھی اپنی آیات اتاریں اور اُن کو بھی یہ حکم دیا "اَخرِج قَومَکَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّورِ"...... کہ آپ لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف نکالیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے ذمہ بھی یہی لگایا گیا کہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکالو اور

نورو روشنی کی طرف لے جاؤ۔ تو موسیٰ علیہ السلام کے ذمے بھی یہی لگا۔ بلکہ سورۃ بقرہ میں آیت الکرسی کے بعد فرمایا:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔۔۔۔

اللہ مومنوں کا مددگار ہے، مومنوں کا ولی ہے اور اُن کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان ذریعہ بنتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف نکلنے کا۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیَآءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمَاتِ۔۔۔۔

اور کافروں کے دوست طاغوت ہیں، شیاطین ہیں جو اُن کو نور سے ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں۔

تو قرآن کریم میں بیسیوں آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ایسی ظلمت اور نور کا ذکر کیا ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔(سورہ زمر۔آیت ۲۲)۔۔۔

حصولِ ایمان کا ذریعہ

اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا وہ رب کی طرف سے نور پر ہو گیا۔ تو گویا اِسلام نور کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ ایمان بھی نور کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ ظلمات سے نکلنے کا ذریعہ ہے۔ بہت ساری آیتوں میں یہ تقابل ذکر کیا گیا ہے ظلمت اور نور کا۔۔۔۔ تو اَب آج کل ایک بحث چل رہی ہے ۔۔۔۔ روشن خیالی۔۔۔۔ تو خیال کی روشنی سے یہ حسّی روشنی تو مراد نہیں۔۔۔۔ اِس سے مراد باطن کی روشنی ہے۔۔۔۔ کیونکہ خیال اِنسان کے باطن میں ہوتا ہے۔۔۔۔ ظاہر میں نہیں ہوتا۔۔۔۔ اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ خیال روشن کون سا ہوتا ہے اور خیال تاریک کون سا ہوتا ہے؟۔۔۔۔ اور تاریك خیال کون لوگ ہیں، اور روشن خیال کون

لوگ ہیں؟۔۔۔

ہم چونکہ مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے سامنے تو اِس روشنی و نور اور ظلمت و اندھیرے کا معیار اللہ کی کتاب ہے۔۔۔تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم دیکھیں تو سہی کہ ظلمت کیا ہوتی ہے اور نور کیا ہوتا ہے؟ ۔۔۔اور خیالاتِ نور کس کے ہیں اور تاریک کس کے ہیں؟۔۔۔اندھیرے میں کون بھٹک رہا ہے اور نور کس کے پاس ہے؟ ۔۔۔اِس روشنی میں صحیح راستے پر کون چل رہا ہے؟ اِس پر تھوڑا سا غور کرنے کے بعد بہت آسانی سے سب سمجھ سکتے ہیں۔

کتابِ ہدایت اتارنے کا مقصد

اللہ نے حضور ﷺ پر کتاب اتاری، تا کہ آپ ظلمات سے لوگوں کو نور کی طرف نکالیں جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا جو معاشرہ تھا وہ ظلماتی معاشرہ تھا، وہ اندھیرے کا معاشرہ تھا، اُس وقت آدم علیہ السلام کی اولاد سب کی سب تاریکی اور اندھیرے میں بھٹک رہی تھی۔ اور قرآن کریم دے کر آپ کو اللہ نے بھیجا کہ ان کو روشنی کی طرف نکالو۔تو تھوڑی دیر کے لئے آپ غور کریں کہ حضور ﷺ کے آنے سے پہلے کا معاشرہ کیا تھا؟ جس کو رسول اللہ ﷺ نے بدلا اور اُس ظلمت کو ختم کرنے کے بعد اولادِ آدم کو حضور ﷺ نور میں لے آئے۔

جاہلیتِ اولیٰ اور جاہلیتِ اُخریٰ میں فرق

تو ہم جس وقت غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم یوں ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم میں ایک لفظ اِستعمال کیا گیا ہے بائیسویں پارے کی ابتدا میں:

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى......

جاہلیت اولیٰ۔۔۔جس کا معنی ہے پہلی جہالت! یعنی پہلی جہالت کی طرح جہالت اختیار نہ کرنا، مفہوم اِس کا یہ ہے۔تو دیکھئے جاہلیت اولیٰ کیا ہے؟ عربی قاعدہ

کے اعتبار سے **اُولیٰ** مصداق تب ہی بنا کرتا ہے کہ جب اُس کے مقابلے میں **اُخریٰ** بھی آئے اور جس کے مقابلے میں **اُخریٰ** نہ آئے وہ **اُولیٰ** نہیں ہے۔ اِس میں اشارہ نکلتا ہے کہ ایک جاہلیتِ اخریٰ بھی آنے والی ہے تو جیسے جاہلیت اولیٰ ظلمت تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اُس کو ختم کیا تو جاہلیت اخریٰ بھی ظلمت ہو گی۔ اور اُس ظلمت سے نکالنا بھی اِسی قرآنِ کریم کے ذریعے سے ہو گا۔ اور اب نبی تو کوئی آئے گا نہیں، لہذا انبیاء کے ورثاء، سرورِ کائنات ﷺ کے ورثہ کو پانے والے علماء کرام کے ذمہ ہے کہ اِس مخلوق کو اِس جاہلیت اخریٰ سے نکال کر نور کا راستہ دکھائیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے اَب یہ بالکل وہی جاہلیتِ اخریٰ والا دور آیا ہوا ہے۔۔۔ اور جب ہم اِس **جاھلیتِ اُخریٰ** کو **جاھلیتِ اُولیٰ** سے ملا کر دیکھتے ہیں تو جاہلیتِ اُولیٰ میں جو کچھ ہوتا تھا۔۔۔ اسی سب کچھ کو رَوغن مصالحہ لگا کر، چمکا کر جاہلیتِ اُخریٰ میں ہمارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

میں کیا تفصیل کروں آپ کے سامنے کہ جاہلیتِ اُولیٰ میں شرک تھا، اور اَب کس کس قسم کا شرک آ گیا؟۔۔۔ یہ بہت لمبا موضوع ہے کہ بتایا جائے کہ دیکھو جاہلیت میں شرک کے یہ انداز تھے اور اب شرک اِس انداز میں ہو رہے ہیں۔ بہر حال جیسے شرک پہلے تھا اُسی طرح انداز بدل کر وہ شرک اَب بھی ہے عام معاشرت میں، رہنے سہنے کے طریقوں میں ہر جگہ شرک موجود ہے۔۔

کُتے سے نفرت

سرورِ کائنات ﷺ سے پہلے جاہلیت کے معاشرے میں کُتے سے بہت زیادہ پیار کیا جاتا تھا اور کُتا اُن کا بڑا محبوب جانور تھا۔۔۔ آپ نے سنا ہوگا اور پڑھا بھی ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں مدینہ منورہ میں جانے کے بعد باقاعدہ حکم دیا تھا کہ جس کُتے کو دیکھو اُس کو مار دو۔

صحابہؓ کہتے ہیں کہ باہر سے ایک عورت آتی اور اُس کے ساتھ اُس کا کتا ہوتا

جیسے دیہاتیوں کو ضرورت بھی ہوتی ہے تو ہم اُس کو بھی مار دیتے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ کالے کُتے کو مار دیا کرو۔ "**عَلَيْكُمْ بِالْاَسْوَدِ الْبَهِيْمِ ذِي النُّقْطَتَيْنِ فَاِنَّهٗ شَيْطَانٌ** (مسلم ۲/۲۰)" اور باقی کتوں کو رہنے دو۔ کالے کے اوپر زیادہ تشدد آ گیا اور اُس کے بعد کچھ نرمی برتی۔ جب لوگوں کے دلوں میں اُس سے نفرت پیدا ہو گئی۔

پھر فرمایا کہ کُتا اگر برتن کو منہ لگا دے تو اُس کو سات دفعہ دھوؤ اور مانجو۔۔۔۔ اور کُتے کا لعاب نجس ہے اگر کسی کو منہ لگا دے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔۔۔۔ اور جس گھر میں کتا ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ۔۔۔۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کُتے سے اتنی نفرت کا اظہار کیا۔۔۔۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا تھا حضور ﷺ اپنی زندگی میں اُس گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے۔

مشکوٰۃ شریف باب التصاویر میں یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک انصاری کے گھر تشریف لے جایا کرتے جبکہ اُس سے پہلے ایک اور انصاری کا گھر آتا تھا اُس کے ہاں نہیں جاتے تھے۔ اَب جس کا گھر پہلے آتا تھا اُس کو خیال ہوا کہ حضور ﷺ ہمارا دروازہ چھوڑ کر اَگلے گھر چلے جاتے ہیں اِس کی کیا وجہ ہے؟ تو اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہمارے گھر کیوں نہیں آتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں کتا ہے اور جس گھر میں کتا ہو وہاں مَیں نہیں آتا۔ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! اُن کے گھر میں بھی تو بلی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلی کی کوئی بات نہیں، وہ درندہ ضرور ہے لیکن اُس میں وہ خُبث نہیں ہے جس قسم کا خُبث کُتے میں ہے۔ (بخاری ۱/۲۸۳۔ مسلم ۲/۲۰۱۔ مشکوۃ ۱/۳۸۷)

تو جاہلیتِ اولیٰ میں کتا معاشرے میں محبوب تھا۔۔۔۔ میں اب کیا تفصیل کروں آپ کے سامنے کہ **جاہلیتِ اُخری** میں کتا کتنا محبوب ہے۔ اتنی محبت تو کُتے سے **جاہلیتِ اُولی** میں مشرکوں نے بھی نہیں کی ہو گی جتنی کُتے سے محبت اِس

معاشرے میں کی جارہی ہے۔

تصویر کی ممانعت

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اُس گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے جس گھر میں تصویر ہو۔ تصویروں کی سخت ممانعت فرمائی اور یہ کہا کہ تصویر جہاں ہو وہاں اللہ کی رحمت نہیں آتی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف نہیں لاتے تھے۔

حدیث میں واقعات موجود ہیں کہ ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے، آپ کی چہیتی بیٹی نے ایک کپڑا گھر میں لٹکا دیا جس میں کوئی تصویر تھی اور آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ باہر سفر سے آیا کرتے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی کے گھر جایا کرتے تھے۔ اب جب آئے تو دروازے پر کھڑے ہو گئے گھر میں داخل نہیں ہوئے اور آگے چل دیے۔ حضرت فاطمہؓ نے پیچھے سے جا کر پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ! کیا بات ہے کہ آپ گھر نہیں آئے؟ آپ ﷺ نے (تصویر والے پردے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ جس گھر میں اِس قسم کی چیز ہو اُس میں مَیں نہیں آتا۔۔۔ اللہ کا نبی اُس گھر میں نہیں آیا کرتا (بخاری ۱/۳۵۶۔ابوداود ۲/۲۱۶)۔۔۔ اور تصویروں سے محبت، مجسموں سے محبت اور اُن کو گھروں میں زیب و زینت سے رکھنا۔۔۔ یہ جاہلیت میں ایک عام معاشرے کی بات تھی۔

تو کچھ صدیاں پہلے کی طرف آپ نظر دوڑائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ شاید اُس جاہلیت میں تصویر سے اتنا پیار اور اتنی کثرت نہ ہو جتنی آج اِس جاہلیتِ اخریٰ میں ہے۔ تصویر اور مجسمہ سازی کو جو اہمیت جاہلیت اولیٰ میں تھی وہ زیادہ خوبصورت طریقے سے جاہلیتِ اخریٰ کے طور پر ہمارے سامنے آ گئی۔۔۔ یہ جاہلیتِ اخریٰ ہے اور وہ جاہلیتِ اولیٰ تھی۔۔۔ جیسے اُس وقت اُن کے خیال میں کتا رکھنا نور تھا اور کُتے سے نفرت ظلمت تھی۔۔۔ آج بھی اِس جاہلیتِ اخریٰ میں کُتے سے محبت کرنا نور ہے اور کُتے سے نفرت رکھنا ظلمت شمار ہوتی ہے۔

تاریک خیال لوگ

وہ شخص تاریک خیال ہے جس کے دل میں کُتوں کی محبت ہے اور وہ روشن خیال ہے جو کُتوں سے نفرت کرتا ہے تو جو شخص تصویر سے محبت کرتا ہے اور اپنے گھر میں زیب و زینت کے طور پر رکھتا ہے وہ اُس ظلمت میں ہے جسے حضور ﷺ نے معاشرے سے نکالا۔ لہٰذا وہ لوگ تاریک خیال ہیں جو تصویروں سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ روشن خیال ہیں جو تصویروں سے نفرت کرتے ہیں۔

جوئے کی ممانعت

جُوا جاہلیت اولیٰ میں معاشرے کا ایک حصہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں پوچھا۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِر؟۔۔اُس وقت جُوا کیسے چلتا تھا؟ ۔۔۔اور آج ترقی یافتہ دور میں جوئے کی کتنی صورتیں ہوگئیں اور معیشت میں جُوا کس طرح سرایت کرگیا ہے۔۔۔تو اگر مشرکین کا جُوا ظلمت تھا تو آج اِن پڑھے لکھے جاہلوں کا جُوا ظلمت نہیں ہے؟ ۔۔۔یقیناً جُوا ظلمت ہے اور جُوئے سے روکنا روشن خیالی ہے۔۔۔جو روشن خیال ہیں وہ جُوئے سے نفرت کرتے ہیں اور جو جُوئے سے تعلق رکھتے ہیں وہ سب ظلماتی اور تاریک خیال ہیں۔۔۔اُن کے دل و دماغ میں ظلمت ہے۔۔۔ہمیں قرآن کریم کی روشنی سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

شراب نوشی کی ممانعت

شراب نوشی جاہلیت اولیٰ کے معاشرے میں عام تھی جس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا، تو شراب نوشی ظلمت ہے۔۔۔اور شراب نوشی کو ترک کرنا اور اِس سے نفرت کرنا نور ہے۔۔۔حضور ﷺ نے مخلوق کو اُس **ظلمت** سے نکال کر **نور** کا راستہ دکھایا۔ لہٰذا جس معاشرے میں شراب نوشی ہوتی ہے وہ ظلماتی معاشرہ ہے۔۔۔اور جہاں شراب سے نفرت ہے، جہاں اُس سے روکا جا رہا ہے وہ نورانی معاشرہ ہے۔۔۔اور جو لوگ شراب پیتے ہیں، اور شراب سے تعلق رکھتے ہیں وہ سب تاریک خیال ہیں۔۔۔اور جو

اِس سے روکتے ہیں اور اِس سے نفرت کرتے ہیں وہ سب روشن خیال ہیں۔۔۔

جاہلیتِ اولیٰ میں عورتوں کے حالات

عورتوں کی عریانی اور بے حیائی کے لئے جاہلیتِ اولیٰ کا لفظ اِستعمال کیا گیا۔فرمایا:

لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى۔۔۔

جاہلیتِ اولیٰ کی طرح نمایاں نہ ہوتے پھرنا، عورتوں سے کہا جا رہا ہے۔ کیونکہ جس معاشرے میں عورت کو پردے میں رکھا جاتا ہے یہ نورانی معاشرہ ہے۔۔۔ اور جس معاشرہ میں عورت کو ننگا اور بے پردہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ ظلماتی معاشرہ ہے۔۔۔ یہ وہی ظلمت تھی جو جاہلیتِ اولیٰ میں تھی اور آج جاہلیت اخریٰ میں اِس کو بڑے خوش نما الفاظ میں ہمارے سامنے لایا جا رہا ہے۔۔۔شاید اُس دور میں اتنی عریانی نہیں تھی جتنی اَب یورپ وامریکہ میں موجود ہے اور اَب پورے زور وشور سے اُسے ہمارے ہاں لانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔۔۔یہ سب کی سب وہی جاہلیت اولیٰ ہے۔۔۔اور یہ سب کی سب وہی ظلمت ہے۔۔۔ جو لوگ اِس میں دلچسپی لیتے ہیں اور اِس کو اچھا سمجھتے ہیں ،یوں سمجھ لیں کہ وہ تاریک خیال ہیں ۔۔۔اور جو عورت کو پردے میں رکھنے کے حامی ہیں یوں سمجھ لیں کہ وہ روشن خیال ہیں۔۔۔مسلمان کے لئے قرآن وحدیث کی رو سے یہ دونوں باتیں اِسی طرح ثابت ہوتی ہیں کہ روشن خیال کون ہیں اور تاریک خیال کون ہیں۔؟

آج زبان زوری اور قوت و طاقت کے بل بوتے پر چیزوں کے نام اور حقائق بدلے جا رہے ہیں آج **نور** کا نام ظلمت اور **ظلمت** کا نام نور رکھا جا رہا ہے۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ حضرات کو اِس مسئلے میں مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے۔نور وہ ہے جس کی رہنمائی سرورِ کائنات ﷺ نے کی۔۔۔اور ظلمت وہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں سود کی لعنت

سود کی لعنت کو دیکھیں یہ آج کہاں کہاں مسلط ہے؟ مشرکانہ دور میں یہ سب کی سب اِسی طرح مسلط تھی، اور سرورِ کائنات ﷺ نے بڑی شدت کے ساتھ سود خوری سے منع کیا اور اِس کی بہت مذمت بیان کی۔۔۔ لہٰذا سود لینے والے، سود کھانے والے، سودی کاروبار کرنے والے۔۔۔ یہ سب تاریک خیال ہیں اور ظلمت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور جو سود کو چھوڑتے ہیں، سود سے روکتے ہیں، سود سے بچتے ہیں قرآن و حدیث کی رُو سے وہ سب کے سب روشن خیال ہیں۔ تو روشن خیالی وہ ہے جو حضور ﷺ نے بتائی اور ظلمت و تاریکی وہ ہے جس سے حضور ﷺ نے روکا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا رواج

جاہلیتِ اولیٰ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا رواج تھا، جو آج بھی نہ صرف جاری ہے بلکہ ہمارے ہاں جو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو ترقی یافتہ قوم سمجھتے ہیں۔ میں نے تو کبھی غور نہیں کیا ہو سکتا ہے آپ حضرات نے کبھی غور سے دیکھا ہو۔ یہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والے ٹانگ بھی اٹھاتے ہوں تو بہت ہی زیادہ روشن خیال ہو جائیں گے۔۔۔ تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جاہلیتِ اولیٰ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا رواج تھا۔

حضور ﷺ کے پیشاب کرنے کا انداز

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور باحیا طریقے سے باپردہ بیٹھ کر پیشاب کرنے لگے، تو ایک مشرک دور سے دیکھ کر کہنے لگا:

اُنْظُرُوْا اِلٰی هٰذَا يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْأَةُ (نسائی ۱/۳۰۔ ابوداود ۱/۲۰۔ ابن ماجہ ۱/۳۰۵)۔۔۔

”وہ دیکھو ایسے پیشاب کر رہا ہے جیسے عورتیں پیشاب کرتی ہیں“۔۔۔

یعنی جس طرح عورتیں بیٹھ کر پیشاب کرتی ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھ کر پیشاب کرنے کا مذاق اڑایا کہ یہ عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس وقت بھی یہ ایک بات عزت کا نشان سمجھا جاتا تھا کہ پیشاب کھڑے ہو کر کیا جائے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے بھی روکا۔

تو ایک ایک جاہلیت کی بات جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔۔۔ یہ لوٹ مار۔۔۔ یہ یتیموں کا مال کھانا۔۔۔ یہ ڈاکے اور چوریاں۔۔۔ یہ سب کی سب چیزیں جاہلیت کے دور میں موجود تھیں جنہیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی روشنی سے ختم کیا اور لوگوں کو اُس ظلمت سے نکال کر نُور کی طرف لائے۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ مَیں اِس بات پر زیادہ زور کیوں لگا رہا ہوں؟۔۔۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ابھی تازہ تازہ، مشکوٰۃ شریف میں کتاب الفتن میں نے پڑھائی، جس میں ایک روایت آئی۔۔۔ جس نے میرے ذہن میں بڑی شدت سے یہ بات پیدا کردی کہ آج کے اِس دور میں واقعتاً عوام الناس کے سامنے فتنوں کی پوری وضاحت ہونی چاہیئے۔ اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ اُسی روایت کا مفہوم واضح کرنے کے لئے ہے۔۔۔ جو کہ روایت کیا گیا ہے۔

بشارتِ عظمیٰ

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔۔۔ فتنے آئیں گے اور وہ بالکل سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے۔۔۔ کیونکہ اندھیرے میں حق اور باطل کا پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔ اندھیرے میں کوئی چیز نظر نہیں آتی۔۔ گویا یہ فتنے سیاہ رات کی طرح ہوں گے!۔۔۔ اور اگلے الفاظ کو دیکھ کر دل کانپتا ہے کہ۔۔۔ لوگ صبح مومن ہوں گے شام کو کافر ہو جائیں گے۔۔۔ شام کو مومن ہوں گے صبح کافر ہو جائیں گے۔ اتنی جلدی کفر آئے گا۔۔۔ اِن فتنوں کی تاریکی میں صبح و شام لوگوں کے عقیدے بدلیں گے، اور

صبح اگر کوئی مسلمان ہے تو شام کافر۔ شام کو کوئی مسلمان ہے تو صبح کافر ۔۔۔ غور کریں کہ کتنی ضرورت ہے اِس رہنمائی کی؟ کہ آپکو یہ بات بتائی جائے کہ دیکھنا! اِس ظلماتی دور میں ،، جو بالکل تاریکی کا دور ہے اور سیاہ رات کی طرح چھایا ہوا ہے (اور تعریف کی جارہی ہے کہ بہت روشنی کا دور ہے)۔ اس میں ایمان کی حفاظت کتنی ضروری ہے؟ ۔۔۔ اور اِس نزاکت کو محسوس کرنا چاہیئے کہ اتنی جلدی ایمان اور کفر کس طرح آ جاتا ہے؟۔ چنانچہ دو باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنے کے بعد اِس موضوع کو ختم کرتا ہوں

ابلیس کا سجدے سے انکار

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اور ابلیس کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو ۔۔۔

''فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ'' (سورہ ص۔آیت ۷۳)' فرشتوں نے سجدہ کر دیا، ابلیس نے نہیں کیا۔

اللہ نے ابلیس سے پوچھا تُو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ ۔ اُس نے جو جواب دیاوہ بہت واضح الفاظ میں قرآن کریم میں موجود ہے کہ وہ کہتا ہے یہ خلافِ مصلحت ہے، آدم کو مَیں سجدہ کروں یہ **خلافِ مصلحت** ہے۔

کیوں؟ ۔۔۔ کہتا ہے کہ میں اچھا ہوں اور وہ مجھ سے گھٹیا ہے ۔۔۔ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ مٹی سے بنا ہے ۔۔۔ تو اعلیٰ ہو کر گھٹیا کو سجدہ کرنا یہ مصلحت کا تقاضا نہیں ہے ۔۔۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں ہے اور آپ سنتے رہتے ہیں۔

میں اِس موقع پر آپ کے ذہن میں ایک بات ڈالنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم تو ہمیں بھی سجدے کا دیا ہوا ہے ۔۔۔ ہم جو پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں تو اِس میں بھی سجدے ہیں ۔۔۔ ایک رکعت میں دو سجدے ہیں ۔۔۔ اب ایک آدمی نماز نہیں پڑھتا تو اللہ کو سجدہ بھی نہیں کرتا؟ ۔۔ یاد رکھئے۔

بے نمازی اہل سنت والجماعت کے نزدیک انتہائی گناہ گار ہونے کے باوجود کافر نہیں ہے۔۔۔یہ بات سن لیں کہ تارک صلاۃ انتہائی گناہ گار ہونے کے باوجود کافر نہیں ہے۔۔۔علماء کرام بیٹھے ہیں۔۔۔یہ عقیدہ ہے اہل سنت والجماعت کا کہ تارک صلاۃ انتہائی گناہ گار ہے جتنا بھی کہہ لیں آپ، لیکن کافر نہیں ہے

اِسی لئے ہم بے نمازی کا جنازہ بھی پڑھتے ہیں اور بے نمازی سے معاملہ بھی مسلمانوں والا کرتے ہیں اور آخرت میں بھی اُس کا معاملہ کافروں سے مختلف ہوگا۔۔تو آپ ایک دن میں پچاس سجدے چھوڑتے ہیں۔۔۔اللہ کے کہنے کے باوجود آپ سجدہ نہیں کرتے تو آپ کافر نہیں۔۔۔اور ابلیس نے صرف ایک سجدہ نہیں کیا تو کافر ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے مردود ہوگیا، اور اِس کے اوپر لعنت ہوگئی۔۔آخر دونوں میں فرق کیا ہے۔۔کوئی فرق تو سوچنا چاہئے۔

ابلیس کے کفر کی وجہ

آپ سوال کرسکتے ہیں کہ

ایک آدمی نے فجر کی نماز نہیں پڑھی، چار رکعتیں ہیں اِس میں آٹھ سجدے ہیں تو اِس نے آٹھ سجدے نہیں کیے، جبکہ اللہ کا حکم ہے کہ سجدہ کرو۔۔۔

اور ظہر کی نماز نہیں پڑھی اِس میں بارہ رکعتیں ہیں چوبیس سجدے ہیں، اس نے چوبیس سجدے نہیں کیے۔۔۔

عصر کی نماز نہیں پڑھی۔۔۔چار فرض ہیں آٹھ سجدے ہیں۔۔آٹھ سجدے نہیں کیے۔۔۔

مغرب کے فرض نہیں پڑھے۔۔۔تین رکعتیں ہیں چھ سجدے ہیں۔۔۔

اِس طرح عشاء کی نماز میں کتنے سجدے ہیں جو اللہ کا حکم ہے کہ کرو لیکن ہم نہیں کرتے، لیکن اِس کے باوجود کافر نہیں ہیں اور اُس نے ایک سجدہ نہیں کیا تو ایسی پھٹکار پڑی۔

فَاخْرُجْ مِنهافَاِنَّكَ رَجِيْمٌ۔ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (سورہ ص۔ آیت ۷۸)

نکل جا مردود کہیں کے، قیامت تک تیرے اوپر لعنت ہے۔

فرق کیا ہے؟ ان دونوں میں اِس فرق کو ملحوظ رکھو تو تمہیں آج کے زمانہ میں ایک بہت بڑا ہدایت کا چراغ ہاتھ میں آ جائے گا۔۔۔ ہم اللہ کے حکم کو چھوڑتے ہیں تو اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتے ہیں اور اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہماری غلطی ہے۔۔۔ ہمیں سجدہ کرنا چاہیئے تھا لیکن ہم اپنی کوتاہی کی وجہ سے نہیں کر سکے۔۔۔ ہم اِس کو گناہ سمجھتے ہیں اور اللہ کے حکم کو صحیح سمجھتے ہیں۔۔ معلوم ہوا اللہ کے حکم کو چھوڑ دینا، اپنے آپ کو بُرا سمجھتے ہوئے اور اللہ کے حکم کو صحیح سمجھتے ہوئے، یہ کفر نہیں۔۔۔ لیکن یہ کہنا کہ اللہ کا یہ حکم مصلحت کے خلاف ہے، یہ کفر ہے۔۔۔ یہ آپ کریں تو کُفر ھے کوئی دوسرا کرے تو کُفر ھے۔۔۔ یہ نکتہ ذہن میں رکھیں۔

شرعی احکام مصلحت کے مطابق ہیں

اگر ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ چور کی سزا ''ہاتھ کاٹنا'' مصلحت کے خلاف ہے علماء کرام بیٹھے ہیں اِن سے پوچھ لیں یہ کفر ہے۔۔۔ اور ابلیس کی طرح اللہ کے حکم کا انکار ہے۔

آج اگر کوئی کہتا ہے کہ زانی کی سزا مصلحت کے خلاف ہے۔۔۔ اِس دور میں زانی کی سزا کے بارے میں شریعت کا حکم قابل عمل نہیں ہے، مصلحت کے خلاف ہے۔۔۔ یہ بھی اُسی طرح کا انکار ہے جیسا ابلیس نے کیا تھا۔۔۔ اور اِسی طرح شریعت کے باقی تمام اَحکام ہیں۔

اگر کوئی سود کی بات آتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ آج کل تو سود کے بغیر گزارہ ہی نہیں۔۔۔ اِس لئے سود چھوڑ دینے کا حکم مصلحت کے خلاف ہے۔۔۔ تو جو سود کے حکم کو کہتا ہے کہ مصلحت کے خلاف۔۔۔ چوری کی سزا کو کہتا ہے مصلحت کے خلاف۔۔۔

زنا کی سزا کو کہتا ہے مصلحت کے خلاف۔۔۔ اللہ کے حکم کو مصلحت کے خلاف قرار دینے والا ویسا ہی ہے جس طرح ابلیس نے ایک سجدے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ حکم مصلحت کے مطابق نہیں۔۔۔ اِس لئے اِس بات سے ڈرو اور جب اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم سامنے آ جائے تو سر تسلیم خم کر دو۔ مصلحتوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

ایک حکم کا انکار سارے دین کا انکار ہے

آج عام زبانیں اِس بارے میں کھلنے لگ گئی ہیں کہ اِس دور میں یہ مسئلہ نہیں چل سکتا یہ مصلحت کے خلاف ہے، یہ حکم نہیں مانا جا سکتا یہ عقل کے خلاف ہے۔۔۔ جو شخص یہ الفاظ اِستعمال کرتا ہے اِس ظلماتی دور میں، ہوسکتا ہے کہ صبح مومن ہو شام کو اِس قسم کی بات کر کے کافر ہو جائے۔۔۔ شام کو مومن ہو تو صبح کوئی اِس قسم کی بات کر کے کافر ہو جائے۔۔۔ اور پتہ اُس کو چلے گا نہیں اور وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔۔۔ اِس لئے اِس ظلماتی دور میں اِس بات کو ہمیشہ یاد رکھو کہ اللہ کا کوئی حکم سامنے آ جائے، سر جھکا دو۔۔۔ سر تسلیم خم کر دو۔۔۔ کہ اللہ کا ہر حکم تسلیم ہے!!

اگر ہم اپنی کوتاہی کی بنا پر اِس پر عمل نہیں کرتے تو یہ ہماری عملی خرابی ہے ہم گناہ گار ہیں اللہ ہمیں معاف کرے، اللہ ہمیں توفیق دے ہم توبہ کرتے ہیں، یہ جذبات اگر ہوں تو کفر نہیں۔۔۔ لیکن جب اِس کو اصل کے خلاف قرار دیا جائے، مصلحت کے خلاف قرار دیا جائے کہ اب اِسلام کی نئی تشریح ہونی چاہئے اور آج کے مطابق اِسلام کو بنایا جائے۔۔۔ پرانا اِسلام اِس زمانہ کے مطابق نہیں ہے اور فلاں حکم اِس مصلحت کے خلاف ہے، اُس کے اوپر عمل نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ میں اپنی پوری ذمہ داری کے طور پر یہ بات کہتا ہوں کہ یہ انکار اُس قسم کا انکار ہے جس قسم کا انکار ابلیس نے سجدے سے کیا تھا۔

اِس لئے "اصبح مومناً ویمسی کافرًا وامسٰی مومناً و یصبح کافرًا" (مسلم ۱/۱۶۹۔ ترمذی ۲/۴۴) کی بات سامنے آ جائے گی کہ صبح انسان مومن ہے شام کو

کوئی ایسی بات کر کے کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہے تو صبح کوئی اِس قسم کی بات کر کے کافر ہو جائے گا۔ اِس ظلماتی دور میں اِس بات سے بہت بچ کے رہو کہ اللہ کے کسی حکم کو مصلحت کے خلاف یا عقل کیخلاف قرار دے کر نا قابلِ عمل یا اِس زمانے کے ساتھ ناسازگار قرار دے کر شیطانی کام کر بیٹھو۔ کیونکہ جو شخص چاہے کوئی ہو، کسے باشد۔۔۔ یوں کہے وہ پورے دین کا منکر ہے۔۔۔ شیطان کی طرح اللہ کا باغی ہے اور کافر ہے ۔۔۔ مسلمان نہیں ہے۔

ایک تو یہ وبا بہت پھیل رہی ہے، لوگ اِس پر تبصرے کرتے ہیں اور اِس سلسلے میں بہت بے احتیاطی ہوتی ہے اِس کا خیال رکھئے گا، ترک اپنی جگہ جرم ہے لیکن کفر نہیں ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کو خلافِ مصلحت قرار دینا، یا اِس زمانے کے ناموافق قرار دینا او ر یہ سمجھنا کہ یہ عقل کے منافی ہے یہ بہت ہی خطرناک بات ہے۔۔۔ ایک بات!

ایک صوفی کا دلچسپ واقعہ

دوسری بات! اِس کو سمجھانے کے لئے ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر مَیں سادہ الفاظ میں وہ بات کہہ دوں تو شاید سمجھ میں نہ آئے۔ یہ آج سے کوئی باون ترپن سال پہلے کی بات ہے جب مَیں قاسم العلوم ملتان میں پڑھتا تھا۔ پاکستان بنے ہوئے ابھی دو چار سال ہی ہوئے تھے۔۔۔ اُن دنوں خیرالمدارس میں جلسہ ہوا ۔خیرالمدارس کے جلسہ میں بہت بڑے بڑے علماء تشریف لایا کرتے تھے۔ اُس بار حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی جلسہ پر تشریف لائے اور تقریر فرمائی۔۔۔ میں نے اُس جلسہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سنی۔ اگرچہ بعد میں مَیں نے ملفوظات میں یا دوسری کتابوں میں اِس واقعہ کو پڑھ بھی لیا۔ لیکن پہلی مرتبہ مَیں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ واقعہ سنا تھا۔ اور جب آپ رحمۃ اللہ علیہ واقعہ بیان فرمایا تو ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اگر مَیں نے یہ بات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہ سنی ہوتی تو شاید یقین نہ کرتا۔ لیکن چونکہ میں نے یہ بات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی، اِس

لئے میں نے کہا کہ یقیناً یہ واقعہ صحیح ہے۔

وہ واقعہ کیا ہے، بالاختصار یہ کہ۔۔۔مکہ معظّمہ میں ایک شخص تھا اچھا بھلا مذہبی آدمی، صوفی آدمی، دیکھنے میں اچھا لگتا تھا، وفات پا گیا اور اُس کو مکہ معظّمہ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔۔۔۔کچھ دنوں کے بعد اُس کی قبر کھلی جیسے کہ وہاں جگہ کی قلت کی وجہ سے پرانی قبر میں دوسرے کو بھی دفن کرتے ہیں۔۔۔تو اُس اچھے بھلے صوفی کی قبر میں سے ایک عورت کی میت نکلی اور وہ صوفی صاحب غائب تھے۔۔۔ اُن کی نعش وہاں موجود نہیں تھی اُن کی جگہ ایک عورت کی میت موجود تھی۔ جب چرچہ ہوا اور دیکھنے والوں نے دیکھا تو ایک شخص نے وہ لڑکی پہچان لی کہ یہ تو ملکِ شام کے علاقے حلب کی لڑکی ہے اور فلاں خاندان اور عیسائیوں کی لڑکی ہے اور وہاں **جنت المعلا** میں اُس کی نعش موجود ہے اور وہاں جو مولوی صاحب ،صوفی صاحب نیک آدمی دفن کیا گیا تھا، وہ غائب ہے۔۔

اب حیرانی بڑھی، تو تحقیق کی گئی ۔ پتہ چلا کہ وہ لڑکی دَرپردہ مسلمان تھی جو چھپ کر مسلمان ہوئی تھی اور اُس کے گھر والوں کو اِس کا علم نہیں تھا۔۔۔جب وہ مر گئی تو عیسائیوں نے اُس کو اپنے قبرستان میں دفن کر دیا۔۔۔اللہ تعالیٰ نے اُس کے ایمان اور اِسلام کی قدر کرتے ہوئے اُس کو عیسائیوں کے قبرستان سے مکہ معظّمہ حرم شریف میں اُس کی نعش کو منتقل کر دیا۔۔۔۔اُس کو تو یہ انعام ملا۔

اور پھر جب حضرت صوفی صاحب کے بارے میں تحقیق کی گئی۔تو اُس لڑکی کی قبر میں اور عیسائیوں کے قبرستان میں وہ صوفی صاحب پڑے ہوئے تھے۔۔۔ وہ یہاں سے وہاں منتقل ہو گئے۔۔۔۔اب پریشانی مزید بڑھی کہ ماجرا کیا ہے؟ بظاہر نمازی بھی تھا اور سارے کے سارے آثار اُس میں نیکوں کے تھے۔۔۔ وہ عیسائیوں کے قبرستان میں کیسے چلا گیا؟ چنانچہ پوچھتے پوچھتے لوگ اُس کی بیوی تک پہنچے کہ سب سے بڑی رازدار انسان کے حالات کی بیوی ہوا کرتی ہے۔۔۔ بیوی سے پوچھا کہ اُس میں کون سا ایسا نقص اور عیب تھا جس کی بنا پر یہ صورت حال پیش آئی؟ ۔۔۔تو وہ کہتی ہے

اور تو مجھے اُس میں کوئی عیب معلوم نہیں، سارے کام اُس کے ٹھیک تھے لیکن جب کبھی یہ جنبی ہو جاتا اور اُس کو غسل کی ضرورت پیش آتی تو اکثر اُس کی زبان سے یہ نکلتا تھا کہ۔۔۔ عیسائی مذہب بہت اچھا ہے کہ اُس میں غسل فرض نہیں ہے۔۔۔ اسلام میں زوجین کے ملاپ پر غسل کی فرضیت کے مسئلہ کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ صرف اتنی سی بات پر اُس کو یہ سزا ملی کہ وہ عیسائیوں کے قبرستان میں بھیج دیا گیا۔ **استغفر اللّٰہ العظیم**

تہذیبوں کا ٹکراؤ

اور یہاں جو تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے۔۔۔ عیسائی تہذیب کو پھیلانے کے لئے پوری قوت سے حکومتوں کی حکومتیں لگی ہوئی ہیں، کروڑ ہا، اَرب ہا روپے اِس بارے میں خرچ کرتی ہیں اور بڑی چمک دمک سے ان کی معاشرت کو اور ان کی تہذیب کو لایا جارہا ہے اور مسلمانوں کی تہذیب کو مغلوب کیا جارہا ہے، اپنے دل و دماغ ٹھیک کرلیں۔۔۔ اِسلامی تہذیب کے مقابلے میں عیسائی تہذیب کو اعلیٰ قرار دینا یا افضل قرار دینا، چاہے اِس کا تعلق آپ کی معاشرت سے ہے۔۔۔ یا اِس کا تعلق آپ کی شکل وصورت سے ہے۔۔۔ اگر اِسلامی حکم کے مقابلہ میں عیسائی تہذیب تمہیں اچھی لگتی ہے تو یاد رکھو کہ تمہارا ایمان خطرے میں ہے۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی غیرت جوش میں آ جائے۔۔۔

اگر تمہیں عیسائیت کی کوئی عادت پسند ہے، عیسائیوں کا لباس پسند ہے، عیسائیوں کی شکل پسند ہے اور تم زبان سے کہتے ہو کہ مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائیوں کی یہ چیز اعلیٰ اور برتر ہے ، عیسائیوں کے رہنے سہنے کے طور طریقے۔۔۔ اِسلامی طریقوں کے مقابلے میں اچھے لگیں۔۔۔ اور اِسلامی طریقوں کو وحشیانہ طریقہ، بدویانہ طریقہ اور دیہاتی اَن پڑھوں اور اُجڈ لوگوں کا طریقہ قرار دے دو اور عیسائیوں کی تہذیب کی تعریف کرو کہ بڑی اچھی تہذیب ہے۔ جس طرح عالمگیر سطح پر ذہن سازی ہو رہی ہے تو یہ بڑی خطرناک روش ہے ۔۔۔۔ جب بھی عیسائیت اور

اِسلام کا تقابل آ جائے تو اِسلام کی ایک ایک چیز کو عیسائیت کے مقابلے میں برتر قرار دو۔۔۔عیسائیوں کی کسی بات کو مسلمانوں اور اِسلام کے مقابلے میں برتر قرار دینے سے خطرہ ہے کہ۔۔۔ اللہ کی غیرت اِس بات کو برداشت نہ کرے اور جوش میں آ جائے ۔اور اِس سے ایمان ہی ختم ہو جائے۔

ایمان کے زوال کا باعث

آج یہ بات بھی بہت زیادہ ایمان کے زوال کا باعث بن سکتی ہے چونکہ آج پوری دنیا میں تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو رہا ہے، اور بڑی قوت اور شدت سے یہ ٹکراؤ جاری ہے، آپ کو اپنی تہذیب پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور مسلمانوں کی ایک ایک عادت۔۔۔سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت۔۔۔لے کر کفر کی تہذیب کے مقابلے میں ڈٹ جانا چاہئے اور اِسلام کے مقابلے میں کفر کی کسی عادت کو ترجیح نہیں دینی چاہیے۔تب جا کر ایمان بچے گا۔۔۔ ورنہ اِس روشن خیالی میں کہیں عیسائی تہذیب اور اِس کے ظلماتی ذہن کو قبول کر لیا تو پھر تمہارا ایمان واقعی خطرے میں ہے۔

آج میں کتاب الفتن کی اِس روایت کی روشنی میں جو باتیں آپ کو یاد دلا رہا ہوں ان کو یاد رکھنا اور موجودہ یلغار میں اِس بات کا بہت خیال کرنا ہے۔۔۔اللہ کے کسی حکم کو ہرگز مصلحت اور عقل کے خلاف قرار نہ دیں اور نہ ہی اِسلامی تہذیب کے مقابلے میں عیسائی تہذیب کی برتری کی کوئی بات کریں۔۔۔ اِس بارے میں آپ میں ایمانی غیرت ہونی چاہئے اور ایمانی غیرت کی بناء پر ہر سنت کو اور ہر مسلمانی عادت کو عیسائیوں کے مقابلے میں افضل قرار دیں اور یہ بات اپنے سب بھائیوں اور دوستوں تک بھی پہنچائیں تاکہ پتہ چلے کہ ایمانِ صحیح کیا ہے۔ ورنہ تو ایسے حالات میں ایمان خطرے میں ہے۔

تو فرمایا اِس تاریکی میں ایک شخص صبح مومن ہو گا شام کافر ہو جائے گا، شام مومن ہو گا صبح کافر ہو جائے گا۔۔۔ اتنی جلدی ایمان اور کفر کا اِنقلاب آئے گا ، یہی

باتیں ہیں جن کی لوگوں کی نظر میں اہمیت نہیں۔۔۔لیکن حق کا لایا ہوا نور اِس کو قبول کرتا ہے۔۔۔سو تاریک خیال وہ ہے جو جاہلیتِ اولیٰ والی عادتوں کو لاتا ہے یا اِن کو زندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جاہلیت، ظلمت ہے اور ایمان و اِسلام نور ہیں۔تو روشن خیال ہیں وہ لوگ جو ایمان اور اِسلام کو لیے ہوئے ہیں اور تاریک خیال اور ظلمت والے ہیں وہ لوگ جو کفر اور جاہلیتِ اولیٰ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ بات سمجھنے کی اور اِس نُورِ ہدایت کو قبول کرنے کی توفیق دے۔یہ ایک زائد بات تھی جو سبق سے ہٹ کر میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا تھا۔

بخاری شریف کی آخری روایت

اب سبق کی طرف توجہ کریں۔دو چار باتیں کہتا ہوں چونکہ اِس روایت پر ہر سال یہی ایک تقریر ہر مدرسہ میں ہوتی ہے اور ماشاء اللہ آپ کے شہر میں متعدد جگہوں پر دورۂ حدیث شریف جاری ہے اور ہر جگہ اِسی روایت کے اوپر تقریر ہوتی ہے۔لہٰذا اِس روایت کے علمی نکات، اور اِس پر فنی بحث، کرنے کی زیادہ ضرورت میں نہیں سمجھتا۔۔

بس ابتدا میں یوں سمجھ لیجئے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لئے۔۔۔کتاب کو شروع کیا تھا تصحیح نیت سے۔۔۔سب سے بڑی بنیاد یہ ہے کہ اِنسان کی نیت صحیح ہو۔۔۔اگر نیت صحیح ہوگئی تو نیکی ہی نیکی ہے۔۔۔اور اگر نیت صحیح نہیں تو نیکی بھی اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی اِس لئے آپ علیہ اللہ نے کتاب کو تصحیح نیت سے شروع کیا۔۔۔اور قرآن کی ساری عملی زندگی کو ذکر کرتے ہوئے آخری باب میں وزنِ اعمال کا ذکر کر کے فکر آخرت پیدا کی۔کیونکہ جتنے اخلاص سے کوئی عمل کیا ہوگا اُس کا اتنا وزن نمایاں ہوگا اور اگر اخلاص سے عمل نہیں کیا ہوگا تو اُس میں کوئی وزن نمایاں نہیں ہوگا۔اور روایت کو فضائلِ ذکر کے اوپر ختم کیا۔گویا کہ تصحیح نیت۔۔اخلاصِ عمل،۔۔فکر آخرت اور ذکر اللہ کی تاکید، اوّل سے آخر تک اُس کتاب کا یہی مقصود ہے جیسے حضرت امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے۔

اور آخری روایت وزنِ اعمال کے باب سے لی۔۔۔اور اعمال میں قول بھی ہے اور فعل بھی ہے جیسا کہ صراحت کر دی کہ قول بھی تولا جائے گا فعل بھی تولا جائے گا، کیسے تولا جائے گا؟۔۔۔ان کا وجود تو ہے نہیں، یہ فنی بحثیں ہیں جو سب آپ کے سامنے آتی رہتی ہیں، اِن پر زیادہ وقت لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔تولا جائے گا بہرحال جس طرح ہر اَمر کا وجود ہے اِسی طرح ہر قول کا بھی وجود ہے، آج اِس کا اِنکار کرنا بہت ہی بے وقوفی والی بات ہے۔۔۔

آج تو میرے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ آپ کے سامنے محفوظ ہے، آپ کی ایک ایک حرکت کیمرہ محفوظ کر رہا ہے تو کیمرہ آخر اِسی زمین کے اجزا میں سے ہی تیار ہوتا ہے تو۔۔۔اللہ تعالیٰ نے اِس کائنات میں قول کو محفوظ رکھنے اور فعل کو محفوظ رکھنے کی پوری صلاحیت رکھی ہے۔ یہ سب کچھ محفوظ ہے جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا ہے، جو کچھ آپ کی انگلی سے آتا ہے ان میں سے، کوئی چیز ضائع نہیں جاتی۔ ہر عمل کا وزنِ ہو گا۔۔۔

تو آگے روایت جو نقل کی ہے اُس میں سے یہ الفاظ **"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ"**۔۔۔رحمان کو محبوب ہیں اور زبان کے اوپر بڑے ہلکے پھلکے ہیں لیکن میزان میں بڑے وزنی ہوں گے، تو یہاں وزن کا ذکر آ گیا کہ میزان میں اِن کلمات کو تولا جائے گا۔۔۔اور یہ آپ جانتے ہیں کہ قول ہے، جب قول کے تولنے کا ذکر آ گیا تو فعل کا تولنا بھی ثابت ہو گا کیونکہ ایسا کوئی شخص نہیں جو قول کے تول کو تو مانتا ہو اور عمل کے تول کو نہ مانتا ہو، عمل کے وزن کو نہ مانتا ہو، قول اور عمل دونوں کی ایک ہی بات ہے۔

جب ایک کی دلیل مہیا ہو گئی تو دوسری کی بھی مہیا ہو جاتی ہے۔ علمی اصطلاح میں کہا کرتے ہیں **"لعدم القائل بالفصل"**۔۔۔کیونکہ دونوں کے درمیان میں فصل کا کوئی بھی قائل نہیں اِس لیے جب قول کا وزن ثابت ہو گیا تو عمل کا وزن بھی ساتھ

ثابت ہو گیا۔۔۔تو ترجمۃ الباب سے اِس روایت کی یوں مناسبت ہو گئی ۔۔۔

یہ روایت **کتاب التوحید** کے آخر میں بھی ہے، یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے آخری کتاب ہے۔جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی ذات کے متعلق بعض غلط مذاہب کی نشاندہی کر کے اُن کی تردید کی ہے۔۔اور اُس کا عنوان رکھا ہے

ردّ علی الجاھلیة ،تو کتاب التوحید سے اِس روایت کی مناسبت یوں ہو جاتی ہے کہ جب ہم نے کہا **سبحان اللہ**، تو اِس میں اللہ کی تنزیہ ہے۔۔۔تنزیہ کا معنی ہے کہ اللہ میں کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں پائی جاتی۔ اللہ پاک صاف ہے۔۔۔جس سے اِس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جس میں کسی قسم کا بھی نقص اور عیب ہو وہ **اِلٰہ** نہیں بن سکتا، وہ اللہ نہیں ہوسکتا، اللہ بے عیب ہے۔

جہاں نقص کی بات آئی، یوں سمجھ لو نقص والا کبھی اللہ نہیں ہوسکتا۔ایک اصولی بات ذہن میں آ گئی ۔۔۔ کہتے ہیں کہ جب انگریز یہاں آیا ہے تو لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے اِسی طرح زور اِس نے ڈالا، اب ذرا پیسے کا دور ہے اُس وقت ڈنڈے کا زور بھی تھا۔ انگریز کی نئی نئی حکومت قائم ہوئی تھی، پھر انداز بدل گیا۔ ورنہ یہ مشنریاں آج بھی وہی کام کرتی ہیں جو اُس زمانے میں کرتی تھیں۔ مشنریاں آج بھی لوگوں کو عیسائیت کی طرف لاتی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اُس وقت اِن کے پیچھے حکومت کا ہاتھ بھی تھا اور زور بھی تھا۔۔۔۔اَب ذرا پیسہ وغیرہ چلتا ہے۔

ایک پادری کا واقعہ

ا یک مرتبہ ایک پادری تقریر کر رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔۔۔ جب کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ مریم (علیہا السلام) کا ذکر کر کے یہ کہا ہے:

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامِ" (سورہ مائدہ۔آیت ۷۵)۔۔۔۔۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔۔۔ ان میں الوہیت کہاں سے آ گئی؟...... وہ تو روٹی کھاتے تھے۔

اور آپ جانتے ہیں کہ روٹی کھانے والا آدمی کائنات کا کتنا محتاج

ہے۔۔۔روٹی تیار ہونے کیلئے کتنی چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے،لقمہ کتنی محنت کے بعد تیار ہوتا ہے۔۔۔تو کھانا کھانا پھر اِس کے نتیجے میں بول و براز کی حاجت ہونا۔۔ اِس سے اِنسان کی بشریت میں جو کمی اور کمزوری ہے اُس کو سامنے لایا گیا۔ کہ وہ دونوں تو کھانا کھاتے تھے اُن میں الوہیت کیسے ہوسکتی ہے؟؟ یہ اُن کے احتیاج کا بیان ہے۔

تو لوگوں کے سامنے پادری تقریر کر رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔۔۔تو کہتے ہیں کہ ایک عام آدمی جس کو بھڑ بھونجہ کہتے ہیں جو فٹ پاتھوں پر دانے بھونا کرتے ہیں، اُس وقت عام طور پر وہ بھٹیاں بنا لیتے تھے۔۔۔ایک بھڑ بھونجہ بیٹھا ہوا تھا، وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا، کہنے لگا:

پادری جی۔۔۔عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں؟۔

وہ کہنے لگا۔۔ہاں اللہ کے بیٹے ہیں۔۔۔اِس میں کیا شک ہے۔

کہنے لگا کہ۔۔۔عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور بیٹا بھی ہے؟۔

پادری کہنے لگا۔۔۔نہیں۔۔۔اکلوتے بیٹے ہیں کوئی اور بیٹا نہیں ہے۔

وہ کہنے لگا۔۔۔کوئی توقع ہے کہ کوئی اور بھی تیار ہو جائیگا؟۔

وہ کہنے لگا۔۔نہیں، توقع بھی کوئی نہیں ہے۔۔۔ ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا۔۔۔اللہ کا ایک ہی بیٹا ہے۔

وہ کہنے لگا۔۔۔ پادری صاحب! میری شادی کو اتنے سال ہو گئے اور میرے بارہ بیٹے ہیں، تو کیا تیرے اللہ نے اتنی عمر دراز میں ایک ہی بنایا؟ کہ اُس کا ایک ہی بیٹا۔۔۔اور میرے اتنے سال میں بارہ بیٹے۔۔۔؟

پادری خاموش۔۔۔

جب یہ بات دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو وہ فرمانے لگے۔۔۔اُس بھڑ بھونجے نے بڑی زبردست دلیل دی ہے، لیکن اَن پڑھ تھا۔ اِس لئے اِس کو علمی انداز میں نہیں لا سکا ورنہ پادری کیا پادری کا باپ بھی آ جائے تو اِس دلیل کا جواب نہیں دے سکتا۔

اُس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ بتاؤ کہ اولاد کمال ہے یا نقص؟ ۔۔۔اگر کمال ہےتو ساری مخلوق سے زیادہ اللہ میں ہونا چاہیئے، کسی کی اتنی اولاد نہ ہو جتنی اللہ کی ہو۔۔۔کیونکہ کمال میں مخلوق اللہ کے مقابلے میں نہیں آ سکتی۔ کمال ہےتو ساری مخلوق کے مقابلے میں زیادہ ہونا چاہیئے۔۔۔اور اگر یہ نقص ہے تو جہاں کئی بیٹے نقص ہیں وہاں ایک بھی نقص ہے۔تو نقص تو اللہ میں ذرہ برابر بھی نہیں ہوسکتا۔۔۔لہٰذا کمال قرار دیتے ہوتو اللہ مخلوق کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ کی اولاد سب سے زیادہ ہونی چاہیئے۔۔۔اور اگر یہ نقص ہےتو ایک بیٹا بھی نقص ہے۔۔۔اور کہتے ہیں کہ اصل میں وہ اَن پڑھ آدمی تھا اس لئے کوئی علمی انداز اختیار نہیں کرسکا۔۔۔سادے انداز میں کہہ دیا مگر دلیل بڑی قوی ہے۔

اصل میں بات یہی ہے کہ جہاں کسی قسم کا نقص آ جائے اُس میں الوہیت نہیں آ سکتی۔۔۔**سبحان اللہ** میں ہم اللہ تعالیٰ کو اس طرح پاک قرار دیتے ہیں اور **حمد** میں اللہ کو جمیع اچھی صفات سے موصوف قرار دیتے ہیں۔جس کا معنی یہ ہے کہ جتنی بھی اچھی صفات ہیں وہ ساری کی ساری اللہ میں ہیں اور جتنے بھی نقص ہیں اُن میں سے اللہ میں کوئی بھی موجود نہیں۔تو **سبحان اللہ و بحمدہ** میں اِن دونوں باتوں کا اقرار اور اعتراف آیا ہے اور اسی کے نتیجہ میں ہم عظمت کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ انتہائی عظمت صرف اُس اللہ کے لئے ثابت ہے جس کی بنا پر ہماری پیشانی اُس اللہ کے سامنے جھکتی ہے۔ اِسی بناء پر اِس میں توحید کا معنی پیدا ہو گیااور کتاب التوحید سے بھی مناسبت ہو جاتی ہے۔تو اللہ کے ذکر پر اور اللہ کی تسبیح پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب کو ختم فرما رہے ہیں جس میں وزنِ اعمال کا ذکر بھی آ گیا اور توحید کا اثبات بھی ہو گیا۔ اخلاص اور تصحیح نیت سے اِس کو شروع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس کو سمجھنے اور اِس کے اوپر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوْا اللّٰہ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔(سورہ احزاب۔آیتؕ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔
اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید

یہ ربیع الاوّل کا مہینہ ہے۔ جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا مہینہ ہے۔۔ کچھ مدت سے یعنی زیادہ دیر نہیں ہوئی، اِس مہینے میں خصوصیت کے ساتھ 12/11 تاریخ کو عام طور پر لوگ میلاد شریف کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور 12 تاریخ کو جلوس بھی نکالتے ہیں اور اُن سے جو کچھ اِس ضمن میں ہوسکتا ہے کرتے ہیں۔ اور آپ سب حضرات کو معلوم ہے۔ یہ لفظ جو میں نے استعمال کیا کہ ''کچھ مدت سے'' زیادہ دیر سے نہیں، تو آپ میں سے اکثر ایسے ہیں جنہوں نے آنکھیں ہی کچھ مدت کے اندر اندر کھولی ہیں۔ اکثریت آپ میں ایسی ہی ہے، اِس لئے آپ کہیں گے کہ ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہم تو یہی دھندے دیکھتے آئے ہیں، اور آپ کہتے ہیں کہ ''کچھ مدت سے''۔

میری بات ذرا توجہ چاہتی ہے۔ جب سے آپ نے آنکھیں کھولی ہیں اُس وقت سے آپ یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا آپ تو کہیں گے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے یہی دیکھتے ہیں تو پھر کچھ مدت سے کیسے؟ اُس وقت شاید آپ کو اپنی عمر یاد نہیں رہتی، آپ اپنے سامنے دیکھتے ہوئے واقعات کو یوں سمجھ لیتے ہیں کہ شاید ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا آیا ہے۔

میں آپ کو حقیقت بتاتا ہوں کہ پاکستان بننے سے پہلے متحدہ ہندوستان کے دور دراز مشرقی حصوں میں کہیں کوئی اہتمام اِس تاریخ کو منانے کا ہوتا ہو تو میں نہیں کہہ سکتا، جیسے کوئی جلسہ وغیرہ ہوگیا کہیں، لیکن ہمارے پنجاب کے اردگرد اِن چیزوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ یہاں آنے کے بعد یعنی یہاں میرا یہ 34 واں سال ہے۔ 33 سال پورے ہو گئے ہیں۔ برائے نام 12 ربیع الاوّل کا جلوس نکلا کرتا تھا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ کہیں دیہات سے دو چار ٹریکٹر آ گئے یا دو چار ٹرالیاں آ گئیں، کوئی اُونٹ آ

گیا، اُونٹ کے اوپر بیٹھ گئے، تو چند ایک نفوس کا بہت مختصر سا جلوس نکلا کرتا تھا۔

تحریکِ قومی اتحاد

یہ غالباً 1977ء کا واقعہ ہے جب ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قومی اتحاد کی تحریک اٹھی اور قومی اتحاد قائم ہوا تھا، جس کے سربراہ ہمارے اُستاذ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ 1977ء میں الیکشن ہوئے جن میں دھاندلی ہوئی اور دھاندلی کے نتیجہ میں تحریک شروع ہوگئی۔۔۔ اُن دنوں پورے ملک میں دفعہ 144 نافذ تھی اور ہر قسم کے جلسے جلوسوں پر مکمل پابندی تھی اور اسی پابندی کے دوران **ربیع الاوّل** کا مہینہ آ گیا۔۔۔ یہ کوئی 28 سال پہلے کی بات ہے، میرا نہیں خیال کہ آپ میں سے اُس وقت کوئی موجود ہو اور اگر ہوا بھی تو بس دو اڑھائی سال کا ہوگا۔۔

تو آج سے قریباً 28 سال پہلے جب ربیع الاوّل آیا تو حکومت نے اُسے منانے اور اِس میں جلسے جلوسوں کی اجازت دے دی۔ معلوم نہیں حکومت نے کس خیال سے اجازت دی۔۔۔ شاید زیادہ بدنامی سے بچنے کیلئے ایسا کیا بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن منانے کی اجازت دے دی۔ حالانکہ یہ دن بہت معمولی انداز میں منایا جاتا تھا۔۔

اَب قومی اتحاد نے اِس سے سیاسی فائدہ اٹھایا اور بہت اہتمام کے ساتھ پورے ملک میں ربیع الاوّل کی مناسبت سے **میلادالنبیؐ** کے نام پر جلوس نکالے، جلسے کیے اور اپنی تمام تر قوت اِن جلسے جلوسوں میں بھٹو کے خلاف استعمال کی۔ ویسے تو جلسے جلوس ہو نہیں سکتے تھے، چلو اِسی نام سے سہی۔

مَیں اُن دنوں یہیں کہروڑ پکا میں ہوتا تھا۔ قومی اتحاد کے یہ تمام جلسے جلوس بھٹو کے خلاف تھے اور خالصتاً سیاسی مقاصد کیلئے تھے۔ اور یہ سارا منظر میرا دیکھا بھالا ہے۔

وہ چونکہ ایک سیاسی معاملہ تھا اور قومی اتحاد نے اِس سے سیاسی فائدہ اٹھایا،

لیکن ہمارے بھائیوں کی موج ہوگئی۔ اُنہوں نے اِس سے جواز کا فائدہ اٹھا لیا کہ آنے والے سال میں سارے جلوسوں میں یہی تقریریں ہوئیں کہ پچھلے سال جائز تھا تو اِس سال کیوں نہیں جائز؟۔۔۔ بات سمجھ رہے ہو؟۔

اَب پورے اہتمام کے ساتھ جلوس نکلنے شروع ہو گئے اور پورے ملک میں یہ رواج پڑ گیا۔ اِس طرح ہمارے علاقے میں بھی بالاہتمام جلوس نکلنے شروع ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ جزوی طور پر چھوٹے چھوٹے جلوس کوئی کہیں نکلتے ہوں گے، یہاں بھی نکلتا تھا، دو ٹریکٹر اور ٹرالیاں ہوا کرتی تھیں۔ وہ شہر میں چکر لگا لیتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی ہو جاتی تھی۔ اِس کے بعد یہ اہتمام کے ساتھ شروع ہوئے اور کم از کم دو تین سال تک یہ تقریریں جلوس میں یہاں بھی ہوتی رہی ہیں کہروڑ پکا میں، کہ پچھلے سال جائز تھا دو سال پہلے جائز تھا تو اَب کیوں نہیں جائز؟

یعنی قومی اتحاد کے وہ جلوس جو سیاسی فائدہ اٹھانے کیلئے سارے ملک میں نکالے گئے تھے وہ اِن موجودہ جلوسوں کیلئے ایک بنیاد بن گئے اور یہ بڑے اہتمام کے ساتھ نکلنے لگے۔ پھر حکومت نے بھی سرپرستی شروع کر دی۔

اَب یہ تو بہت قریب زمانہ کی بات ہے۔۔۔ آپ نے بھی آج سے پانچ سات سال پہلے کبھی بَسَنْت کا تذکرہ نہیں سنا ہوگا، کہ بسنت بھی منائی جاتی ہے۔ کبھی سنا تھا آپ لوگوں نے پہلے؟۔۔۔ پانچ سات سال پہلے اِس کی اتنی اہمیت نہیں تھی، یہ ہندوؤں کا تہوار ہے اور وہی اسکو مناتے تھے۔۔۔ لاہور میں البتہ پتنگ بازی کا تھوڑا سا رواج تھا کہ اِس تاریخ میں لاہوری پتنگ اڑایا کرتے تھے اور اَب آپ جانتے ہیں کہ یہ حکومت کی سرپرستی میں قومی تہوار بن گیا ہے۔۔۔ صدرِ مملکت دلچسپی لیتا ہے۔۔۔ وزراء دلچسپی لیتے ہیں۔۔۔ سارے مل کر رنگ برنگ پتنگ اُڑاتے ہیں، ناچتے گاتے ہیں اور ہندوؤں کا تہوار اپنا قومی تہوار کے طور پر مناتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہندوؤں کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا تہوار ہے۔

اور جتنے اہتمام کے ساتھ یہ تہوار لاہور اور پاکستان بھر میں منایا جاتا ہے اتنے

اہتمام کے ساتھ انڈیا میں بھی نہیں منایا جاتا۔۔۔۔اَب دو چار سال اور گزریں گے تو یہ بھی مذہبی مسئلہ بن جائے گا کہ مسلمان بسنت مناتے ہیں، جو وہابی ہیں اور مسلمان نہیں ہیں وہ نہیں مناتے۔ یہ مسئلہ بن جائے گا۔۔۔یہ بُری رسمیں ہمیشہ یوں ہی پڑا کرتی ہیں۔

تو **ربیع الاوّل** کے یہ جلوس حکومت کی سرپرستی میں نکلنے شروع ہو گئے۔ اِس لئے میں نے کہا کہ یہ کچھ مدت کی بات ہے زیادہ مدت کی بات نہیں ہے۔ بسنت کی مثال میں نے اِس لئے دی کہ آپ اِس سے اندازہ لگا لیں کہ کبھی کبھی قومی تہواریوں بھی بن جایا کرتے ہیں کہ پہلے نام ونشان نہیں تھا۔۔۔لیکن تھوڑے دنوں میں یہ ہندو تہذیب غالب آنی شروع ہوئی ہے، ہندو چونکہ بسنت میں پیلا رنگ استعمال کرتے ہیں لہٰذا اس موقع پر ہم بھی پیلے پیلے ہو جاتے ہیں۔۔آپ کبھی بسنت سے پہلے یا بسنت کے بعد(بسنت کے دن جانے کی اجازت نہیں تاکہ آپ بھی اِس میلے میں شریک نہ ہو جائیں) جا کر دیکھیں پورا لاہور پیلا پیلا نظر آئے گا۔

بینر پیلے۔۔۔رنگ پیلا۔۔۔ رکشے پیلے۔۔۔ اور جگہ بہ جگہ گینڈے کے پھول پیلے رنگ کے۔۔۔فٹ پاتھوں کے اوپر پھیلے ہوئے ہیں اور پہلے سے اہتمام کر کے لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔ پورا لاہور پیلا رنگ اختیار کیے ہوئے ہوتا ہے۔ جو خالصتاً ہندو نشان ہے، لیکن وہ منایا ایسے جاتا ہے جیسے ایک قومی میلہ ہوتا ہے۔

تھوڑے دنوں کے بعد اِس کی حیثیت مذہبی میلے کی ہو جائے گی۔۔۔ پھر لوگ کہیں گے جو مسلمان ہیں وہ مناتے ہیں اور جو وہابی ہیں مسلمان نہیں ہیں، وہ نہیں مناتے۔۔۔ چنانچہ پتنگ چڑھانا بھی اسلام کی نشانی بن جائے گی۔ یہ رواج یوں پڑا کرتے ہیں۔۔۔اَب ''کچھ مدت'' کا معنی سمجھ میں آیا آپ لوگوں کو؟ ۔۔۔لیکن آپ کی عمر ہے کتنی؟ ۔۔۔ جو ہم کہیں کہ یہ کسی مسئلے کیلئے دلیل بن جائے گی۔ اس لیے چند سالوں کی بات ہے۔ ہمیشہ اِس نکتے کو ذہن میں رکھیں۔

یاد رکھیں میری یہ تقریر ربیع الاوّل کی مناسبت اور خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہو

رہی۔۔۔ہم تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی سال کے 12 مہینے۔۔۔ مہینے کے 30 دن۔۔۔ اور دن کے 24 گھنٹے۔۔۔مناتے ہیں۔ہم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرتے ہیں اور اِس ذکر پاک کے ساتھ ہم اپنے ایمان کو تازگی پہنچاتے ہیں۔

باب العلوم میں ذکرِ مصطفیٰ ﷺ

کون سا دن ایسا ہے کہ جس دن ہماری زبان کے اوپر درود شریف جاری نہیں ہوتا؟۔۔۔

کون سا دن ایسا ہے کہ جس دن باب العلوم میں قال اللہ وقال الرسول درسگاہوں میں نہیں گونجتا؟۔۔۔کوئی ہے دن خالی؟۔۔۔

صبح سے لے کر شام تک ۔۔۔اللہ نے یوں فرمایا۔۔۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یوں فرمایا، قال اللہ کذا۔۔۔قال رسول اللہ کذا۔۔۔حضور کا لایا ہوا دین۔۔۔حضور ﷺ کا لایا ہوا قرآن۔۔۔صبح وشام رات و دن ہم پڑھتے ہیں۔۔۔ ہمارا ایک لمحہ خالی نہیں جاتا جب ہم حضور ﷺ کا تذکرہ نہیں کر رہے ہوتے۔لیکن۔۔۔

ہم ان مہینوں وغیرہ کے پابند نہیں ہیں۔۔۔

نہ دنوں کے پابند ہیں نہ ہفتوں کے پابند ہیں۔۔۔

ہم اپنے اِس محبوب ﷺ کا تذکرہ 12 مہینے کرتے ہیں۔۔۔ 30 دن کرتے ہیں۔۔۔اور دن کے 24 گھنٹے کرتے ہیں۔۔۔ جب بھی ہماری آنکھ کھلتی ہے، جب بھی ہم کوئی کام کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کا تذکرہ ہوتا ہے۔

صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔۔۔درود شریف پڑھتے ہیں۔۔۔

حدیث شریف پڑھتے ہیں۔۔۔قرآن شریف پڑھتے ہیں۔۔۔

یہ سب حضور ﷺ کا تذکرہ نہیں اور کیا ہے؟؟۔۔۔۔

جب حضور ﷺ نہیں آئے تھے تو کوئی قرآن پڑھتا تھا؟؟۔۔۔

جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا مجموعہ مرتب نہیں ہوا تھا تو کوئی بخاری ومسلم پڑھتا تھا؟؟۔۔۔

یہ سارا آپ ﷺ ہی کا تو فیض ہے، جس کا ہم صبح وشام تذکرہ کر رہے ہیں۔ اِس کیلئے ہم کسی موسم کے، کسی مہینے کے، کسی دن کے، کسی تاریخ کے پابند نہیں ہیں، ہم ہر وقت حضور ﷺ کا ذکر۔۔۔ آپ کے شہر کا ذکر۔۔۔ آپ کی سواری کے جانوروں کا ذکر کرتے ہیں۔۔۔ میں کہتا ہوں کہ کون سی ایسی چیز ہے جو حضور ﷺ کے ساتھ نسبت رکھنے والی ہو اور ہماری درسگاہوں میں اِس کا تذکرہ نہ ہوتا ہو؟۔۔۔ ہم تو ہر وقت حضور ﷺ کو یاد کرتے ہیں، ہم مہینوں کے پابند نہیں ہیں نہ تاریخوں کے پابند ہیں۔

لیکن جن دنوں میں ایک چیز خاص طور پر اُبھر کر آئے اِس کے بارے میں اپنے برخورداروں کو ہدایات دینا کہ ہمارا اور ہمارے اَکابر کا طرزِ عمل کیا ہے؟۔۔۔ یہ وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس بارے میں اپنا اور اپنے اَکابر کا طرزِ عمل کیا ہے؟ یہ بتانا ہماری ایک تعلیمی ضرورت ہے۔

اِس لیے میں محرم کی تاریخوں میں آپ کو محرم کے بارے میں بتایا کرتا ہوں کہ اِس کا صحیح طریقہ کیا ہے، اِس کا غلط طریقہ کیا ہے؟۔۔۔ رسمیں اِس میں کیا ہیں؟۔۔۔ اسی طرح کوئی اور موقع آ جائے تو آپ کو صحیح ہدایات دی جاتی ہیں تاکہ آپ کے سامنے اپنے بزرگوں کا صحیح مسلک آ جائے۔۔۔ آج بیان کرنے کی یہی وجہ ہے، ورنہ مَیں ربیع الاوّل کی مناسبت سے تقریر نہیں کر رہا۔

حضور ﷺ کی ولادت طیبہ اور ابتدائی حالات

ربیع الاوّل کا مہینہ تو بالیقین متعین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اِس میں ہوئی ہے۔۔۔ اور صبح کا وقت بھی متعین ہے بالیقین۔۔۔ کہ جب پو پھوٹتی ہے اور طلوعِ فجر ہوتی ہے تقریباً یہ وقت تھا۔۔۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

ہوئی، اِس میں تاریخی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور دن پیر کا تھا جس کو آپ سوموار کہتے ہیں، **یوم الاثنین** عربی میں کہتے ہیں یہ بھی تقریباً متعین ہے، اِس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مہینہ ربیع الاوّل کا۔۔۔ وقت طلوعِ فجر کا۔۔۔ اور دن پیر کا۔۔۔ یہ متعین ہے، تقریباً اِس میں اختلاف نہیں ہے۔ باقی ہے کہ ربیع الاوّل کی تاریخ کون سی تھی؟۔۔۔ عام مشہور یہی ہے جو پرانی کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ بھی 12 ربیع الاوّل ہے اور ولادت کی تاریخ بھی 12 ربیع الاوّل ہے، لیکن یہ یقینی نہیں، اِس پر اتفاق نہیں۔

اِس لئے اتفاق نہیں کہ تاریخی روایات بھی اِس میں مختلف ہیں اور حساب کتاب کے اعتبار سے بھی درست نہیں ہے آج کل حساب لگانا اتنا آسان ہو گیا ہے کہ آج سے 5 ہزار سال پہلے تک کی تاریخیں بھی لوگوں نے متعین کر لی ہیں کہ چاند کی فلاں تاریخ کو انگریزی کی تاریخ کیا تھی اور انگریزی کی فلاں تاریخ کو چاند کی کیا تاریخ تھی۔۔۔ 5 ہزار سال تک کی جنتری تو مرتب ہو چکی ہے۔ سورج اور چاند کے چکر کا اتنا مکمل حساب آ گیا ہے کہ اَب اِس کے ساتھ معلومات حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں رہ گیا۔

وفات کے بارے میں اختلاف کی بنیاد تو بہت جلدی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی سال حج فرمایا تھا اور 9 ذی الحج کو جمعہ کا دن تھا۔ یہ صحیح روایات میں موجود ہے۔

اَب ایک طالبعلمانہ گفتگو کرتا ہوں، طالب علموں کے سمجھنے کیلئے۔۔۔ ذرا توجہ کریں: 9 ذی الحج کو کیا دن تھا؟ جمعہ کا دن تھا۔۔۔ صحیح روایات میں متعین ہے۔۔ 9 ذی الحج کو جمعہ تھا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی۔۔۔ یہ بھی صحیح روایات میں موجود ہے۔۔۔ اگر پیدا پیر کے دن ہوئے تھے تو وفات بھی پیر کے دن ہوئی ہے۔ یہ بھی متعین ہے۔۔۔ صحیح روایات میں اِس کا تذکرہ آتا ہے۔ اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی پیر کو ہوئی ہے۔۔۔ اَب 9

ذی الحج کو جمعہ ہو اور:

ذی الحج 29 کا ہو تو یکم محرم کو کون سا دن تھا؟---

اور ذی الحج 30 کا ہو تو یکم محرم کو کون سا دن تھا؟---

اور پھر محرم 29 کا ہو تو یکم صفر کو کون سا دن تھا؟---

اور محرم 30 کا ہو تو یکم صفر کو کون سا دن تھا؟---

اور آگے صفر اگر 30 کا ہو تو یکم ربیع الاوّل کو کون سا دن تھا؟---

اور اگر صفر 29 کا ہو تو یکم ربیع الاوّل کو کون سا دن تھا؟---

یہ کوئی مشکل نہیں ہے، آپ کاپی اور پنسل لیں بیٹھ کر اِس کو متعین کر لیں، آسانی سے متعین کر لیں گے مثلاً---

آپ پہلے ذی الحج کو 29 کا سمجھ لیجئے---

پھر محرم کو بھی 29 کا سمجھ لیجئے---

پھر صفر کو بھی 29 کا سمجھ لیجئے---اور یکم ربیع الاوّل کا دن نکال لیجئے۔

پھر اِسی طرح آپ ذی الحج کو بھی 30 کا سمجھ لیجئے---

محرم کو بھی 30 کا سمجھ لیجئے---اور صفر کو بھی 30 کا سمجھ لیجئے---

اور دن نکالیے کہ یکم ربیع الاوّل کو کون سا دن بنتا ہے......

پھر آپ ذی الحج کو 30 کا سمجھ لیں اور باقی 2 کو 29 کا سمجھ لیں---

پھر 2 کو 30 کا سمجھ لیں ایک کو 29 کا سمجھ لیں---

اَب جتنے بھی عقلی احتمال نکل سکتے ہیں نکال کر اپنی کاپی کے اوپر لکھتے جائیں اور دیکھیں کہ یکم ربیع الاوّل کو کون سا دن نکلتا ہے پھر دیکھیں کہ---یکم تاریخ کو کیا دن تھا؟---2 کو کیا دن تھا؟---3 کو کیا دن تھا؟---4 کو کیا دن تھا---

اِسی طرح شمار کرتے چلے جائیں، دن پیر کا ہو اور ربیع الاوّل کی 12 تاریخ ہو---یہ کسی حساب میں نہیں آتی۔

چاہے مہینے آپ 29 کے بنا لیں، چاہے 30 کے بنا لیں--- چاہے بعض

29 کے بنا لیں، بعض 30 کے بنا لیں۔۔۔یعنی 15 منٹ میں آپ یہ حساب لگا سکتے ہیں کاپی کے اوپر دو تین مہینوں کی تاریخیں متعین کر کے دن نکال سکتے ہیں تو کسی حساب میں بھی 12 ربیع الاوّل پیر کو نہیں آتا۔

اِس لئے اِس کا نہ حدیث کی کسی کتاب میں ذکر ہے کہ 12 ربیع الاوّل کو پیر کا دن تھا اور حضور ﷺ کی وفات ہوئی، کسی کتاب میں مذکور نہیں، اور کسی حساب میں نہیں آتا۔ اِس لئے 12 ربیع الاوّل کی تاریخ تقریباً صحیح نہیں بنتی۔

بالکل اسی طرح حساب لگانے والوں نے ماقبل کا حساب بھی لگایا، اِس میں کوئی شک نہیں جیسے میں نے عرض کیا کہ ہمارے پرانے بزرگوں کی کتابوں میں عام طور پر مشہور یہی ہے کہ ولادت 12 ربیع الاوّل کو ہوئی ہے لیکن اَب حسابی لوگوں نے جس وقت حساب لگایا ہے تو اُس سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ اپریل کا مہینہ تھا 21/یا 22/اپریل۔۔۔اور دن بنتا ہے سوموار۔۔۔اور اگر سوموار کا دن ہو تو تاریخ بنتی ہے 9 ربیع الاوّل۔12 کسی صورت میں نہیں بنتی کہ پیر کا دن بھی ہو۔ چونکہ پیر کا دن متعین ہے کہ ولادت آپ کی پیر کے دن کو ہوئی ہے تو 9 ربیع الاوّل کو پیر بنتا ہے، 12 ربیع الاوّل کو پیر نہیں بنتا۔

یہی تحقیق علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ مؤرخین کے حوالے کے ساتھ اپنی کتاب ''**سیرت النبی** ﷺ'' میں لکھی ہے اور اسی پر قاضی سلیمان منصور پوری نے **رحمۃ اللعالمین** میں مدار رکھا ہے۔ یہ بہت معتبر کتاب ہے رحمۃ اللعالمین!

اَب جدید تحقیق کے تحت جو حساب کتاب مرتب ہوا ہے، اِس حساب سے بھی پیدائش 9 ربیع الاوّل کو ثابت ہوتی ہے جبکہ دن پیر کا ہو، 12 ربیع الاوّل کو ثابت ہی نہیں ہوتی۔ اور یہ خلط ملط (مغالطہ) اِس لئے ہو گیا ہے کہ پرانے اَکابر میں تاریخوں کا کوئی اہتمام تھا ہی نہیں۔

آپ معراج کا واقعہ پڑھتے ہیں کہیں بھی لکھا ہوا ہو حدیث شریف میں کہ کون سا مہینہ تھا، کونسی تاریخ تھی؟۔۔۔آپ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

کے تذکرے پڑھتے ہیں، کبھی آپ نے نہیں پڑھا کہ کون سی تاریخ تھی، کیا تھا کیا نہیں تھا۔۔ان چیزوں کی اِس وقت اہمیت ہی نہیں تھی۔ یہ اہمیت آج کل کے رسم و رواج کے تحت آئی ہے۔ پھر بعض روایتیں جو عام طور پر مشہور ہو گئیں وہ تحقیقی نقطۂ نظر سے صحیح ثابت نہیں ہوتیں۔ اِس لئے یہ غلطی تاریخی طور پر سامنے آئی ہے کہ ولادت کا مہینہ اگر ربیع الاوّل ہو اور دن پیر کا ہو تو پھر 12 ربیع الاوّل کسی حساب میں نہیں آتی 9 ربیع الاوّل کو پیر کا دن بنتا ہے اور یہ حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ بنتی ہے۔

12 تاریخ نہ ولادت کی تاریخ بنتی ہے اور نہ وفات کی تاریخ بنتی ہے۔۔۔ اِس کا حساب میں نے آپ کو بتا دیا۔

اَب نئی کتابوں میں اسی طرح کی تحقیقات کے ساتھ بات آ رہی ہے، اِس لئے یہ تاریخ متعین نہیں ہے۔

اَب سوموار کا دن متعین، اور صبح کا وقت متعین، اَب تین باتیں ہو گئیں آپ کے یاد رکھنے کی ایک بات کہ۔۔ وقت کون سا ہے؟ (طلوعِ فجر کا)۔۔۔ دوسری کہ دن کون سا ہے؟ (پیر کا)۔۔اور تیسری کہ مہینہ کون سا ہے؟ (ربیع الاوّل کا)۔۔۔ یہ تینوں باتیں یاد ہو گئیں!

طلوعِ فجر ہر 24 گھنٹے کے بعد ہوتی ہے اور پیر کا دن ہر 8ویں دن آتا ہے۔اور ربیع الاوّل ہر سال 12 مہینوں کے بعد آتا ہے یعنی 12 واں مہینہ ہے۔

مہینہ کا اہتمام کیوں؟

اَب جب حضور ﷺ کی نسبت وقت کی طرف بھی ہے۔۔۔ دن کی طرف بھی ہے اور مہینے کی طرف بھی ہے۔۔۔تو کسی عقل کے میزان پر تول کر بتاؤ تو سہی، کہ تم مہینے کا اہتمام تو کرتے ہو،طلوعِ فجر اور پیر کے دن کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟۔۔۔ ہر آٹھویں دن تمہارے ہاں میلاد ہونا چاہئے اور ہر آٹھویں دن جلوس نکلنا چاہئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن پیر ہے۔ جو صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور

ﷺ سوموار کو پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہ بات تاریخی روایات میں اور حدیث کی روایات میں بھی موجود کہ ولادت طلوعِ فجر کے وقت ہوئی تھی، تو اِس وقت کا کیا قصور ہے کہ تم اِس کو حضور کی ولادت کا وقت قرار دے کر مبارک بنا کر اِس میں جلسے نہیں کرتے، جلوس نہیں نکالتے، طلوعِ فجر کے وقت روز تمہارے ہاں میلاد ہونا چاہئے اور روز جلوس نکلنا چاہئے، ورنہ ان تینوں میں فرق کی وجہ بتا دو کہ:

طلوعِ فجر کی طرف نسبت سے طلوعِ فجر میں کوئی برکت نہیں آئی؟۔۔۔ پیر کی طرف نسبت سے پیر میں کوئی برکت نہیں آئی؟۔۔۔ تو ایک ربیع الاوّل میں برکت کیسے آ گئی؟۔۔۔ اگر ہے تو تینوں میں ہونی چاہیے۔ نہیں ہے تو تینوں میں نہیں ہونی چاہیے۔ یہ فرق آپ بتا دیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟۔۔۔ کہ اگر اِس نسبت کا خیال کرنا ہے تو ہر روز طلوعِ فجر کے وقت میلاد منایا کرو کہ یہ وقت ہے حضور ﷺ کی ولادت کا اور ہر پیر کو میلاد منایا کرو اور جلوس نکالا کرو، کہ یہ دن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا۔۔۔ یا اگر تینوں کو اکٹھا کرنا ہو تو یوں اکٹھا کرو کہ چلو مہینہ بھی ربیع الاوّل کا ہو، دن بھی پیر کا ہو اور وقت بھی صبح کا ہو۔۔۔ تو ربیع الاوّل میں کم از کم 12 تاریخ کا اہتمام چھوڑ دو۔ پیر کا دن طلوعِ فجر کا وقت اور مہینہ ربیع الاوّل کا۔۔۔ تو کم از کم 4 تاریخیں تو مناؤ کہ چار دفعہ پیر آئے گا ربیع الاوّل میں تو چار دن تو جلوس نکالو۔

تو جب مہینہ بھی ربیع الاوّل کا آ گیا اور دن بھی پیر کا آ گیا اور طلوعِ فجر بھی ہو گئی، تینوں کو اکٹھا کر لو تو تینوں کو اکٹھا کرو گے تو ربیع الاوّل میں کتنے دن بنیں گے؟۔۔۔ کم از کم 4 بنیں گے۔ تو تینوں کو اکٹھا کر کے اِس کا اہتمام کر لو کہ۔۔۔ جی ہم ایک کو نہیں مناتے ہم تینوں کو اکٹھا کر کے مناتے ہیں۔۔۔ کسی طرح کسی ضابطے میں آؤ تو سہی۔۔۔ کوئی اصول اپناؤ تو سہی۔۔۔

ہمارا مسلک

اِس لئے ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ جس وقت اللہ کریم کی طرف سے یہ نعمت

آئی اور رحمة مهد ا ةاللہ نے اِس رحمت کا ہدیہ بھیجا۔۔۔ آج سے چودہ سو اُناسی سال(1479)پہلے جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تھی وہ دن، وہ وقت اور وہ مہینہ متبرک تھا، اِس کے بعد

نہ مہینہ ایسا آیا ہے کہ جس میں حضور ﷺ پیدا ہوئے ہوں۔۔۔

نہ دن ایسا آیا ہے کہ جس میں حضور ﷺ پیدا ہوئے ہوں۔۔۔

نہ وقت ایسا آیا ہے کہ جس میں حضور ﷺ پیدا ہوئے ہیں۔۔۔

وہ وقت گزر گیا چودہ سو اُناسی سال پہلے۔۔۔وہ دن بھی گزر گیا چودہ سو اُناسی سال پہلے۔۔۔ مہینہ بھی گزر گیا چودہ سو اُناسی سال پہلے۔۔۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟۔۔۔

یہ مہینہ جو ہر سال آتا ہے یہ اُس مہینے کا ہم نام ہے وہ مہینہ نہیں ہے۔۔۔

یہ دن جو ہر سال آتا ہے یہ اُس دن کا ہم نام ہے وہ دن نہیں ہے۔۔۔

یہ وقت جو ہر سال آتا ہے یہ اُس کا ہم مثل ہے وہ وقت نہیں ہے۔۔۔

وہ وقت دنیا میں ایک ہی دفعہ آیا جب حضور ﷺ پیدا ہوئے تھے۔۔۔

وہ دن دنیا میں ایک ہی دفعہ آیا جس دن حضور ﷺ پیدا ہوئے تھے۔۔۔

وہ مہینہ دنیا میں ایک ہی دفعہ آیا جس میں حضور پیدا ہوئے تھے۔۔۔

بار بار نہ وہ وقت آتا ہے، نہ دن آتا ہے، نہ مہینہ آتا ہے۔

ہاں جب آپ ﷺ تشریف لے آئے اُس وقت سے لے کر اَب تک مسلسل خوشی۔۔۔ دن کو بھی خوشی۔۔۔رات کو بھی خوشی۔۔۔ربیع الاوّل میں بھی خوشی۔۔۔محرم میں بھی خوشی۔۔۔صفر میں بھی خوشی۔۔۔خوشی ہی خوشی ہے۔۔۔

جب نعمت آ گئی تو اُس کے بعد خوشی کا تسلسل ہے۔ اِس نعمت کے اوپر اللہ کا شکر ادا کرو، اِس میں نہ کسی مہینے کی پابندی ہے۔۔۔ نہ کسی دن کی پابندی ہے۔۔۔ نہ کسی وقت کی پابندی ہے۔۔۔ یہ ہے بات جو عقل میں بھی آتی ہے اور انسان اِس کو سمجھ بھی سکتا ہے اور سمجھا بھی سکتا ہے ورنہ کیا آپ کہیں گے کہ

ہر روز صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے ہیں؟۔۔۔

ہر سوموار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے ہیں؟۔۔۔

ہر ربیع الاوّل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے ہیں؟۔۔۔

نہیں۔۔۔وہ وقت ایک ہی دفعہ آیا ہے۔۔۔ وہ دن ایک ہی دفعہ آیا ہے۔۔۔وہ مہینہ ایک ہی دفعہ آیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ یہ مہینہ اُس مہینے کا ہم نام ہے یہ وہ مہینہ نہیں ہے۔۔۔ یہ دن اُس دن کا ہم نام ہے لیکن وہ دن نہیں ہے۔۔۔ یہ وقت اُس وقت کی ہم مثل ہے لیکن وہ وقت نہیں ہے۔۔۔ وہ وقت پونے پندرہ سو سال پہلے گزر گیا ہے۔اَب نہ وہ وقت دوبارہ آئے گا، نہ وہ مہینہ دوبارہ آئے گا، نہ وہ دن دوبارہ آئے گا۔ یہ ہم نام ہیں یہ ہم مثل ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت دنیا میں ایک ہی دفعہ آیا ہے۔

ربیع الاوّل کا یہ مہینہ جو اَب گزر رہا ہے کیا اِس مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی؟۔۔۔نہیں، یہ اُس مہینے کا ہم نام ہے جس مہینے میں ولادت ہوئی تھی۔

پیر کا دن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن نہیں ہے، اُس دن کی مثل ہے جس دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔

فجر کا وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت نہیں ہے، اُس وقت کی ہم مثل ہے جس وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔

اِس لئے ہم نہ تاریخ کا اہتمام کرتے ہیں ۔۔۔نہ دن کا اہتمام کرتے ہیں ۔۔۔نہ وقت کا اہتمام کرتے ہیں۔۔۔خوشی کا سبب پیش آ جانے کے بعد خوشی مسلسل ہے، اِس کے درمیان میں پھر انقطاع نہیں ہے۔

جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں اُس وقت سے خوشی چلی آ رہی ہے۔ اچھے طریقے سے یہ بات ذہن نشین ہوگئی؟

ہمارے اَکابر کا معمول

اِس لئے ہمارے اَکابر کا یہ معمول نہیں کہ ہم ان متعین تاریخوں میں تو حضور

ﷺ کا تذکرہ کریں اور آگے پیچھے اہتمام نہ کریں۔۔۔ ہمارے اکابر تو کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ ہر وقت یاد، اللہ کا رسول بھی ہر وقت یاد۔۔۔

جو اللہ کے ذکر سے غافل ہو گیا اُس کے ایمان میں خلل آ گیا اور جو اللہ کے رسول کے ذکر سے غافل ہو گیا اُس کے ایمان میں بھی خلل آ گیا۔

اِذَا ذُكِرتُ ذُكِرْتَ مَعِي۔(صحیح ابن حبانؒ۔مسند ابی یعلیؒ) ۔۔

جب اللہ یاد آتا ہے تو میں بھی ساتھ ہی یاد آتا ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے میرا ذکر بلند کیا، اپنے نام کے ساتھ میرا نام جوڑ لیا۔ جہاں "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" آتا ہے اذان میں، وہاں "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه" بھی ساتھ آتا ہے تو جیسے اللہ ہر وقت یاد تو اللہ کا رسول ﷺ بھی ہر وقت یاد۔۔۔

اللہ کی تسبیح ہر وقت پڑھتے رہو۔۔۔ رسول اللہ پر درود ہر وقت پڑھو۔۔۔ کسی تاریخ کا تعین نہیں۔ یہ ہے اصل کے اعتبار سے تعلق کی بات۔۔۔ اُمید ہے یہ بات آپ حضرات کی سمجھ میں آ گئی ہوگی۔۔۔

اور دوسری بات یاد رکھنے کی یہ ہے، کہ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ کرنا باعثِ برکت ہے۔ صرف ولادت ہی کا نہیں۔۔۔ بلکہ

آپ کے شہر کا تذکرہ کرنا باعثِ برکت۔۔۔ آپ کی سواری کے جانوروں کا تذکرہ، باعثِ برکت۔۔۔ اور ہم سب کچھ کرتے ہیں کتابوں میں، جن گلیوں میں آپ چلے پھرے وہاں کے نقشِ پا کا تذکرہ بھی باعثِ عبادت ہے۔

جس حال میں بھی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کریں یہ عبادت ہے۔۔۔ اِس میں کوئی قباحت والی بات نہیں ہے۔ تو بچپن کے واقعات کا تذکرہ کرنا بھی عبادت ہے، اِس سے انکار نہیں ہے لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کیا ہے؟۔۔۔ اور اللہ نے آپ کا منصب کیا بتایا؟۔ یہ قابلِ غور نکتہ ہے

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

تمہارے لئے یعنی اُن لوگوں کیلئے جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کو یاد کرتے ہیں کثرت کے ساتھ، آخرت پہ ایمان رکھتے ہیں، اُن لوگوں کیلئے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

ہمارے لئے، اللہ کو یاد کرنے والوں کیلئے، ایمان لانے والوں کیلئے آپ کی ذات میں اُسوۂ حسنہ ہے۔

اُسوۂ حسنہ کا معنی ومطلب

اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کا معنی ہے بہترین نمونہ، آپ طالب علم ہیں اور آپ میں سے اکثر قرآن کریم کے حافظ ہیں لہٰذا آپ جانتے ہیں کہ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کا لفظ قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ سورۂ احزاب میں اور دو جگہ سورہ ممتحنہ میں

لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۔۔۔۔

اور دوسری جگہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کو بھی اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ قرار دیا، اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ قرار دیا۔

یہ نمونہ کیا ہوتا ہے؟۔۔۔ نمونہ کسے کہتے ہیں؟۔۔۔ اور نمونے کا کیا مقصد ہوتا ہے؟۔۔۔ اِس بات کو ایک مثال سے سمجھیے:

آپ کسی درزی کے پاس ایک کپڑا اور ایک سلی ہوئی قمیص لے جاتے ہیں۔ اور درزی سے کہتے ہیں کہ ۔۔۔ یہ میری سلی ہوئی قمیص ہے تم نے بالکل اِسی نمونے کی میرے لئے قمیص بنانی ہے۔ اَب وہ درزی آپ کی قمیص کو دیکھ بھال کر اور

اُسے سامنے رکھ کر اُسی نمونے کے مطابق قمیص بناتا ہے۔ وہ جتنی نیچی ہے اتنی نیچی کرتا ہے، جتنی چوڑی ہے اتنی چوڑی بناتا ہے۔ اُس کی آستین جیسی آستین بناتا ہے۔ اس کی جیب جیسی جیب بناتا ہے۔ وہ نمونے کو دیکھتا رہا اور قمیص بناتا رہا۔ اِس طرح بالکل نمونے کے مطابق قمیص تیار ہوگئی ۔۔۔ جب آپ لینے گئے اور دیکھا کہ واقعی آپ کی قمیص دیے ہوئے نمونے کے عین مطابق ہے تو آپ خوش ہو جائیں گے اور درزی کی تعریف کرتے ہوئے منہ مانگی اجرت دیں گے کیونکہ اُس نے آپکے پسندیدہ نمونے کے مطابق قمیص بنا دی۔ نمونے کا یہ معنیٰ ہوتا ہے۔

اللہ کو کون سا بندہ پسند ہے کون سا پسند نہیں؟ ۔۔۔ اللہ نے نمونہ آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دے دی۔

اور اگر آپ جائیں اُس درزی کے پاس اور دیکھیں کہ اُس نے اگلا پلہ پاؤں تک لمبا کر دیا، اور پچھلا کمر سے بھی اونچا کر دیا، ایک بازو بہت لمبا کر دیا اور ایک چھوٹا کر دیا۔ آپ نے کہا تھا کف نہیں رکھنے اُس نے کف رکھ دیئے، آپ نے کہا تھا کالر نہیں لگانے، اُس نے کالر لگا دیے۔۔۔ اَب وہ ہزار دلائل دے کہ مولوی صاحب فیشن کا تقاضا ہے، آج کا رواج اِس قسم کا ہے، یہ قمیص ایسے پہنی جاتی ہے۔ تو آپ اسے یہی کہیں گے بکواس بند کر، میں نے جو نمونہ تجھے دیا تھا، تو نے اِس قمیص کو اُس نمونے کے مطابق کیوں نہیں بنایا۔ میرا کپڑا واپس کر۔۔۔ اَب وہ آگے سے دلائل دینے لگ جائے کہ اگر قمیص کو کالر نہ لگے ہوئے ہوں تو قمیص اچھی نہیں لگتی اور اگر دامن یوں آگے پیچھے سے چھوٹے نہ ہوں تو قمیص اچھی نہیں لگتی، دیکھا نہیں آپ نے بازار میں سارے لوگ ایسی ہی قمیصیں پہنے پھرتے ہیں؟ تو آپ کہیں گے کہ دلائل کو تو رکھ اپنے پاس۔۔۔ میں نے جو نمونہ دیا تھا تجھے چاہیے تھا کہ قمیص ویسی بناتا ۔۔۔ تیری عقل تیرے ساتھ رہی، رسم و رواج اپنی جگہ رہا، مجھے تو اپنے دیئے ہوئے نمونے کے مطابق قمیص چاہیے، میں اِس سلسلے میں تیرے دلائل نہیں سننا چاہتا۔۔۔ یقیناً ایسے کہیں گے ۔۔۔

تو اگر آپ اپنے دیے ہوئے نمونے کے مطابق قمیص نہ پائیں تو سلائی

کرنے والے کے اوپر آپ ناراض بھی ہوں گے، بُرا بھلا بھی کہیں گے اور اپنے کپڑے کا تاوان بھی اُس کے سر پر ڈال دیں گے۔

تو اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ بندہ پسند ہے جو اُس نمونے کے مطابق ہو جو نمونہ میں نے بھیجا ہے۔۔۔ اور وہ نمونہ ہیں حضور ﷺ جنہیں میں نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔۔۔ اگر تم نے آخرت میں آنا ہے اور میرے پاس آ کر ثواب لینا ہے تو یاد رکھو میرے بھیجے ہوئے نمونے کو اپنانا ہوگا۔ اسوۂ حسنہ کا یہ معنی ہے۔

اَب اِس نمونے کے آنے کا کیا مطلب ہوا؟۔۔۔ اِس نمونے کے آنے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اپنی زندگی اللہ کے بھیجے ہوئے نمونے کے مطابق گزارنی ہے اِس کو کہتے ہیں اتباعِ سُنّت! سُنّت کے مطابق وقت گزارنا۔۔ یہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کو اپنانے کی بات ہے، کہ آپ نے اُسوہ اپنالیا۔ بات سمجھ آ رہی ہے؟۔۔۔

اللہ کے مقبول بندے

اچھا اَب جب اُسوہ بن گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ، اور اللہ کا مقبول بندہ وہ ہوگا جو حضور ﷺ کو اُسوہ بنا کے زندگی گزارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ سامنے رکھے۔

شیشہ دیکھے تو اپنی شکل پر غور کرے کہ کیا حضور ﷺ نے نمونہ ایسے بتایا تھا کہ شکل ایسی بنانی ہے؟۔۔۔

شلوار پہنے تو ٹخنوں کی طرف دیکھے کہ کیا حضور ﷺ نے ایسے بتایا تھا کہ ایڑی سے اوپر شلوار رکھنی ہے؟۔۔۔

نماز پڑھنے کیلئے آئیں تو دیکھیں کہ حضور ﷺ نے ایسے ہی نماز پڑھ کر دکھائی تھی، اِس طرح پڑھی ہے؟۔۔۔

اذان کیلئے اذان دیتے وقت دیکھیں کہ حضور ﷺ نے یہی کلمات بتائے تھے، جیسے ہم کہتے ہیں؟۔۔۔

ہر بات میں نمونہ موجود ہے، اور کوئی بات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی نہیں ہے جو حدیث شریف میں واضح الفاظ میں لکھی ہوئی نہ ہو۔ کوئی بات پوچھیں کہ حضور ﷺ نے یہ کام کیسے کیا تھا تو ورق کھول کر دکھا دیں گے کہ دیکھو یہ لکھا ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کام ایسے کیا۔

تو دیکھتے جاؤ اور اِس کے مطابق زندگی گزارتے چلے جاؤ۔۔۔ یہ ہے اصل کے اعتبار سے منصب!

حضور ﷺ کے ساتھ اُمتی کا تعلق

کسی ایک بات کو کہنے کی ضرورت نہیں، کلیہ آپ کے سامنے واضح کر رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُمتی کا تعلق یہ ہے کہ حضور ﷺ کو اُسوہ سمجھو۔ اُسوہ کا معنی ہے کہ دیکھتے جاؤ اور ویسے بنتے چلے جاؤ۔۔۔ دیکھتے جاؤ ویسے کرتے چلے جاؤ۔۔۔ اوّل سے لے کر آخر تک زندگی اُسی نمونہ کے مطابق ہوتی چلی جائے گی۔ تو اللہ کے جیسے وہ محبوب، تم بھی ویسے ہی اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

یہی وہ نکتہ ہے جو قرآن نے بتایا:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ......

اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو یہ ہمیشہ قاعدہ ہے کہ جس سے آپ محبت کریں آپ کا جی چاہتا ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ محبت کرے۔

شکوہ کسے کہتے ہیں؟

یہ نکتہ تو ہر روز آپ کے سامنے آتا ہے جب دوستوں سے شکوے کیا کرتے ہو۔ تو کیا ہوتے ہیں شکوے؟۔۔۔ کہ میں تو محبت کرتا ہوں وہ توجہ نہیں کرتا۔ شکوہ اور کس کو کہتے ہیں کہ میں تو محبت کرتا ہوں اور اُس کی بڑی رعایت رکھتا ہوں۔ لیکن وہ نہ میرے ساتھ محبت کرتا ہے اور نہ وہ میری رعایت رکھتا ہے۔ میں ملنے کیلئے ترستا رہتا ہوں وہ ملتا ہی نہیں۔ شکوے یہی تو ہوتے ہیں۔

یہ شکوہ بے وفائی کا یہ رونا کج ادائی کا
سزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا

ایسے ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ تم محبت کرو، تمہارا جی چاہتا ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ محبت کرے۔ یہ ایک اصول ہے۔

تو قرآن نے یہی اصول تو بتایا ہے:

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہ۔۔۔

اگرتم اللہ سے محبت کرتے ہو، اورتمہارا جی چاہتا ہے کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے، دیکھو یہ لفظ بڑھاؤ گے تو آیت کا مطلب سمجھ میں آئے گا۔تم اللہ سے محبت کرتے ہو،تمہارا جی چاہتا ہے کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے۔۔۔تو

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ......

تم میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ کیونکہ اللہ کو ایک شکل پسند ہے، اللہ کو ایک صورت پسند ہے کہ جو ایسا ہو گا میں اُس سے محبت کروں گا۔ کہ جب تم میری اتباع کرو گےتو

اللہ کے محبوب کی شکل ۔۔۔اللہ کے محبوب کا کردار۔۔۔اللہ کے محبوب کی گفتار۔۔۔سب کی سب آپ میں آ جائے گی۔ جب اللہ کے محبوب کی شکل میں آ جاؤ گےتو اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔

اور اِس آیت میں یہی نکتہ بتایا گیا ہے، یہ نمونے والی بات! کہ اگرتمہیں اللہ سے محبت ہے اورتمہارا جی چاہتا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرے تو اِس کانسخہ یہی ہے کہ:

فاتبعونی ۔۔۔میری پیروی کرو، جیسے میں کرتا ہوں ویسے کرو۔

یحببکم اللّٰہ۔۔۔

یوں نہیں کہا کہ یہ تمہاری اللہ سے محبت کی دلیل ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔ کیونکہ جب میری پیروی کرو گے تو

تمہاری شکل۔۔۔تمہاری صورت۔۔۔ تمہاری گفتار۔۔۔ تمہاری

رفتار۔۔۔تمہارا کردار۔۔۔سب کچھ اللہ کے محبوب والا بن جائے گا۔اور جب اللہ کے محبوب والا بن جائے گا تو اللہ محبت کرے گا۔

جب اپنے محبوب کی شکل سامنے آتی ہے، پیار آتا ہے۔۔۔اُس کی کوئی بات سامنے آتی ہے محبت آتی ہے۔

فنِ عشق ومحبت کے امام

پتہ نہیں لیلیٰ و مجنوں کے قصے آپ لوگوں نے کبھی پڑھے سنے ہیں یا نہیں؟۔۔۔قاعدہ ہے کہ ہرفن کے قصے اُس فن کے اِمام کے اَقوال اور اَحوال سے سمجھ میں آیا کرتے ہیں۔کہتے ہیں نا۔۔۔کہ سیبویہ نے یوں کہا، فلاں نے یوں کہا،۔۔۔ ہر فن کے ائمہ کے واقعات سے یہ باتیں سمجھ میں آیا کرتی ہیں۔تو یہ بھی عشق ومحبت کے فن کے اِمام ہیں۔

کہتے ہیں کہ مجنوں جنگل میں تھا تو کسی شکاری نے ایک زندہ ہرنی پکڑی اور حفاظت کیلئے مجنوں کو دے دی۔مجنون پاگل کو کہتے ہیں۔یہ بھی محبت کے جوش میں پاگل ہوا پھرتا تھا۔ اِس لئے اِس کو مجنون کہتے ہیں، مجنوں اُس کا نام نہیں تھا۔مجنوں (دیوانہ) عربی کا لفظ ہے۔ اصل نام اُس کا قیس تھا بنو عامر قبیلے سے تھا۔۔۔اُس شکاری نے وہ ہرنی مجنوں کو دے دی اور خود شکار کو نکل گیا۔جب ادھر اُدھر سے پھر پھرا کے واپس آیا تو دیکھا کہ مجنوں کے پاس ہرنی نہیں ہے۔

اُس شکاری نے پوچھا کہ وہ ہرنی کہاں گئی؟ کہتا ہے چھوڑ دی۔۔۔

پوچھا کیوں؟۔۔۔کہتا ہے کہ اُس کی آنکھیں لیلیٰ کی آنکھوں جیسی تھیں، جی نہیں چاہا کہ اُس کو پکڑ کر بیٹھا رہوں چنانچہ پیشانی کو بوسہ دیا اور چھوڑ دی۔

یہ میں نے اِس لئے عرض کیا ہے کہ محبت کے اِس طرح سے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔تو جس وقت آپ کے محبوب کی شکل سامنے آئے گی آپ کو اِس سے پیار آئے گا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں ایک واقعہ بیان کیا کہ میرے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ میں کسی دوسرے شہر کے سفر کے دوران ایک گلی میں سے گزر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک بوڑھی اَماں نے مجھے آواز دی۔ جب میں واپس گیا تو اُس بوڑھی اماں نے میرے ساتھ بہت پیار کیا، میرا بہت اکرام کیا، احترام کیا، بہت اصرار کے ساتھ مجھے بٹھایا اور بٹھا کے مجھے کھلایا، پلایا۔۔۔ میں مجبور ہو گیا کہ پوچھوں اَماں جان آپ مجھ سے اِتنا پیار کیوں کرتی ہو؟ اتنی محبت کا اظہار میرے ساتھ کیوں کیا؟ کہتے ہیں کہ وہ بڑھیا کہنے لگی ۔۔۔ بیٹے میں نے تجھے چلتے ہوئے دیکھا تو تیری چال میرے بیٹے کی مشابہ تھی، مجھ سے رہا نہ گیا، میرا بیٹا جو فوت ہو گیا یا کسی دوسرے ملک میں گیا ہوا تھا، مجھے اَب یاد نہیں ۔۔۔ کہتی ہے تیری چال بالکل میرے بیٹے کی مشابہ ہے اِس لئے تجھے دیکھ کر مجھے اپنا بیٹا یاد آ گیا۔ یہ پیار میں نے تجھ سے نہیں کیا بلکہ اپنے بیٹے سے کیا ہے۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب محبوب کی مشابہت ہو جاتی ہے! تو بھی انسان کا دل اُس پر مائل ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ حقیقتاً محبوب نہیں لیکن محبوب کی شکل میں آ گیا۔ اِس لئے اُس شکل کے اوپر پیار آ گیا۔ تو یہ ہے کہ جب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ اُس کے نتیجے میں اللہ تم سے پیار کرنے لگ گیا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حصے

لیکن ایک بات بہت اہم تھی جو میں آگے کہنا چاہتا تھا۔۔۔ وقت زیادہ ہو گیا۔۔۔ صرف اِس کی طرف اشارہ کرتا ہوں، کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو حصے ہیں:

ایک ہے آپ کی زندگی نبوت کے اظہار سے پہلے کی۔۔۔ پیدائش سے لے کر 40 سال کی عمر تک۔۔۔ اور ایک ہے آپ کی زندگی پیغمبر بننے کے بعد کی، جب آپ نے نبوت کا اظہار فرمایا۔

اللہ کی طرف سے وحی آ گئی، وحی آنے سے پہلے ۔۔۔اللہ کی طرف سے پیغمبری کا اعلان کروانے سے پہلے ۔۔۔یعنی پیدا ہونے سے لے کر 40 سال کی عمر تک جو آپ نے وقت گزارا ہے اُس وقت آپ پوری دنیا میں جاننے والوں میں محمد بن عبداللہ تھے، محمد رسول اللہ نہیں تھے۔

کیا خیال ہے آپ کا؟۔۔۔کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانتے تھے؟۔۔۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ۔۔۔اسی نام سے لوگ آپ کو جانتے تھے اور پہچانتے تھے اور اسی نام سے آپ بلائے جاتے تھے۔ اور جب اللہ کی طرف سے وحی آ گئی، تو آپ بن گئے ''محمد رسول اللہ!''۔

تو محمد رّسول اللہ آپ بنے ہیں وحی آنے کے بعد۔ بات سمجھ رہے ہو کہ وحی آنے کے بعد جب محمد رّسول اللہ آپ بنے ہیں تو فرمایا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ......

اللہ نے یہاں یہ نہیں کہا کہ محمد بن عبداللہ میں تمہارے لئے نمونہ ہے، بلکہ فرمایا محمد رّسول اللہ میں تمہارے لئے نمونہ ہے۔

فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ......

اور رسول اللہ کی زندگی شروع ہوئی وحی آنے کے بعد۔۔۔تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس زندگی کا تذکرہ جو رسول اللہ بننے کے بعد ہے، کہ آپ نے رسول بننے کے بعد یہ کہا، یہ کیا، یہ بتلایا، یہ ہوا، وہ ہوا۔۔۔اُس کا تذکرہ کثرت سے کرو تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل جو رسول اللہ کی حیثیت سے ہے وہ آپ کیلئے ایک نمونہ بن جائے اور جو محمد بن عبداللہ ہونے کا زمانہ ہے اُس کا تذکرہ بھی محبت کا تقاضا ہے، اِس میں کوئی شک نہیں لیکن اُس میں نمونہ نہیں ہے۔

نمونہ اِس لئے نہیں کہ آپ پیر کے دن پیدا نہیں ہو سکتے۔ یا ہو سکتے ہیں؟

طلوعِ فجر کے وقت پیدا ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں؟۔۔۔

اور آپ اُس وادی میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں بکریاں چرائی تھیں آپ چرا سکتے

ہیں؟۔۔۔

جہاں رسول اللہ تجارت کیلئے گئے تھے وہاں آپ تجارت کیلئے جا سکتے ہیں؟۔۔۔

یا جو جو مشاغل اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے، اس زمانے میں رہتے ہوئے، کیا آپ ان کو اختیار کر سکتے ہیں؟۔۔۔

نہیں کر سکتے۔ اور نہ ان کو اپنانے کی دعوت ہے کہ تم وہاں جا کر بکریاں چراؤ۔۔۔ اورتم اسی طرح سے اونٹوں پہ بیٹھ کر شام کی طرف تجارت کرنے کیلئے جاؤ۔۔۔ اور اسی طرح حلیمہ سعدیہ کے گھر میں رہو اور یہاں بچپن گزارو۔۔۔ یہ آپ لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ حالات محمد بن عبداللہ کے ہیں، محمدرّسول اللہ کے نہیں۔

محمدرّسول اللہ کے حالات شروع ہوتے ہیں وحی آنے کے بعد۔ اِس لئے مومن کے سامنے جو زندگی نمونہ ہے وہ آپ کے رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے ہے محمد بن عبداللہ ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے۔ اِس لئے ہر وقت ولادت کے تذکرے کرتے رہو تاکہ نہ نماز پڑھنی پڑے۔۔۔نہ روزہ رکھنا پڑے۔۔۔ نہ زکوٰۃ دینی پڑے۔۔۔کیونکہ ولادت سے لے کر 40 سال کی عمر تک تو کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ نماز، نہ زکوٰۃ، نہ روزہ، نہ حج ۔۔۔یہی وجہ ہے کہ اکثر میلادی نہ نماز کا، نہ روزے کا، نہ کچھ اور کا۔۔۔بس صرف آپ ﷺ کا میلاد کیا، کچھ گایا، کھایا پیا اور فارغ ہوئے۔ ایسے ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟۔۔۔ یقیناً ایسے ہی ہوتا ہے۔

اور جب یہ شروع ہوگا آپ ﷺ کا وقت رسول اللہ ہونے کا پھر پتہ چلے گا کہ اللہ کے جب احکام آئے تو رسول اللہ ﷺ نماز کیسے پڑھتے تھے:۔۔۔

رسول اللہ ﷺ روزے کیسے رکھتے تھے؟۔۔۔

رسول اللہ ﷺ مسجد میں کیا کرتے تھے؟۔۔۔

رسول اللہ ﷺ نے جہاد کیسے کیا؟۔۔۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ کام کیسے کیا؟۔ وہ کام کیسے کیا؟۔۔۔

پھر ایک ایک بات ایسی ہو گی کہ جس کی آپ کو دعوت ہے کہ آپ نے اتباع کرنی ہے۔

تذکرہ تو بچپن کے حالات کا بھی باعثِ عبادت ہے اِس میں کوئی شک نہیں، میں اِس کا انکار نہیں کر رہا، کہ بچپن کے واقعات بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ بچپن کے واقعات بیان کرنا بھی عبادت اور وہ بھی محبت کا تقاضا ہے لیکن اِس میں نمونہ نہیں۔ نمونہ رسول اللہ ﷺ میں ہے، اور رسول اللہ ﷺ ہونے کی عمر 40 چالیس سال کے بعد شروع ہوئی ہے۔

تعریفِ محمد ﷺ میں مبالغہ کی ممانعت

پھر خاص طور پر حضور ﷺ کی سیرت جب بھی بیان کی جائے تو ایسی غیر مستند کتابیں جن کے اندر مبالغہ آمیزی حد سے زیادہ ہوتی ہے۔ نہ اُنمیں توحید کا خیال اور نہ اُن میں رسالت کا اَدب، اُن کو نہیں پڑھنا چاہیئے۔

تذکرہ کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو صحیح روایات کے تحت کریں، جس سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اور وہاں آپ کے سامنے ایک قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی آئے گا:

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارَی ابْنَ مَرْیَمَ......

میری تعریف میں ایسے مبالغہ نہ کرنا جیسے عیسائیوں نے مریمؑ کے بیٹے کی تعریف میں مبالغہ کیا۔

اِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ۔۔۔میں تو اللہ کا بندہ ہوں،

فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔۔۔اور اُس کا رسول ہوں۔ (بخاری ۴۹۰/۱)

اُنہوں نے مریمؑ کے بیٹے کو عبدیت سے نکال کر خدا تک پہنچا دیا۔۔۔میری طرف کوئی بھی ایسی بات نہ منسوب کرنا، جیسے عیسائیوں نے اپنے رسول کی طرف کی تھی۔

بخاری شریف میں یہ روایت ہے۔ اِس لئے حضور ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے اِس بات کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ آپ کی ذات کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ کی جائے جو خدا کا خاصہ ہے بندے کیلئے اُس کا اثبات مناسب نہیں۔

ایسی تعریف اگر آپ کریں گے تو یہ آپ ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہوگی خوشی کا باعث نہیں ہوگی۔

ان باتوں کی رعایت رکھتے ہوئے آپ کثرت سے حضور ﷺ کا ذکر کریں،

ایک مہینے میں نہیں۔۔۔

ایک دن میں نہیں۔۔۔

ایک ہفتہ میں نہیں۔۔۔

جیسے میں عرض کر رہا ہوں، جہاں اللہ کی یاد۔۔۔ وہاں اللہ کے رسول کی یاد۔۔۔ اِس لئے ہم نہ تاریخ کے پابند۔۔۔نہ مہینے کے پابند۔۔۔ نہ وقت کے پابند۔۔۔ہم جب اللہ کا نام لیتے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ لیتے ہیں۔

ایک تسبیح اگر ہم سبحان اللّٰہ کی پڑھتے ہیں تو ہمیں ہمارے بزرگوں نے تلقین کی ہے کہ ایک تسبیح ساتھ دُرود شریف کی بھی پڑھو۔

تو یہ روز کا معمول ہوگا۔۔۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا تو روز کا معمول ہوتا ہے۔ ہم تو ہر وقت حضور ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔ سال کے بعد صرف ایک دن کی پابندی ہمارے اَکابر کا کوئی معمول نہیں، نہ ہم چھٹی کیا کرتے ہیں اور نہ ہی اِس دن میں کوئی اور خاص عمل کرتے ہیں۔ جس طرح سال کے باقی دن گزرتے ہیں ایسے ہی یہ دن بھی گزاریں گے۔

آخر میں ایک بار پھر وضاحت کر دوں کہ موقع ومحل کی مناسبت سے اپنے اَکابر کا نظریہ ومسلک بتانے کیلئے میں نے یہ بیان کیا ہے۔ ربیع الاوّل کی خصوصیت سے اِس بیان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حالات

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوْا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔(سورہ احزاب ۔آیت ۲۱)
صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علٰی ذالک لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العالمین۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ربیع الاوّل کا مہینہ ختم ہونے کے قریب ہے۔ آج کل یہ رواج بہت شدت اختیار کر گیا ہے کہ اِس مہینے کے شروع ہوتے ہی سیرت کے جلسے کثرت سے ہوتے ہیں، جن میں خاص طور پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ اکثر و بیشتر نعت خوان اور گشتی قسم کے واعظ مروّج طریقے سے کرتے ہیں اور ان مجلسوں کو میلاد کا نام دیا جاتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کی محفلیں ہیں۔

ہمارا مجمع چونکہ خالص طالب علموں کا ہوتا ہے جنہوں نے کل عالم بن کر دنیا میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین جو متواتر ہے، مسلسل ہے، محدثین، فقہاء ، اولیاء اللہ کی وساطت سے چلا آ رہا ہے۔ اُسے پھیلانا ہے اور دنیا تک پہنچانا ہے۔ اِس لئے ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ آپ طالب علموں کے ذہن میں صحیح بات ڈالی جائے اور اہل حق اہل سنت والجماعت کا وہ مسلک جو قرآن و حدیث کی روشنی میں ،فقہاء کے بیان کے تحت ،اولیاء اللہ کے بیان کے تحت ، چلا آ رہا ہے اُس کو آپ خود صحیح طور پر سمجھیں اور سمجھنے کے بعد اُس کی صحیح طور پر اشاعت کریں۔

آپ ﷺ کی ولادت کا وقت

اِس میں کوئی شک نہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاوّل میں ہوئی ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے ۔۔۔اور تقریباً یہ بھی متفق علیہ بات ہے کہ پیر کے دن ہوئی ہے ۔۔۔ یہ بھی صحیح ہے ۔۔۔ اور یہ بھی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر کے دن صبح طلوعِ فجر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اماں جان حضرت آمنہ کے بطن سے اِس عالمِ ظاہر میں نمایاں ہوئے (طلوعِ فجر کے وقت) اور یہ ولادت آپ ﷺ کی مکہ معظّمہ میں ہوئی ۔۔۔ یہ باتیں ثابت ہیں۔

اب وقت کے لحاظ سے ہمارے سامنے تین چیزیں آ گئیں۔ چوبیس گھنٹے کے چکر کے اعتبار سے، یعنی دن رات کے دورانیہ یا چوبیس گھنٹے کے دورانیہ میں آپ کی ولادت کا وقت طلوعِ فجر ہے۔ فجر کے وقت آپ اِس دنیا میں تشریف لائے۔۔۔ اور ہفتہ وار ایام کے اعتبار سے آپ کی ولادت کا دن پیر ہے۔ پیر کے دن آپ اِس دنیا میں تشریف لائے۔۔۔ اور سالانہ دور کے لحاظ سے، مہینوں کے لحاظ سے آپ کی ولادت ربیع الاوّل میں ہے۔ یہ تین وقت ہیں جن کی نسبت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جا سکتی ہے۔

❀ طلوعِ فجر یہ چوبیس گھنٹے میں سے وقت ہے۔۔۔

❀ پیر کا دن یہ ہفتہ یا سات دنوں کے مجموعے میں سے ایک وقت ہے۔۔۔

❀ طلوعِ فجر ہر چوبیس گھنٹے کے بعد ہوتی ہے، پیر کا دن ہر ساتویں روز ہوتا ہے اور ربیع الاوّل ہر سال گیارہ مہینوں کے بعد آتا ہے۔

ایک سوال

میں آپ حضرات کی عقل سے اپیل کرتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی فہم صحیح دی ہے اور آپ اِس بات کو یاد رکھ سکتے ہیں اور سوچ سکتے ہیں تو ان تینوں وقتوں کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟۔۔۔ تینوں وقتوں میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا حقیقی وقت طلوعِ فجر وہ وقت متبرک ہو گیا۔۔۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی یاد آپ نے منانی ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ ہر روز طلوعِ فجر کے وقت آپ ﷺ کی ولادت کی یاد کیوں نہیں مناتے؟۔۔۔

اگر دنوں کا اعتبار کرنا ہے تو دنوں کا اعتبار کرتے ہوئے پیر کے دن آپ ﷺ کی ولادت کا جشن کیوں نہیں مناتے؟۔۔۔

مہینوں کا اعتبار کرنا ہے تو ربیع الاوّل ہے، میں نہیں سمجھ سکا نہ کسی عقلی دلیل

سے، نہ کسی نقلی دلیل سے۔۔۔ نہ کسی حدیث سے۔۔۔ نہ فقہ کی روایت سے۔۔۔ کہ مہینے کی خصوصیت ہو گئی۔۔۔ لیکن نہ کسی دن کی خصوصیت ہے، نہ کسی وقت کی۔۔۔ ان تینوں میں فرق کی وجہ کیا ہے؟۔۔۔ اِس بات کو پھر دہراؤں یا بیٹھ گئی ہے ذہن میں ؟۔۔۔

تقریر میں اصلی مقصد

کیونکہ تقریر کا زور دکھانا مقصود نہیں اور نہ وقت گزارنا مقصود ہے۔ صحیح بات آپ کے دل میں ڈالنی مقصود ہے۔ تو میں آپ کے سامنے یہ سوال رکھتا ہوں اور آپ ہر ملنے والے سے یہ سوال کیجئے کہ:

حضور ﷺ کی ولادت کی نسبت طلوعِ فجر کی طرف بھی ہے۔۔۔

حضور ﷺ کی ولادت کی نسبت پیر کے دن کی طرف بھی ہے۔۔۔

حضور ﷺ کی ولادت کی نسبت ربیع الاوّل کے مہینے کی طرف بھی ہے۔۔۔

تو یہ کون سی آیات کا ترجمہ ہے یا حدیث کا ترجمہ ہے کہ آپ نے سالانہ دور کا اعتبار تو کیا، مہینے کی خصوصیت مان لی۔۔۔ لیکن طلوعِ فجر کی خصوصیت اور پیر کے دن کی خصوصیت نہیں مانی۔۔۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا جشن منانا ہے تو ہر روز طلوعِ فجر کے وقت منایا کرو۔۔۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا جشن منانا ہے تو ہر پیر کو منایا کرو۔۔۔ لیکن نہ پیر کی قدر رہی نہ طلوعِ فجر کی قدر رہی اور جب گیارہ مہینے کے بعد ربیع الاوّل آ گیا تو ولادت منانے کیلئے بیتاب ہو گئے۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟ اور اِس کے لئے کیا خاص دلیل ہے؟ یہ آپ خود سوچیں اور لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ڈالیں اور اِس سوال کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی؟۔۔۔

صحابہ اور تابعین کے دور میں جشنِ میلاد

اِس لئے ہم جب سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں۔۔۔ صحاح ستہ کا مطالعہ کرتے

ہیں۔۔۔ صحیح روایات کو دیکھتے ہیں۔۔۔ فقہ ساری مدوّن ہوگئی اُس کو دیکھتے ہیں۔۔۔ صحابہ کے دور کو دیکھتے ہیں۔۔۔ تابعین کے دور کو دیکھتے ہیں۔۔۔ تبع تابعین کے دور کو دیکھتے ہیں تو

- نہ ہمیں طلوعِ فجر کے وقت کی خصوصیت کا کوئی سراغ ملتا ہے۔۔۔
- نہ پیر کے دن کی خصوصیت کا کوئی سراغ ملتا ہے۔۔۔
- اور نہ مہینہ ربیع الاوّل کی خصوصیت کا سراغ ملتا ہے!!

پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، تینوں کی کوئی خصوصیت نہیں۔ نہ صحابہؓ نے طلوعِ فجر کے وقت کا اہتمام کیا۔۔۔ نہ پیر کے دن کا اہتمام کیا۔۔۔ نہ ربیع الاوّل کا اہتمام کیا۔۔۔ تو اہتمام کس بات کا؟؟

ھاں اہتمام اِس بات کا ضرور کیا کہ مومن جب تک ہوش حواس میں ہے، دن میں ہو۔۔۔ یا رات میں ہو۔۔۔ کوئی دن ہو۔۔۔ کوئی رات ہو۔۔۔ کوئی وقت ہو جب تک اُسے اپنے مؤمن ہونے کا احساس ہے۔۔۔ اُس کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کا احساس بھی ہے اور اُمتی ہونے کے ناطے جہاں وہ اللہ کو یاد کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یاد کرتا ہے۔۔۔ مومن ہو اور اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے۔۔۔ مؤمن ہو اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے غافل ہو جائے۔۔۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے!!!

صحابہؓ اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

آپ ﷺ کی اُمت میں داخل ہونے کے بعد۔۔۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد۔۔۔ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا اِستحضار رہے۔ یہ ہے ایمان کے کامل ہونے کی نشانی۔ ذرا سی توجہ ہوئی زبان پر درود شریف جاری ہو گیا۔ تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ درود بھیجنا شروع کر دیا، تو کیا یہ آپ ﷺ کا تذکرہ نہیں ہے؟۔۔۔

اذان میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو پکارتے ہیں، کیا یہ آپ کا تذکرہ نہیں ہے؟۔۔۔

نماز آپ پڑھتے ہیں تو نماز کس نے سکھائی ہے؟۔۔۔

نماز کا پڑھنا کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ نہیں ہے؟۔۔۔

نماز کے اندر آپ درود شریف نہیں پڑھتے ؟۔۔۔

یہ تو عام مومنین کی بات کرتا ہوں ورنہ طالب علم خاص طور پر حدیث پڑھنے والے طالب علم ۔۔۔صبح اٹھتے ہیں تو قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رسول الله صلى الله عليه وسلم پڑھنا شروع کرتے ہیں اور رات سونے تک اُن کی زبان پر یہ ورد جاری رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے یوں کیا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ کہا۔۔۔

صبح سے شام تک یہ تذکرے جاری رہتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے میں سوائے نیند اور اپنی ضروریات کے ہر وقت طالب علم کے ہاتھ میں حدیث کی کتاب رہتی ہے۔۔ اور جب اُس کو پڑھتا ہے اور باقی سنتے ہیں، اُستاذ پڑھتا ہے طالب علم سنتے ہیں۔۔۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال رسول الله صلى الله ۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے یہ کیا، صبح سے شام تک مدرسے میں، درسگاہوں میں، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گونجتا نہیں ہے؟۔۔۔ کیا خیال ہے آپ کا؟۔۔۔

جن کی ہر درسگاہ میں صبح تا شام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام گونجتا ہے۔ ۔۔جو آپ ﷺ کا تذکرہ چوبیس گھنٹوں میں سے کم از کم دس گھنٹے ہر روز کرتے ہوں۔۔۔انہیں کیا ضرورت ہے کہ مہینے کی خصوصیت کی رعایت رکھیں؟۔۔۔ یا دن کی خصوصیت کی رعایت رکھیں؟۔۔۔ہم تو ہر روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر گھنٹوں کرتے ہیں۔۔۔جس مجلس میں بیٹھتے ہیں آپ کے نام کا تذکرہ ہے۔۔۔آپ کے احکام کا تذکرہ ۔۔۔ آپ کے کاموں کا تذکرہ۔۔۔ آپ کے اقوال کا تذکرہ ۔۔۔تو

جنہوں نے ہر وقت یاد کرنا ہو اُن کو۔۔۔

کیا ضرورت ہے کسی دن کی خصوصیت رکھیں؟۔۔۔

کیا ضرورت ہے کہ کسی تاریخ کی خصوصیت رکھیں؟۔۔۔

کیا ضرورت ہے کسی مہینے کی خصوصیت رکھیں؟۔۔۔

یہی طرز تھا صحابہؓ کا۔۔۔

یہی طرز تھا تابعین کا۔۔۔

یہی طرز تھا تبع تابعین کا۔۔۔

یہی طرز تھا فقہاء کا۔۔۔

یہی طرز تھا اولیاء اللہ کا۔۔۔

یہ خصوصیتیں جو آج دن بدن باتیں بڑھتی جا رہی ہیں، کیوں بڑھتی جا رہی ہیں؟۔۔۔ اِسلئے کہ ہمارا ذوق جاہلیت کا بنتا جا رہا ہے۔ برسیاں اور سالگرہ منانے کا ذوق نری جہالت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے کیلئے وقت کی تعین

سالگرہ منانا۔۔۔ بچے کی پیدائش پر سال کے بعد خوشی کی تقریب کو سالگرہ کہتے ہیں۔۔۔ جس پر سالگرہ کا کیک کاٹا جاتا ہے۔۔۔ موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔ ناچ گانا ہوتا ہے اور کئی طرح کا ہلّا گلّا کیا جاتا ہے۔۔۔ اِنہیں پوچھو یہ طریقہ تمہیں اللہ نے بتایا؟۔۔۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا؟۔۔۔ صحابہؓ نے بتایا؟۔۔۔ تابعین نے بتایا؟۔۔۔ فقہاء نے بتایا؟۔

تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہو، امریکی و افریقی عیسائیوں کی اولاد نہیں ہو جو تم سالگرہ کے موقع پر کیک کاٹ کر اور موم بتیاں روشن کر کے اپنی سالگرہ مناتے ہو۔۔۔ یہ عیسائیوں کا طریقہ ہو سکتا ہے۔۔۔ یہودیوں کا طریقہ ہو سکتا ہے۔۔۔ مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے!!!

سال بعد بچے کی ولادت کا دن آ گیا تو سال گرہ منا لو۔۔بوڑھوں کو مرے پورا سال ہوگیا تو برسی منا لو۔۔کسی کو مرے تین دن ہو گئے، تیجا کروا لو۔۔نویں کو کسی مولوی درویش کو بلا کے روٹی دے دو یا بیسویں کو دے دو۔۔ چالیسواں کروالو۔۔۔کوئی دیگ وغیرہ چڑھاؤ اور تقسیم کرو۔اور یہ سمجھو کہ ہم نے اپنے مرنے والے عزیز، باپ دادا کا، یا اپنے بڑے کا حق ادا کر دیا۔یہ سب کیا ہے؟ اور اِس کا میرے آقا ﷺ کے لائے ہوئے دین سے کیا تعلق ہے؟

یہ برسیاں منانا یہ سال گرہیں منانا ہندوؤں کا، سکھوں کا ، یہودیوں کا، عیسائیوں کا طریقہ تو ہوسکتا ہے اِسلام کا طریقہ نہیں ہے۔ اِس لئے ہم نہ کسی کی سالگرہ مناتے ہیں۔۔۔ نہ کسی کی برسی مناتے ہیں۔۔۔جب اللہ تعالیٰ نے ایک خوشی عطا فرما دی وہ خوشی دائم ہے جو کسی وقت ختم نہیں ہوتی۔ رات کو خوشی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔۔۔ دن کو خوشی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔۔۔ ربیع الاوّل میں خوشی ہے۔۔۔ ربیع الثانی میں خوشی ہے۔۔۔محرم میں خوشی ہے۔۔۔صفر میں خوشی ہے۔۔۔!!

یہ سال گرہ ، یہ برسی ، یہ چالیسواں اور یہ میلا د نہ کسی سال کی تاریخ میں آتا ہے۔۔۔ نہ کسی مہینے کی تاریخ میں آتا ہے۔۔۔ نہ کسی دن کے وقت میں آتا ہے۔۔۔ ہر روز جب چاہو سلام بھیجو، درود بھیجو، صلوٰۃ بھیجو، اور روضہ اقدس پہ جا کر سلام پڑھو جواب آئے گا، فرشتوں کی لائن لگ جائے گی، اللہ کی طرف سے رحمت برسے گی۔۔۔ !! یہ ہے صحیح طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنے کا۔ ورنہ جلسے جلوس کرنے ، نظمیں گانے اور عشقیہ شعر پڑھنے سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیں۔۔۔ یہ بہت مشکل ہے!!!

ایک مثال

اِس پر میں صرف آپ کو ایک واقعہ سنا دیتا ہوں۔ فارسی کے ایک شاعر تھے مرزا بیدل، اس کا تخلص تھا آغا۔اُنہیں آغا کہتے تھے یا مرزا بے دل کہتے تھے۔ بہت

ہی عاشقانہ اور پیاری پیاری نظمیں کہتے تھے۔ اُن کی یہ نظمیں دہلی سے منتقل ہوتی ہوئی دوسرے ملکوں میں چلی جاتیں۔ اِسی طرح غالباً ایران میں اُن کی کچھ نعتیں پہنچ گئیں جو بہت عاشقانہ تھیں، بڑی محبت کا اظہار تھا اُن میں، لوگ جھوم جھوم کے پڑھتے تھے۔

وہاں سے ایک شخص کے دل میں خیال آیا کہ جو شخص اتنی عاشقانہ نعتیں کہتا ہے وہ یقیناً بہت بڑا بزرگ ہوگا، مجھے اِس کی زیارت کرنی چاہیئے۔ چنانچہ وہ وہاں سے چلا اور سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچ گیا۔۔ پوچھتے پوچھتے اس نے آغا کو پالیا، جو ایک حجام کی دکان پر بیٹھے حجامت کرا رہے تھے، اور حجام عرف میں نائی کو کہتے ہیں۔ جس کا معنی ہے پچھنے لگانے والا، اور چونکہ یہ حجام بھی پہلے پچھنے لگاتے تھے، اِس لئے ان کو حجام کہتے ہیں۔ ایرانی زائر نے دیکھا کہ آغا صاحب داڑھی منڈوا رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میں جس کی نظمیں سن کر اور پڑھ کر یہ سمجھا تھا کہ وہ بہت بڑا بزرگ اور عاشق رسول ہوگا۔ یہ بیٹھا داڑھی منڈوا رہا ہے۔ اسی حیرانگی کے عالم میں کہنے لگا۔
''آغا ریش مے تراشی''؟ یہ فارسی کا مصرعہ ہے،

''آغا ریش مے تراشی''

آغا داڑھی منڈوا رہے ہیں؟ تو آغا صاحب نے آگے سے وہی جواب دیا جو آج کل کے لوگ دیتے ہیں۔

بلے ریش مے تراشم
لیکن دِلے کسے نمے خراشم

آغا بے دل کے دل پر اثر

میری عادت ہے کہ میں ڈاڑھی تو منڈواتا ہوں لیکن میں کسی کے دل کو تکلیف نہیں دیتا۔ کسی کے دل کو خراش نہیں دیتا۔ اِس پر وہ شخص جو اتنا سفر کر کے تھکا ماندہ آیا تھا، کہنے لگا:

آغا نمے دانی دِلے رسول اللہ ﷺ مے خراشی

آغا تجھے اتنا پتہ نہیں کہ جب تو ڈاڑھی منڈواتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو کتنی تکلیف پہنچاتا ہے۔ آپ ﷺ کی سنت اور شکل تجھے پسند نہیں اور برسرِ بازار بیٹھ کر تو اسے ذبح کرواتا ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تیرا عمل پیش ہوتا ہو گا تو آپ ﷺ کو تکلیف نہیں ہوتی ہو گی؟ کہتے ہیں کہ اُس ایرانی کی یہ بات ایسی اثر انداز ہوئی کہ آغا نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔۔ جب ہوش میں آیا تو کہتا ہے:

جزاک اللہ! کہ چشمِ باز کر دی

اللہ تجھے اچھی جزا دے، اچھا بدلہ دے کہ تو نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔ میں تو اس بات کو سمجھتا ہی نہیں تھا کہ داڑھی منڈانے سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوتی ہو گی۔

جزاک اللہ! کہ چشمِ باز کر دی

نبی اسے محبت کا انوکھا انداز

اب اِس سے اندازہ کیجئے کہ ہوں تو عاشق ۔۔ جھوم جھوم کے عشقیہ نظمیں پڑھنے والے۔۔ اور پھر نظمیں پڑھنے کے لئے، تازہ بتازہ شعر کہلوانے والے۔۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے تارک۔ آپ ﷺ کے طریقوں کے مخالف۔۔ تو کیا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی نظمیں پڑھنے سے اتنی راحت ہو گی جتنی سنت کے خلاف عمل کرنے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو برسرِ بازار ذبح کروانے سے آپ ﷺ کو تکلیف ہو گی؟۔۔

تمہاری نظمیں پڑھنے سے کیا راحت پہنچے گی؟ اِس لئے یہ کوئی عاشقانہ انداز نہیں، عاشقانہ انداز یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو اپنانے کی کوشش کریں، ویسا بننے کی کوشش کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے ذاتی حالات

اللہ کہتا ہے کہ اللہ کا رسول نمونہ بن کے آیا ہے۔ نمونہ اُس کو کہتے ہیں جس کو

دیکھ کر آدمی اپنے آپ کو ویسا ہی بناتا چلا جائے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت پیدا ہوئے، ٹھیک ہے۔۔۔

کیا آپ میں یہ طاقت اور ہمت ہے کہ آپ بھی فجر کے وقت پیدا ہو جائیں؟

کیا کسی بچے سے ممکن ہے کہ فجر کے وقت پیدا ہو جائے؟۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے تو کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ تم بھی پیر کے دن پیدا ہو جاؤ۔۔۔ یا تم کوشش کرو کہ تمہارے گھر کوئی بچہ پیر کے دن پیدا ہو جائے؟۔۔۔ ہوسکتا ہے؟۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے تو کیا تم میں سے کوئی ربیع الاوّل میں پیدا ہوسکتا ہے؟ یا تمہارے گھر میں کوئی بچہ ربیع الاوّل میں پیدا ہو جائے تم کوشش کرو، ہوسکتا ہے؟۔۔۔

یہ چیزیں نمونہ نہیں ہیں۔ یہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات ہیں۔ آپ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ آپ کے لئے نمونہ نہیں کیونکہ یہ چیزیں نہ آپ کے اختیار میں ہیں نہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں۔۔۔ آپ ﷺ مکے میں پیدا ہو گئے ہمارے بس میں نہیں کہ ہم مکے میں پیدا ہو جائیں۔۔۔ ہمارے بس میں نہیں ہے کہ بچہ مکے میں پیدا ہو جائے۔۔۔ یہ حالات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں۔ نہ آپ کے اختیاری تھے نہ ہم اِن کو اپنا سکتے ہیں۔

بھائی کی نشانی

ہم کس چیز کو اپنا سکتے ہیں؟۔۔۔ ہم اپنا سکتے ہیں اُن حالات کو جو اختیاری ہیں۔ اب دیکھو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تھے، تو مکے کی آبادی کو، آپ ﷺ کے رشتہ داروں کو، آپ کے خاندان کو کوئی پتہ نہیں تھا کہ آپ بڑے ہو کر کیا بننے والے ہیں۔ کسی کو پتہ نہیں تھا۔ اُس وقت آپ ﷺ محمد بن عبداللہ تھے اور عبدالمطلب کے پوتے تھے۔ جو آپ کو پہچانتا تھا اِسی عنوان سے پہچانتا تھا کہ عبداللہ کے

بیٹے ہیں اور عبدالمطلب کے پوتے ہیں اور چونکہ عبداللہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے اِس لئے جب آپ پیدا ہوئے تو تمام خاندان والوں کی شفقت کی نگاہ اٹھی، آپ کے چچوں نے بھی خوشی منائی کہ ہمارے فوت شدہ بھائی کے گھر بیٹا پیدا ہو گیا، گویا کہ یہ بیٹا ہمارے بھائی کی نشانی ہے۔

ثویبہ کی آزادی

پتہ نہیں آپ نے سنا ہو گا یا نہیں سنا، اگر نہیں سنا تو اب سن لیجئے، آپ ﷺ کی ولادت کی خبر جب آپ کے چچا ابولہب کو پہنچی، ابولہب آپ کا حقیقی چچا اور عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے اور عبداللہ سب سے چھوٹے تھے اور بہت ہی چھوٹی عمر میں وفات پا گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر صرف 18 برس تھی۔۔

جب ابولہب کو اطلاع ملی کہ اُس کے چھوٹے بھائی عبداللہ مرحوم کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے تو خوشی سے اُچھل پڑا۔ اور جس باندی نے یہ اطلاع دی تھی اُسے اُسی وقت آزاد کر دیا۔ اُس کا نام ثویبہ تھا (بخاری ۲/۷۶۴)۔ دیکھا آپ نے کہ ابولہب نے بھتیجے کی خوشی مناتے ہوئے اطلاع دینے والی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ گویا ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرتے ہوئے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

یہ کس کی خوشی ہے؟۔۔۔ جس کو وہ سمجھتے تھے یہ محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ خوشی کس کی ہے؟۔۔۔ محمد بن عبداللہ کی! لیکن 40 سال کے بعد جب یہی محمد بن عبداللہ محمد رّسول اللہ بن کے سامنے آیا۔۔۔ تو آپ کو معلوم ہے سب سے پہلا پتھر کس نے مارا تھا۔؟

سب سے پہلا پتھر ابولہب نے مارا تھا؟!

محمد بن عبداللہ کی آمد پر سب سے پہلے خوشی منانے والا ابولہب!! اور خوشی میں ثویبہ کو آزاد کرنے والا ابولہب۔ لیکن محمد رّسول اللہ کی آمد پر سب سے پہلا پتھر

مارنے والا بھی ابولہب!!

جشنِ ولادت پر عجیب اِستدلال

اب میں آپ کو ایک اور بات بتا تا ہوں جو یاد رکھنے کی ہے۔۔۔لوگ یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ چونکہ ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو اپنے ہاتھ کے اشارے سے آزاد کر دیا تھا۔حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کی برکت سے اُسے جہنم میں اپنے اُس ہاتھ کی اُنگلی اور انگوٹھے کے درمیان سے کچھ پانی پینے کو مل جاتا ہے۔ اِس سے یہ جہلاء اِستدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی کرنا چاہیئے۔ دیکھو ابولہب نے خوشی کی تھی، اِس کو جہنم میں پینے کے لئے کچھ نہ کچھ پانی مل جاتا ہے۔

ابولہب کے جہنم میں اپنے ہاتھ سے چوسکہ لینے کا ذکر بخاری شریف میں ہے، یہ عام روایت نہیں صحیح بخاری میں یہ بات موجود ہے۔روایت یوں ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ابولہب کے خاندان میں سے کسی نے ابولہب کو خواب میں دیکھا۔۔۔اور بہت ہی بری حالت میں دیکھا۔۔۔یہ ترجمہ کر رہا ہوں اُس عبارت کا جو صحیح بخاری میں ہے۔۔۔ابولہب کے خاندان میں سے کسی نے ابولہب کو خواب میں دیکھا اور بہت ہی برے حال میں دیکھا۔ پوچھا ابولہب کیا حال ہے؟۔۔۔ ابولہب نے کہا تم سے جدا ہونے کے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی۔۔۔میں عذاب اور تکلیف میں ہوں، البتہ کبھی کبھی مجھے ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے یہاں کسی طریقے سے پانی مل جاتا ہے(بخاری ۲/۷۶۴)۔۔۔ یہ ابولہب کے خاندان میں سے کسی نے خواب میں دیکھا۔ ابولہب نے خواب میں بتایا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اِس کو خواب ہی کا عنوان دیا ہے۔۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خواب کو نقل کر کے ثبوت دینا چاہتے ہیں کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُرضعات کا تذکرہ کر

رہے ہیں کہ آپ کو دودھ کس کس نے پلایا؟۔۔۔اُن میں ثویبہ کا ذکر بھی آتا ہے لہٰذا یہ بتانے کے لیے کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی اِس خواب کا تذکرہ انہوں نے کیا ہے۔ کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی۔۔ اِسلئے آپ نے یہ روایت نقل کی ہے

باقی رہا اِس خواب سے یہ ثابت کرنا کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ابولہب کو جہنم میں کچھ راحت ملتی ہے۔سراسر غلط اور بیہودہ بات ہے۔کیونکہ یہ کسی مشرک کا دیکھا ہوا خواب ہے۔ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ کسی حدیث سے، بلکہ قرآن میں تو اِس کے خلاف آیا ہے کہ کافر اور مشرک کی کوئی نیکی قابل قبول نہیں اور نہ ہی اُس کی کوئی نیکی آخرت میں اُسے کوئی فائدہ دے گی۔۔

کافروں کے نیک اعمال کا نتیجہ

آپ ذہن میں لایئے۔۔۔قرآن کریم کی کتنی آیات ہیں جو کافروں کے نیک اعمال کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ طالب علم اِس بات کو سمجھ رہے ہیں؟ ''اُولٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ'' اِس قسم کی کتنی آیات ہیں کہ اُن کے اعمال حبط ہو گئے، اُن کی نیکیاں اور اعمال راکھ کی طرح ہو کر اڑا دیئے جائیں گے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔

وہ ایسے گرد کی طرح اڑ جائیں گے نیک اعمال کے ساتھ ان کو کوئی جزا آخرت میں نہیں ملے گی، کیونکہ کسی نیک عمل کے قبول ہونے کے لئے با ایمان ہونا شرط ہے اور جو شخص با ایمان نہ ہو اِس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں کوئی بدلہ دے تو دے، آخرت میں اِس کی کسی نیکی پر کوئی بدلہ نہیں ملے گا۔

کوئی کافر کفر کی بناء پر جہنم میں چلا جائے اور وہاں اس کو نیکی کی بناء پر ٹھنڈا پانی مل جائے پینے کے لئے۔۔۔کوئی کافر کفر کی بناء پر جہنم میں چلا جائے اور وہاں اس کو نیکی کی بناء پر کھانے کیلیئے کوئی پھل مل جائیں۔۔۔ اور کوئی کافر کفر کی بناء پر جہنم میں چلا جائے اور وہاں اس کو نیکی کی بناء پر راحت مل جائے۔۔۔ یہ قرآن کریم کی

بیسیوں آیتوں کے خلاف ہے۔

اِس لئے یہ کہنا کہ ابولہب کو ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے جہنم میں پینے کیلئے کچھ پانی مل جاتا ہے، صراحتاً غلط ہے اور قرآن کریم کی بیسیوں آیات کے خلاف ہے اور کسی مشرک کے دیکھے ہوئے خواب سے یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی۔۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صرف اِس لئے ذکر کیا ہے کہ اس میں ثویبہ کی آزادی کا ذکر ہے، اور یہ کہ واقعتہً ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی اور ابولہب نے ہی اُسے آزاد کیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثویبہ کو ابولہب کی لونڈی ثابت کرنے کے لئے اِس خواب کا تذکرہ کیا ہے، آخرت کا ثواب ثابت کرنے کے لئے نہیں کیا، ورنہ یہ قرآن کریم کی آیات کے خلاف جاتا ہے۔ اِس لئے یہ بات کبھی ذہن میں نہ لانا کہ ابولہب نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں لونڈی کو آزاد کیا تھا لہٰذا ابولہب کو جہنم میں پانی کا کوئی گھونٹ مل جاتا ہے۔ اِس سے قرآن کا انکار لازم آتا ہے جو کفر ہے۔ مسئلہ سمجھ گئے؟

پھر میں کہتا ہوں کافر کی کسی نیکی کا اعتبار نہیں، اگر دنیا میں اس نے بیسیوں نیکیاں کی ہیں، یتیم پالے ہیں۔۔۔ مسکینوں کو کپڑے پہنائے ہیں۔۔۔ جو کچھ کیا ہے۔۔۔ کافر کے سب کے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ کافر کو اس کے نیک اعمال کی وجہ سے آخرت میں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔۔۔ یہ کہنا کہ کافر جہنم میں چلا جائے کفر کی بناء پر۔۔۔ اور نیکیوں کی بناء پر اس کو سال میں کبھی ایک آدھ دفعہ دودھ کا گلاس مل جاتا ہے۔۔۔ یا ہفتہ وار اس کو پانی کا گھونٹ مل جاتا ہے۔۔۔ یا اس کو کھانے کی کوئی چیز مل جاتی ہے۔۔۔ یہ بات قرآن کے خلاف ہے۔

قیامت کے دن جہنمیوں کی پکار

قرآن کریم میں سورۃ اعراف میں ہے کہ جہنمی جنتیوں کو آواز دیں گے،

اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ......

''او! ہم پر کچھ پانی ہی ڈال دو''

اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ (سورہ اعراف۔آیت) ......

''یا اللہ کے رزق میں سے ہی کچھ ہماری طرف پھینک دو''۔۔۔

جہنمی چیخیں ماریں گے اور آواز دیں گے۔قرآن کہتا ہے کہ جنتیوں کی طرف سے جواب ملے گا، نہ تم پہ کوئی پانی کا چھینٹا مارا جا سکتا ہے نہ تمہیں کوئی رزق دیا جا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں مشرکوں پر، کافروں پر حرام کر دی ہیں۔

ابولہب کی بدنصیبی

ارے بات سمجھے؟ اِس لیے یہ بات قطعاً زبان پہ لانے کی نہیں اور قطعاً تسلیم کرنے کی نہیں۔ میں صرف آپ حضرات کے سامنے نقل کر رہا ہوں کہ محمد بن عبداللہ کی آمد کی خوشی تو مشرک بھی مناتا ہے، اس کو اس بات پر کیا اعتراض ہے کہ عبداللہ کے گھر بچہ پیدا ہو گیا؟۔۔۔کس شان والا پیدا ہوا؟۔۔۔ یہ کسی کو پتہ نہیں ہے!! یہ صرف عبداللہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے خوش ہے۔

لیکن یہی محمد بن عبداللہ جب محمد رّسول اللہ بن کے آئے تو سب سے پہلے پتھر مارنے والا بھی یہی ابولہب تھا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے دیگر کفار مشرکین جنہوں نے آپ کو تکلیفیں پہنچائیں۔۔۔جنہوں نے آپ کو دکھ پہنچائے۔۔۔ جنہوں نے آپ کو پتھر مارے۔۔۔اُن میں سے نام لے کر اگر قرآن نے کسی کی برائی بیان کی ہے تو وہ یہی بدنصیب ابولہب ہے۔جس بد بخت کا نام لے کر قرآن مجید میں برائی کی گئی ہے۔پوری سورت اِس بارے میں اُتری،جس میں اُس کا اور اُس کی بیوی کا ذکر ہے۔ ''تبت یدآ ابی لھبٍ وَّتَبَّ'' اور آگے اس کی بیوی کا ذکر ہے۔

تو ولادت پر خوشی منائی لیکن ایمان نہ لایا۔۔۔

ولادت پر خوشی منائی اور سرورِ کائنات ﷺ کی اطاعت نہ کی۔۔۔

محمد بن عبداللہ کو مانا، اٹھا کے سینے سے بھی لگایا، چوما بھی ہو گا لیکن محمد رّسول

اللہ ﷺ کو نہیں مانا۔۔۔

آپ ﷺ کی ولادت کی خوشیاں اُس کے کسی کام نہ آئیں، بلکہ وہ جہنم میں بھی برباد ہوگا۔ اِس لئے جو چیز نجات دلانے والی ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہے اور محمد رسول اللہ کے حالات کو جاننے کے بعد اس کی اتباع کے اندر نجات ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے مکہ کے حالات

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، اب میں آپ کو وہ بات بتاتا ہوں جسے یاد کرنے کے بعد اُس کی نقل اتارنی چاہیئے، اُس کی پیروی کرنی چاہیئے، کمال اِس میں ہے۔ آپ جب مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے تھے اُس وقت وہاں کے حالات کیا تھے؟ کن حالات میں آپ پیدا ہوئے؟۔۔۔ قرآن کریم نے اِس بات کو دو لفظوں میں ادا کیا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً ......(سورہ آل عمران۔آیت ۱۰۳)

یاد کرو کہ تم سب آپس میں دشمن تھے۔۔۔ آپس میں لڑنا بھڑنا۔۔۔ قبائلی لڑائی۔۔۔ لوٹ مار۔۔۔ سب کچھ تھا "اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً"...... اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد:

فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا......

اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل جوڑ دیئے۔۔۔ تم سب آپس میں بھائی بن گئے، اور "اذ کنتم اعدآءً" سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے آپس میں لڑائیاں تھیں۔۔۔ اور دوسرا فرمایا:

وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ......

تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پہ کھڑے تھے، اِدھر مرے اور اُدھر جہنم میں گرے، مذہبی حالت تمہاری یہ تھی کہ کفر میں مبتلا تھے۔۔۔ شرک میں مبتلا تھے۔۔۔ اللہ کے دربار کو چھوڑ کر بتوں کے سامنے جھکتے تھے۔۔۔ ہر کام کے لئے بت علیحدہ بنا لیا

تھا۔۔۔

بیٹا لینا ہے تو اس کو سجدہ کرو۔۔۔

بارش لینی ہے تو فلاں جگہ جا کے ہاتھ پھیلاؤ۔۔۔

رزق لینا ہے تو فلاں جگہ چلے جاؤ۔۔۔

بیماری سے شفا لینی ہے تو فلاں جگہ چلے جاؤ۔۔۔

جگہ جگہ دھکے کھاتے پھرتے تھے۔ اگر چھوٹا ہوا تھا تو اللہ کا دربار چھوٹا ہوا تھا۔ یہ مذہبی فساد تھا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ہر جگہ دھکے کھاتے پھرتے تھے اور یہ اپنے سے بدعقیدگی اور بدعملی کی بناء پر ایسا تھا جیسے جہنم کے کنارے پر کھڑے ہیں۔

فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا......

اللہ تعالیٰ نے اِس اپنے رسول ﷺ کے ذریعے تمہیں جہنم سے بچایا۔ دو باتیں، ایک آپس میں عداوت اور ایک مذہبی طور پر ایسی حالت ہے کہ مرے اور جہنم میں گئے۔ یہ کیفیت تھی ۔۔اُس وقت تم بچیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے....خون ریزی تمہارا عام پیشہ تھا۔۔۔لوٹ مار پہ گزارا تھا۔۔۔کسی کے مالی حقوق کی پرواہ نہ تھی۔۔۔ اتنے غلط ماحول میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

حضور ﷺ کے اندر نبوت سے قبل دو صفتیں

پیدا ہونے کے بعد آپ کی کوئی تربیت کرنے والا نہیں تھا۔ باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔۔۔ماں کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔۔۔کچھ دنوں بعد دادا بھی سر سے اُٹھ گیا۔۔۔لیکن اِس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی پاکیزہ زندگی گزاری، کہ یہ کافر اور مشرک جو خود اِن غلطیوں کے اندر مبتلا تھے۔۔۔اِنہی کی زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو الصادق اور الامین کہلوایا، سچے اور امانت دار! یہ دو صفتیں آپ ﷺ کے اندر نمایاں تھیں۔ آپ ﷺ باوجود غلط ماحول میں پیدا ہونے کے اپنے دامن کو بچاتے رہے آج ہم اگر کسی کو کہتے ہیں کہ بھائی فلاں غلطی نہ کرو چھوڑ دو، کہتے ہیں کہ کیا کریں

جی ماحول کی مجبوری ہے۔ ارے سمجھ رہے ہو یہ بات؟۔۔۔

ہم بہت سے کام غلط کرتے ہیں۔ لیکن جب ہمیں کہا جائے کہ فلاں کام نہ کرو۔ مرنے پر ایسی رسمیں نہ کرو۔۔۔ بیاہ میں فضول خرچیاں نہ کرو۔۔۔ کہتے ہیں کیا کریں جی ماحول کی مجبوری ہے۔۔۔ برادری کی مجبوری ہے۔۔۔ نہیں کریں گے تو یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا۔۔۔ آج ہم مجبوریوں کی بناء پر بہت سی رسموں میں مبتلا ہیں۔

برادری کی مجبوریوں پر ہم بہت سی رسمیں کرتے ہیں لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اِس سے بھی زیادہ گندے ماحول میں پیدا ہوئے اور اِس سے بھی زیادہ بگڑے ہوئے ماحول میں وقت گزارا، لیکن ماحول کی مجبوری سے آپ نے کوئی بھی ایسا کام نہیں کیا جسے آپ ﷺ نے رسول بننے کے بعد منع کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کام اپنی زندگی میں کرنے نہیں دیے، آپ ﷺ نے بڑی پاکیزہ زندگی گزاری۔ آپ ﷺ اُس زمانے میں صدق اور امانت کا نمونہ تھے جب آپ پر وحی آنی شروع نہیں ہوئی تھی۔۔۔

پیغمبر ﷺ کی پہلی شادی

اور پھر خوبی کی بات آپ کو معلوم ہے کہ 25 سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی۔۔۔ 25 سال کی عمر ہے اور شادی کی حضرت خدیجہؓ سے، جو پہلے دو شوہروں سے بیوہ ہو چکی تھیں اور اُن کی عمر 40 سال تھی۔۔۔ اور تقریباً 52 سال کی عمر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی ایک عورت سے گزارا کیا جو بیوہ تھی، گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 25 سے 52 تک یعنی 27 سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزارے ہیں۔۔۔

شادی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم چچا کے گھر سے اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کے گھر منتقل ہو گئے تھے۔ اَب وہی حضور ﷺ کا گھر تھا۔ آپ کا یہ گھر مکہ معظّمہ میں حرم شریف کے قریب تھا۔ ابھی چند سال پہلے تک اِس مکان کی جگہ معلوم تھی۔ وہاں عمارت

بنی ہوئی تھی جس میں مدرسہ تھا۔ وہ مکان میں نے دیکھا ہے جہاں حضرت خدیجہؓ کا گھر تھا، حضور ﷺ وہاں منتقل ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ مالدار تھیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی بھی کفالت کرتی تھیں۔۔ اَب سعودی حکومت نے حضرت خدیجہؓ کا گھر صاف کر دیا ہے۔

ایک دلچسپ لطیفہ

اور آپ جانتے ہیں کہ بیوی اپنے خاوند کی جلد معتقد نہیں ہوا کرتی۔ ساری دنیا معتقد ہو جائے۔ بیوی اپنے خاوند میں کوئی نہ کوئی نقص نکال ہی دیتی ہے۔

ایک لطیفہ آپ نے سنا ہوگا، ایک بزرگ تھے۔ جن کی بیوی اُن کی معتقد نہیں تھی۔ ہر وقت بُرائی کرتی تھی ،تو ایسا ہے ۔۔۔تُو ایسا ہے۔۔۔ ساری دنیا معتقد لیکن بیوی معتقد نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ بیوی ایک مجلس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ تو وہ بزرگ صرف اُسے دکھانے کے لئے ہوا میں اُڑتے ہوئے گزرے جنہیں سب عورتوں نے دیکھا کہ انسان اُڑا جا رہا ہے۔ کتابوں میں یہ واقعہ سمجھانے کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔۔۔ یا کوئی حقیقی واقعہ ہے، اللہ بہتر جانے! بہر حال وعظ کی کتابوں میں اِس کا ذکر موجود ہے۔ تمام عورتیں حیران ہو کے دیکھ رہی ہیں کہ دیکھو انسان فضاء میں اُڑا جا رہا ہے۔۔ جب وہ بزرگ گھر آئے تو بیوی کہنے لگی ۔تُو بھی بزرگ بنا پھرتا ہے، بزرگ تو ہم نے آج دیکھا ہے کہ وہ ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ بزرگ نے پوچھا، وہ بہت بڑا بزرگ تھا جو ہوا میں اڑا جا رہا تھا؟۔۔۔ تو نے غور نہیں کیا کہ کون تھا؟ وہ کہتی ہے غور تو نہیں کیا۔ کہنے لگا ،وہ میں ہی تو تھا۔ بیوی کہنے لگی۔ اچھا! تب ہی میں کہوں کہ سیدھا اُڑا ہی نہیں جاتا اِس سے۔ وہ تم تھے جو ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے؟۔ یعنی اپنا خاوند ہونے کی حیثیت سے پھر بھی نقص نکال ہی دیا۔

تو بیوی کسی کی معتقد ہو اور اس کو بزرگ مانے یہ ایک ولی کے لئے بہت بڑی کرامت ہے اور نبی کے لئے بہت بڑا معجزہ ہے ۔ لیکن آپ سب کو معلوم ہے جب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی تو سب سے پہلے آ کر اپنی بیوی کے سامنے اس کا تذکرہ کیا۔۔۔ اور سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ کی بیوی تھی جو آپ کو تسلی دیتی ہے۔۔۔ اور آپکی ہمت بڑھاتی ہے کہ:

آپ تو ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔۔۔

رشتے داروں کے حقوق کا خیال کرتے ہیں۔۔۔

آپ تو لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔۔۔

آپ تو مہمان نوازی کرتے ہیں۔۔۔

آپ تو فقیر اور بے کس لوگوں کو کما کما کر کھلاتے ہیں۔۔۔

آپ تو اللہ کی طرف سے کوئی آفت اور مصیبت آ جائے تو لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔۔۔!!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات شمار کر کر کے یہ تسلی دیتی ہیں۔۔۔ تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ بہت بڑا ثبوت ہے بے عیب زندگی پر کہ آپ کی بیوی اتنی معتقد تھی جتنا کہ زیادہ سے زیادہ کوئی معتقد ہو سکتا ہے۔ تو آپ کی بیوی کی شہادت یہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبوت سے پہلے کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی امانت کے ساتھ گزارا تھا۔۔۔ کیسی پاکدامنی کے ساتھ گزارا تھا۔۔۔ کس طرح سے انسانی ہمدردی کے ساتھ گزارا تھا۔۔۔

محمد بن عبداللہ ﷺ کے متعلق ضروری باتیں

اگر آپ نے ولادت کا تذکرہ کرنا ہی ہے اور محمد رسول اللہ سے پہلے محمد بن عبداللہ کا تذکرہ کرنا ہی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر کرو، عوام کو بتلاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مخالف ماحول میں رہتے ہوئے بھی کس طرح پاکدامنی کو لازم پکڑا۔۔۔ اُس جھوٹے ماحول میں رہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح صادق الامین بنے۔۔۔ اُس خیانت سے بھرے ہوئے ماحول میں جہاں لوگ ایک

دوسرے کی جان اور مال میں خیانتیں کرتے تھے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح صداقت اور امانت کی رعایت رکھی ۔۔۔ یہ باتیں لوگوں کو بتاؤ تاکہ اِس بگڑی ہوئی قوم کے اندر جب یہ صفات آئیں تو اِن کے حالات بھی سدھر جائیں۔

آج ہماری وہی کیفیت ہے "کُنْتُمْ اَعْدَآءً" والی، کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور آج ہم بھی اپنی بداعمالیوں کی بناء پر اُسی کیفیت سے دوچار ہیں کہ ہم جہنم کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ نہ ہمارے پاس عمل ہے نہ ہمارے پاس قول ہے۔ صدقِ مقال نہیں ۔۔۔ اَکلِ حلال نہیں ۔۔۔ کوئی عملی کردار نہیں۔

صبح سے شام تک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں ۔۔۔ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ ۔۔۔ وہ اللہ بہتر جانتے ہیں۔ اِس اُمت میں وہی کیفیت پیدا ہوگئی ہے ۔۔۔ لہٰذا آج ضرورت ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سیرت کے ساتھ اِس اُمت کو سدھارا جائے اس طرح اُمید ہے کہ یہ ایک دوسرے کے دُشمن آپس میں پھر سے بھائی بن جائیں ۔۔۔ اور یہ بدکردار لوگ جنتی اور فرشتہ سیرت بن جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اِس انداز میں بیان کرنا لازم ہے۔

یہ ہے آپ کے بچپن کا تذکرہ جو میں نے آپ کی خدمت میں ذکر کیا اور آئندہ بھی مختلف اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے وہ پہلو جو اِس اُمت کی اصلاح کا باعث ہیں جن سے ہمارا عقیدہ سدھرتا ہے اور ہمارے اعمال سدھرتے ہیں، وقتاً فوقتاً آپ کے سامنے ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

سوال و جواب

سوال: آپ نے فرمایا کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی تو نبی علیہ السلام کے چچا ابوطالب جو ایمان نہیں لائے تھے اُن کو عذاب کم کیوں ہوگا؟

جواب: اِس میں شک نہیں کہ ابی طالب ہوں گے تو جہنم میں لیکن اُن کا عذاب کم ہو گا۔ عذاب کا کم ہونا اور کسی نعمت کا ملنا دو الگ الگ باتیں ہیں۔ ذرا بات سمجھئے! ایک شخص مشرک بھی ہو اور کافر بھی ہو اور دوسرا شخص صرف مشرک ہو کافر نہ ہو، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو۔ یا کافر ہو لیکن پاکدامن ہو کہ زنا نہ کرتا ہو، چوری نہ کرتا ہو، تو یقیناً ان دونوں کے عذاب میں فرق ہو گا لیکن مشرک اور کافر ہونے کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

ماہِ محرم اور اسلامی تقویم

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ۔

فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ :وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِیْ النَّارِ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اِسلامی تقویم کا پہلا مہینہ

معزز طلباء کرام اور عزیز ساتھیو! آپ حضرات کو معلوم ہے کہ یہ محرم کا مہینہ ہے اور اِسلامی تقویم کا پہلا مہینہ ہے۔ آج کل عیسائی تہذیب کچھ اِس طرح دل و دماغ میں رچ بس گئی ہے کہ عربی مدارس میں پڑھنے والے طلباء یا علماء کے علاوہ ملک وقوم کے ننانوے فیصد بلکہ ہزار میں سے نو سو ننانوے لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ اِسلامی ماہ وسال کا آغاز واختتام کب ہوتا ہے۔ وہ اِس بات کو بھول ہی گئے ہیں کہ اِسلامی سال کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے۔

- بازار میں آپ نکل جائیں کسی سے پوچھیں۔۔۔؟
- سکول کے طالب علم سے پوچھیں۔۔۔؟
- کالج کے طالب علم سے پوچھیں۔۔۔؟
- یونیورسٹی والوں سے پوچھیں۔۔۔؟
- عوام سے پوچھیں سب یہی سمجھتے ہیں کہ جنوری سے سال شروع ہوتا ہے اور دسمبر پر ختم ہوجاتا ہے۔۔۔ اِس لئے دسمبر کے آخر میں جہاں عیسائی چھٹی کرتے ہیں وہاں ہمارے سکول وکالج والے بھی چھٹیاں کرتے ہیں۔ اور اِن کو بڑے دنوں سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ بڑے دن ہیں۔

زمانہ الٹی چال چل گیا

یعنی ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' ۔۔۔ یہ محاورہ آپ سنتے رہتے ہیں! زنگی کہتے ہیں حبشی کو اور حبشی ہوتا ہے کالا سیاہ۔۔۔ اور متنبی پڑھنے والے جانتے ہوں گے کہ متنبّی کے ممدوح کا نام کافور تھا۔ اور وہ اصل کے اعتبار سے حبشی تھا ۔۔جبکہ کافور انتہائی سفید ہوتا ہے، اور حبشی ہوتا ہے انتہائی کالا! تو کہتے ہیں کہ ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' ۔۔۔ کہ الٹا زنگی کا نام ہوگیا کافور۔۔۔ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل، یہ بھی اِسی کا

ترجمہ ہے۔

اِسی طرح دسمبر کے یہ دن جو پورے سال میں سب سے چھوٹے ہوتے ہیں اُن کے ہاں کہلاتے ہیں بڑے دن۔۔۔ اِن کو وہ بڑے دن کی چھٹیاں کہتے ہیں۔ ایسے ہی کہتے ہیں نا؟ اگرچہ ہوتے ہیں سب سے چھوٹے دن۔۔۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ اِن کو بڑا سمجھتے ہیں اپنے عقیدے کے مطابق۔۔۔ اور ہم نے بھی اُن کی تقلید میں اِنہیں بڑے دن کہنا شروع کر دیا۔۔۔ اُن کی مراد بڑے دن سے عظمت والے دن ہیں۔ اور عظمت کی وجہ ''وہ'' قرار دیتے ہیں ''ہم'' نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر خوشی

وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن 25 دسمبر ہے۔ اِس لئے وہ اِن دنوں کو بڑے دنوں سے تعبیر کرتے ہیں لہٰذا جب سال کا اختتام ہوتا ہے اور نئے سال کا اِستقبال ہوتا ہے تو وہ خوب خوشیاں مناتے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں وہ شرابیں پیتے ہیں۔۔۔ بدمعاشی کرتے ہیں۔۔۔ عیاشیاں کرتے ہیں۔۔۔ اور خوب ہَلّا گُلّا کرتے ہیں، نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں یہ ثابت نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت دسمبر میں ہوئی ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی صحیح تاریخ

ایک دفعہ بہاولپور میں حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ہفتہ میں ایک دن درس دیا کرتے تھے۔۔۔ اُس دن آپ رحمۃ اللہ علیہ درس میں فرمایا کہ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام دسمبر میں پیدا ہوئے۔۔۔ کہنے لگے کہ ہم اِسلامی تعلیمات کی رُو سے قطعاً اِس بات کی تصدیق نہیں کر سکتے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت دسمبر میں ہوئی ہو۔۔۔ کیونکہ قرآن کریم کی سورۂ مریمؑ میں جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر آیا ہے وہاں یہ بھی ہے کہ حضرت مریمؑ نے جس وقت حضرت عیسیٰ کو جنم دیا ہے تنہائی

میں جا کر، خلوت میں جا کر، کوئی پاس نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حضرت مریم کو بات کہی گئی تھی وہ یہ تھی کہ فکر نہ کر تیرے لئے کھانے پینے کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔

وَهُزِّيْ اِلَيْكِ بِجِزْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا......

اور اِس کھجور کے تنے کو ذرا حرکت دے، تو اوپر سے اچھی اچھی عمدہ کھجوریں گریں گی وہ کھا، (اور پینے کے لئے وہ چشمہ بھی ہم نے جاری کر دیا۔)

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا (سورہ مریم۔ آیت ۲۵)......

کھا پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، اللہ نے تجھے بڑا عظیم الشان بچہ دیا ہے۔

فرمایا: اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس موسم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی وہ ایسا موسم تھا جب کھجور کے درخت پر کھجوریں لگی ہوئی تھیں۔ اور مشرق وسطیٰ میں کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں دسمبر میں درخت پہ کھجوریں لگی ہوئی ہوں۔ دسمبر میں کہیں بھی کھجوروں کا موسم نہیں ہوتا تو ہم کیسے کہہ دیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت دسمبر میں ہوئی۔۔۔ ہمیں تو قرآن کریم سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ کھجوروں کا موسم تھا اور ٹھنڈے پانی کی ضرورت تھی اور ٹھنڈا پانی سردیوں میں دسمبر کے مہینے میں کون پیتا ہے؟

اس لئے یہ ثابت نہیں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت دسمبر میں ہوئی ہو، لیکن ایک بات بن گئی ہے یا بنا دی گئی ہے۔ اِس طرح دسمبر کے چھوٹے دن اُن کے ھاں بڑے دن ہو گئے، اور جس طرح عیسائیوں نے یہ راگ الاپنا شروع کیا اُسی طرح مسلمانوں نے بھی الاپنا شروع کر دیا۔

اِسلامی تاریخ کی تبدیلی

ایسے ہی تاریخ (کے بدلنے) کا قصہ ہے، آپ کی معلومات کیلئے بات کہہ رہا ہوں کہ ہماری اِسلامی تاریخ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ساتھ بدلتی ہے۔ آپ

کو معلوم ہے کہ آج کا دن 5 تاریخ کا تھا؟۔ اَب مغرب کے وقت سے 6 محرم شروع ہو گیا۔ اِس وقت ہم 6 محرم میں بیٹھے ہیں۔ ہماری تاریخ شروع ہوتی ہے غروبِ آفتاب کے ساتھ۔۔۔ طالب علموں کو یہ باتیں ضرور یاد رکھنی چاہئیں۔۔۔

ہماری نئی تاریخ غروبِ آفتاب سے شروع ہوتی ہے جبکہ عیسائیوں نے اپنے لئے نئی تاریخ کا انتخاب کیا ہے آدھی رات کو۔۔۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے رات کے 12 بجے اُن کی تاریخ بدلتی ہے۔ 12 بجے کے بعد اُن کا وقت بدلتا ہے، تاریخ بدلتی ہے۔ تو آدھا دن اور آدھی رات، آدھا پچھلا دن اور آدھی اگلی رات۔۔۔ یہ ملا کر اُن کے 24 گھنٹے پورے ہوتے ہیں۔ اور آج یہی بات پوری طرح دماغوں پہ چھائی ہوئی ہے۔

حرمین شریفین کی گھڑیاں

صرف حَرَمَیْن شَرِیْفَیْن میں ایسی گھڑیاں لگی ہوئی ہیں جو اِسلامی وقت دکھاتی ہیں۔ جب کہ ساتھ دوسری بھی ہیں جو عام مروجہ وقت دکھاتی ہیں۔۔۔ جب وھاں سورج غروب ہوتا ہے تو ان گھڑیوں کے مطابق 12 بج رہے ہوتے ہیں۔ حَرَمَیْن شَرِیْفَیْن میں ہر روز 12 بجے مغرب کی اذان ہوتی ہے ۔۔۔، اور جب حَرَمَیْن شَرِیْفَیْن میں اذان ہوتی ہے تو سارے ملک میں اُسی وقت اذان ہوتی ہے۔ تو مغرب کی اذان 12 مہینے حرمین شریفین میں 12 بجے ہوتی ہے اور عشاء کی نماز ڈیڑھ بجے (1-30) ہوتی ہے۔

میں اپنے دوست و احباب کو صرف بات سمجھانے کے لئے متوجہ کیا کرتا ہوں۔ ایک دوست سے میں نے پوچھا۔۔۔ (یہ پچھلے سالوں کی بات ہے) سامنے گھڑی پہ ٹائم دیکھنا کیا ہے؟ ۔۔۔ وہ کہنے لگا جی یہ گھڑیاں خراب ہیں۔۔۔ میں نے کہا یہ گھڑیاں خراب نہیں تیرا دماغ خراب ہے۔۔۔ یعنی اتنا تصور ہی نہیں کہ اسلامی وقت بھی کوئی اور ہے۔

ان کو اِس بات کا علم ہی نہیں کہ جس وقت پہ ہم چل رہے ہیں یہ تو عیسائی وقت ہے۔۔۔ اور چونکہ اِس وقت عیسائی تہذیب ساری دنیا پہ حاوی ہے اِس لئے عیسائیوں کا وقت بھی ساری دنیا پہ حاوی ہے۔ آدھی رات کے بعد ہماری گھڑیاں ایک (1) بجاتی ہیں۔۔۔۔ہمیں پتہ ہے کہ تاریخ بدل گئی، پہلے ہماری گھڑیوں پر 4 تاریخ ہوتی ہے12 بجے کے بعد 5 ہو جاتی ہے اور وقت بھی نیا شروع ہو جاتا ہے۔۔۔جبکہ اِسلامی وقت کے مطابق غروبِ شمس کے ساتھ پچھلا دن ختم ہوتا ہے اور اگلے 24 گھنٹے شروع ہوجاتے ہیں۔۔۔تو 12 بجے سورج غروب ہوا تو نیا وقت شروع ہو گیا۔اب ہم مغرب کی نماز پڑھ لیں گے۔۔۔ اِسی طرح چوبیس گھنٹے اگلے دن غروب پہ جا کر پورے ہوں گے ۔۔۔لیکن کسی کو پتہ نہیں، ہم سب بھول بھال گئے کہ اِسلامی وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے، کوئی پتہ نہیں۔

بس یہ عیسائی تہذیب ایسی رائج ہوئی اور اِس طرح غالب ہوئی کہ ہم اپنی اِسلامی تہذیب، اپنے گھر کی اکثر باتیں اور اپنی اصطلاحات کو فراموش کر بیٹھے۔

نیا سال منانے کا انداز

اخبارات آپ نے پڑھے ہوں گے۔ یکم جنوری کو بھرے ہوئے ہوں گے کہ نیا سال مبارک۔۔نیا سال مبارک۔۔۔لوگ مٹھائیاں بھیجتے ہیں، ہدیے دیتے ہیں کہ نیا سال شروع ہو گیا ہے۔۔ یہ اپنے مسلمانوں اور پاکستان کے اخبارات کا حال ہے۔

اور جب مسلمانوں کا سال شروع ہوتا ہے یکم محرم کو۔۔۔تو خوشی اور مبارک بادوں کی جگہ ماتم اور نوحے شروع ہو جاتے ہیں۔

پوری دنیا میں لوگ نیا سال مناتے ہیں خوشیوں کے ساتھ۔۔۔اور ہمارے ہاں نیا سال شروع ہوتا ہے رونے دھونے کے ساتھ۔۔۔اچھے بھلے سُنیوں کے گھر میں بھی شادیاں ختم۔۔۔بیاہ ختم۔۔۔خوشیاں ختم ۔۔۔ وہ سمجھتے ہیں کہ محرم شاید رونے دھونے کا مہینہ ہے۔

عیسائی تہذیب کے غلبے کی وجہ سے ہمارے دماغ خراب ہو گئے ۔ ورنہ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو۔۔ وہ یکم محرم کو ایک دوسرے کو مبارکباد دیں کہ مبارک ہو۔۔ نیا سال شروع ہو گیا، پچھلا سال ختم ہو گیا۔۔ اگلا سال اللہ کریم خیر و خیریت کے ساتھ گزارے۔۔۔۔ یہ کلمات ہماری زبان پر یکم محرم کو آنے چاہئیں، جس طرح غیر مسلم یکم جنوری کو کرتے ہیں۔

ہم اپنے آپ سے اِس قدر غافل ہو گئے اور ہوتے جا رہے ہیں کہ ہماری اِسلامی تہذیب اور دینی اقدار نہ صرف دب کر رہ گئیں بلکہ ہندو اور انگریزی تہذیب کو اپنانا کامیابی اور ترقی سمجھا جا رہا ہے۔اُن کی اصطلاحات ہماری زبان پر۔۔ اور وہی ہمارے علم میں ہیں۔۔۔ اور وہی روزمرہ کے اِستعمال میں ہیں۔

- بسنت منائیں گے۔۔۔
- دسمبر کی آخری تاریخیں (نیوائیر) منائیں گے۔۔۔
- عشق و محبت کا دن (ویلنٹائن ڈے) منائیں گے۔۔۔

اور اتنے اہتمام کے ساتھ منائیں گے کہ عید کا اہتمام بھی بھول جائیں گے۔ اِس طرح تیزی سے ہم اپنے راستے کو چھوڑ کر غیروں کے راستے پر چلتے جا رہے ہیں۔

حرمت والے مہینے

محرم کا مہینہ اَشْھُرِ حُرُمْ میں سے ایک مہینہ ہے۔ 4 مہینے ہیں حرمت والے جو ہمیں اِسلام نے بتائے ہیں۔ 3 مسلسل ہیں، ذیقعد ، ذی الحج اور محرم، اور ایک مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہوتا ہے۔ محرم کی عظمت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہی ہے اور آپ نے ہی بیان فرمائی۔

دس محرم کے تاریخی واقعات

جب رمضان شریف کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، تو سرورِ کائنات صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرف سے 10 محرم کے روزے کی تاکید تھی ،اور اُس کی یہ فضیلت بیان فرمائی تھی کہ مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ 10 محرم کا روزہ 2 سال کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔

10 محرم کی عظمت اور فضیلت کیا ہے؟۔اِس بارے میں بے شمار واقعات لوگوں نے لکھے ہیں جو اِس دن میں پیش آئے اور جو پیش آئیں گے۔

- بعض روایات سے پتہ چلتا ہے آدم علیہ السلام کی تخلیق 10 محرم کو ہوئی تھی۔
- جنت میں آدم علیہ السلام کا داخلہ 10 محرم کو ہوا تھا۔۔۔

اور اِسی طرح وقوعِ قیامت کے بھی بعض روایات میں اشارے موجود ہیں

- کہ وہ بھی شاید 10 محرم کی تاریخ ہوگی۔

اور بھی کئی بڑے واقعات اِس میں پیش آئے ہیں۔۔۔

اِس محرم کو جو عزت و عظمت ملی ہے وہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی بناء پر نہیں ملی۔۔۔شہادت کا واقعہ تو پیش آیا ہے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ساٹھویں سال۔۔۔60 ہجری کو یہ واقعہ پیش آیا، جبکہ 10 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تھی۔ یہ عظمت اِس مہینے کو بہت پہلے سے حاصل ہے۔شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اِس کی عظمت کا سبب نہیں۔۔۔

اِسلامی سال کی ابتداء

مسلمانوں کی تقویم اور تاریخ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے شروع ہوئی۔ اور ہجرت ہوئی تھی 12 ربیع الاوّل کو۔12 ربیع الاوّل کو آپ مدینہ منورہ پہنچے تھے۔۔۔اَب توجہ طلب بات یہ ہے کہ سال کی ابتدا ہجرت سے ہوتی تو 12 ربیع الاوّل سے ہونی چاہئے تھی۔۔۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سال ربیع الاوّل سے شمار ہوتا تھا۔۔۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سال ایسے ہی شمار ہوتا تھا۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ درمیان سے سال کو شروع کر کے درمیان میں ختم

کرنا، یہ ذرا حساب و کتاب میں مشکلات کا باعث تھا۔ کیونکہ قدیم زمانہ سے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے یا اُس سے بھی پہلے) سال شرعی نقطۂ نظر سے **محرم** سے **محرم** شُمار ہوتا تھا۔۔۔

اَب ہجرت کا واقعہ درمیان میں پیش آیا تو حساب و کتاب میں دِقت پیش آئی۔ چنانچہ صحابۂ کرام کے مشورے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِسلامی تقویم کی ابتدا **محرم** سے مقرر فرمائی تا کہ پیش آنے والی دشواریوں سے بچا جا سکے۔ اِس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اصلاحات کی ہیں ان میں سے ایک اصلاح یہ بھی ہے کہ آپ نے اِسلامی سال کی ابتداء ربیع الاوّل سے دوسوا دو مہینے پیچھے ہٹا کر محرم سے شروع کر دی۔ ورنہ ہجرت کا واقعہ تو محرم میں نہیں پیش آیا، اور ہمارا سن **سنِ ھجری** کہلاتا ہے۔

یہ بھی آپ جانتے ہوں گے کہ ہر سال ہی تقریباً میں یاد دہانی کروایا کرتا ہوں کہ عیسائیوں کا سن سنِ میلادی کہلاتا ہے، جو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع کیا تھا۔ گویا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو اَب تک دو ہزار چار (2004) سال پورے ہو گئے، اور یہ پانچواں سال شروع ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا سن سنِ میلادی ہے۔

تقویمِ ہجری کی حکمت

۞ مسلمانوں کا سن سن میلادی نہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع نہیں کیا گیا۔۔۔۔

۞ مسلمانوں کا سن سنِ نبوت بھی نہیں۔۔۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت ملی تھی تو وہاں سے سن کی ابتدا کر دی جاتی، ایسا نہیں کیا گیا۔۔۔ نبوت کے ملنے کے بعد مکہ معظّمہ میں بہت بڑا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پیش آیا تھا، وہ معراج تھا۔ تو **معراج** سے بھی سن اِسلامی شروع نہیں کیا گیا، بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہیں۔ **شق قمر** کا

واقعہ مکہ میں پیش آیا لیکن اُس کو بھی بنیاد نہیں بنایا گیا۔۔۔ پھر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلمنے **ھجرت** فرمائی جس میں بظاہر چھپ چھپا کر حضور ﷺ مکہ سے نکلے تھے اور مشرکوں کا غلبہ تھا، تو آپ ﷺ کا مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف آنا ہجرت ہے۔

❁ **ھجرت** کو اِسلامی تقویم کی بنیاد بنایا گیا۔ کیونکہ جو چیز تقویم کی بنیاد بنا کرتی ہے، وہ ہر وقت ہر کسی کو یاد رہتی ہے۔۔۔ کہ آج ہمارا یہ سن ہے، اور اِس کو شروع ہوئے چودہ سو پچیس (1425) سال پورے ہو کر چھبیسواں سال شروع ہو گیا، حضور ﷺ کی ہجرت کو۔۔۔ ایک مہینہ اوپر ہو گیا، دو مہینے اوپر ہو گئے یا چار مہینے اوپر ہو گئے۔ تاریخ کے سن کا آپ اپنے معاملات میں ذکر کریں گے تو آپ کے ذہن میں رہے گا کہ ہجرت ہوئی تھی اور اُس کو اتنی دیر ہو گئی ہے۔۔۔ بچے بچے کی زبان پر، ہر شخص کے ذہن میں یہ ہجرت کا واقعہ موجود رہے گا۔ کیونکہ جس کو تقویم کی بنیاد بنایا جائے، وہ قوم کے ہر فرد کو چھوٹے کو، بڑے کو یاد رہتا ہے۔

تو گویا کہ ہجرت کو تقویم کی بنیاد بنانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ ہر مسلمان بچے کو، بڑے کو یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہؓ نے ہجرت کی تھی۔۔۔ اِس کو اتنے سال ہو گئے، اتنے مہینے ہو گئے۔ اپنے واقعات میں اپنی تاریخ میں اِس کا تذکرہ ہوتا رہے گا۔۔۔ سوچا جائے کہ اِس واقعۂ **ھجرت** کو کیا اتنی بڑی عظمت حاصل تھی کہ جس کی بناء پر اِس کو تقویم کی بنیاد بنایا گیا؟۔۔۔ تو آپ جانتے ہیں کہ اسلام کا شیوع اور اِس کے غلبے کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہوئی ہے۔

اِسلام کے غلبے کا ذریعہ

ھجرت کے بعد ہی جہاد فرض ہوا، تو ہجرت اور جہاد یہ دونوں اِسلام کے غلبے اور اِسلام کے پھیلنے کا ذریعہ بنے ہیں۔ جس کی بناء پر اِس کا یاد رکھنا ہر وقت ضروری ہے، کہ:

❁ اِسلام کے لئے انسان کو گھر بار چھوڑنا پڑ جائے تو چھوڑ دو، دیکھو کہ اتنے سال

پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گھر بار چھوڑا تھا۔۔۔

❁ برادری چھوڑنی پڑ جائے تو چھوڑ دو، دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چھوڑ دی تھی۔۔۔

❁ کاروبار، دکانیں، جائیدادیں چھوڑنی پڑ جائیں تو چھوڑ دو، دیکھو صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دی تھیں۔

❁ جب ہجرت کا واقعہ مسلمانوں کے ذہن میں رہے گا تو قربانی دینے کا جذبہ بھی اُن کے ذہن میں موجود رہے گا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے، صحابہ کرام نے سب کچھ قربان کر دیا تھا اِسلام کے لئے۔۔۔

❁ وطن بھی قربان کر دیا۔۔۔کاروبار بھی قربان کر دیا۔۔۔

❁ جائیدادیں بھی قربان کر دیں۔۔۔بیوی بچے بھی قربان کر دیئے۔۔۔

❁ خاندان بھی قربان کر دیئے۔۔۔ہجرت آپ کو یہ بات یاد دلائے گی۔۔۔

پھر ہجرت کے بعد متصل ہی جہاد شروع ہو گیا اور جہاد شروع ہونے کے بعد اِسلام کا غلبہ نمایاں ہونے لگا۔تو گویا اِسلام کے غلبے میں دو چیزوں کا دخل ہے۔**ایک ھجرت اور ایک جھاد**۔۔۔ یہ سبق ہے جو ہر وقت ہمیں یاد رہنا چاہئے۔ اِس سن کی ابتدا میں اِس کو دہرایا جائے۔

ایثار و قربانی جس کو آپ کہہ سکتے ہیں اِسلام کے لئے قربانی اور ہر قسم کی قربانی، جان تک قربان کر دینا۔۔۔یہ آپ کو تاریخ یاد دلاتی ہے۔ اِس لئے آپ کی تقویم کی بنیاد اِس پہ رکھی گئی ہے۔شرعی طور پر آپ کے لئے **محرم** کے مہینے میں کیا حکم ہے؟۔۔۔وہ صرف دو باتیں ہیں جو صحیح روایات سے ثابت ہیں۔

حدیث شریف کی رو سے ایک ''روزہ'' جو رمضان شریف کے روزوں کے فرض ہونے سے قبل فرض تھا۔رمضان المبارک کے آنے سے اِس کی فرضیت بھی منسوخ ہو گئی۔ اَب صرف اِس کا اِستحباب باقی ہے۔ اگر کوئی روزہ رکھے تو ثواب ہے۔۔۔نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں۔

دس محرم کو یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ

لیکن حدیث شریف میں ایک بات کا اضافہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اِس بات کا تذکرہ آیا کہ اِس تاریخ کا روزہ یہودی بھی رکھتے ہیں۔یعنی 10 محرم کا روزہ یہودی بھی رکھتے ہیں اور کیوں رکھتے ہیں؟ ۔۔۔اِس کی وجہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی تھی کہ اِس تاریخ (10 محرم) کواللہ تعالیٰ نے بنی اِسرائیل کوفرعون کے ظلم سے نجات دلائی تھی ۔۔۔ وہ سمندر پار کر گئے تھےاور فرعون بمع اپنی فوجوں کے غرق ہو گیا تھا۔ لہٰذا اظہارِ تشکر کے طور پر یہودی یہ روزہ رکھتے تھے ۔(بخاری ۱/۲۶۸۔مسلم ۱/۳۵۹)۔۔

۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ 10 محرم کی عظمت تو مکہ معظّمہ میں بھی نمایاں تھی لیکن یہ بات کہ یہودی بھی اِس دن روزہ رکھتے ہیں یہ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے سامنے آئی۔تو آپ ﷺ نے فرمایا :۔موسیٰ علیہ السلام سے تو ہمارا تعلق اِن کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔۔۔ اِس لئے آپ ﷺ نے بھی شکریہ کے طور پر اِس دن کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا(بخاری ۲/۶۲۸۔مسلم ۱/۳۵۷)۔لیکن پھر یہود کے ساتھ مشابہت، کہ یہود کا بھی روزہ اور ہمارا بھی روزہ بغیر کسی نمایاں فرق کے۔۔۔ یہ بات آپ ﷺ کو پسند نہ تھی ۔کیونکہ حضور ﷺ کے دل میں یہودیوں کے ساتھ کسی قسم کا تشبہ قابلِ نفرت تھا۔ اِس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مَیں زندہ رہا تو آئندہ سال نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھوں گا۔۔۔

۞ لَاَ صُوْمَنَّ الْيَوْمَ التَّاسِعَ۔(ابن ماجہ ۱/۱۲۴)۔مَیں نویں تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان کے مطابق قول راجح یہی ہے کہ نویں اور دسویں کے دو روزے رکھے جائیں۔۔۔تاکہ ایک طرف دسویں کے روزے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے او ر دوسری طرف نویں کے اضافے سے یہودیوں کے طریقے سے امتیاز بھی ہو جائے۔

یہاں سے پھر ایک اجتہادی بات نکلتی ہے جس کا ذکر روایت میں نہیں کہ اگر کوئی شخص نویں تاریخ کا روزہ نہ رکھ سکے اور دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لے تو کیا یہ تشبہ کے ختم کرنے کے لئے کافی ہے یا نہیں؟۔۔۔

تو بعض فقہاء یا اکابر نے فرمایا کہ اگر نویں کا روزہ نہ رکھ سکو تو دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لو۔ اِس کے ساتھ بھی مشابہت ختم ہو سکتی ہے۔ لیکن گیارہویں کے روزے کا تذکرہ روایات میں نہیں آیا۔ روایات میں صرف نویں تاریخ کے روزے کا ذکر آیا ہے۔۔۔

اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نویں تاریخ کا روزہ نہ رکھ سکے اور گیارہویں کا روزہ رکھنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو صرف دسویں تاریخ کا روزہ نہ رکھے کیونکہ اسے یہود کی مشابہت کی وجہ سے پسند نہیں کیا گیا۔ دسویں تاریخ کا روزہ صرف مستحب ہے، ضروری نہیں۔ رکھو گے ثواب پاؤ گے۔۔۔نہیں رکھو گے تو اُس کے اوپر کسی قسم کی کوئی گرفت نہیں ہے۔

اہلِ مدارس کا طرزِ عمل

طالب علموں میں مَیں ہمیشہ اعلان کر دیا کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں دیگر دینی مدارس کی طرح محرم کی دسویں تاریخ کی چھٹی نہیں ہوتی۔ نجی طور پر کوئی شخصی طور پر یا مقامی حالات کے اعتبار سے کوئی کرتا ہو تو کرتا ہو، ورنہ جو مدارس کا آئین ہے، جو مدارس کا طرزِ عمل ہے اِس میں دسویں محرم میں چھٹی نہیں ہے۔ نہ 12 ربیع الاوّل کو اور نہ 10 محرم کو۔ جبکہ آپ حضرات کو شوق ہوتا ہے روزہ رکھنے کا اور ہمارے ہاں اسباق ہوتے ہیں۔

- ہم سبق پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں۔۔۔
- اور آپ نے حسبِ معمول مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔۔۔
- تکرار کرنا ہوتا ہے۔۔۔

❁ سبقوں میں حاضری دینی ہوتی ہے۔۔۔

❁ اگر آپ روزہ رکھیں اور روزہ رکھنے کے لئے رات کو اٹھیں۔ پھر سبقوں کے وقت میں سوئے رہیں اور سبقوں میں دلچسپی نہ لیں، آپ کو نیند آئے اور ظہر کے بعد بھوک کی وجہ سے اچھی طرح سبق نہ پڑھ سکیں۔تو اِس سے بہتر یہ ہے کہ آپ دسویں کا روزہ نہ رکھیں اور اپنی تعلیم کو معمول کے مطابق جاری رکھیں۔۔۔نفلی روزے کے مقابلہ میں آپ کا پڑھنا پڑھانا زیادہ باعثِ ثواب ہے۔

ہاں اگر آپ اپنے اسباق حسبِ معمول پڑھ سکیں اور اُن میں کوتاہی نہ ہو اور مطالعہ و تکرار بھی باقاعدگی سے جاری رہے۔اِس کے باوجود آپ میں اتنی ہمت ہو کہ آپ روزہ بھی رکھ سکیں تو اللہ آپ کو اَجر دے گا۔ روزے کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل یہ ہے۔

دس محرم کا خاص عمل

اور ایک دوسری روایت آتی ہے اگر چہ سند کے اعتبار سے زیادہ وہ صحیح نہیں۔۔۔لیکن بہرحال مشکٰوۃ شریف میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص دس تاریخ کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں وسعت کرے، اُن کو اچھا کھلائے۔۔۔اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں سال بھر برکت دیتے ہیں۔اِس روایت کے ضمن میں بعض بزرگوں کے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں جیسے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہ وہ اِس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا کرتے تھے کہ:

جَرَّبْنَاهُ كَثِيرًا فَوَجَدْنَاهُ كَذَالِكَ (مشکوۃ ۱۷۹/۱)......

ہم نے اِس کو بہت آزمایا اور ایسا ہی پایا، کہ اگر اُس دن اپنے اہل وعیال کو اچھا کھلایا جائے تو اللہ تعالیٰ سال بھر رزق میں برکت دیتے ہیں۔

بس یہ دو باتیں ہیں جو اِس تاریخ (10 محرم) کے متعلق حدیث شریف سے ثابت ہیں۔۔۔سنت سے ثابت ہیں۔ اِس کے مطابق اگر کوئی عمل کرنا چاہے تو ٹھیک

ہے۔ ورنہ اِن کے علاوہ اِس دن کی مناسبت سے کوئی اور عمل ثابت نہیں۔

جاہلانہ رسمیں

اور باقی جو کچھ لوگوں نے بنا رکھا ہے یا طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے وہ تقریباً سب باتیں محدثات میں آتی ہیں:

وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ (نسائی ۱/۱۷۹۔)......

چند بڑے بڑے رواج جو اِس دن کے متعلق لوگوں نے بنا رکھے ہیں۔۔۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی خرافات ہوتی ہیں۔ مجلسوں میں جانا، ماتم کرنا، جلوسوں میں جانا یہ تو صراحتاً حرام ہے! اِس میں کوئی شبہ کی بات ہی نہیں۔

لیکن بعض چیزیں جہالت کی وجہ سے عام طور پر گھروں میں پھیل گئی ہیں کہ 10 محرم میں کوئی خاص قسم کا کھانا پکاتے ہیں۔۔ جس کو ست ناجہ کہتے ہیں۔ اِس میں سات اناج اکٹھے کرنے کا عام رواج ہے کہ جیسے کوئی دال، کوئی دانہ ڈال دے، کوئی گندم، کوئی چاول ڈال دے، یہ سات قسم کے اناج (کھڑی یا حلیم) پکاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اِس کا کھانا اور پکانا باعثِ برکت ہے، بالکل غلط ہے۔۔ اور جاہلانہ بات ہے۔

اِسی طرح اِس تاریخ میں یا اِس سے ایک دن پہلے یا بعد خصوصیت کے ساتھ قبرستان جانے کا لوگوں نے معمول بنا رکھا ہے۔۔۔سال کے بعد قبروں کی قسمت جاگتی ہے کہ ان کو ٹھیک ٹھاک کر لیتے ہیں۔ اُن کے اوپر لیپا پوتی کر لیتے ہیں۔ اِس کی بھی کوئی اصلیت نہیں۔۔۔

قبروں پر جانے کا شرعی حکم

قبرستان میں سال بھر کے دوران جب بھی آپ جانا چاہیں جائز ہے، بلکہ ہفتہ وار مہینہ میں ایک آدھ دفعہ اپنے اکابر کی قبور کی زیارت کے لئے جایا جائے تو اِس کی ترغیب بھی موجود ہے۔۔۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے ہفتہ میں ایک دفعہ جاتا ہے، اللہ کے ہاں اُس کو فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے۔ (مشکوۃ ۱/۱۵۴) تو اپنے بڑوں کی قبروں پر جانا، ان کو ایصالِ ثواب کرنا، زیارت کرنا، یہ مرغوب فیہ ہے اِس کی ترغیب دی گئی ہے۔۔۔

اپنے بڑوں کی قبروں پر جایا کرو۔۔۔اور اُن بزرگوں کی قبر پر بھی جایا کرو جو اپنے سلسلے کے بڑے ہیں۔۔۔ اَب ہم نے یہ طریقہ چھوڑ دیا ہے اور اِس کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے دوسرے رقیب جن کو ہم اپنی اصطلاح میں بریلوی کہتے ہیں۔ وہ بہت جلد ہی لوگوں کو یقین دلا دیتے ہیں کہ دیکھو یہ بزرگ ہمارے ہیں، دیوبندیوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ اِن بزرگوں کے لئے ایصالِ ثواب کریں یا اِن بزرگوں کی قبروں پہ آئیں۔۔۔

اگر آپ سنت کے مطابق اِس طریقے کو جاری رکھتے۔۔۔اور گاہے گاہے وہاں جایا کرتے۔۔۔ سنت کے مطابق زیارت کرتے۔۔۔ سنت کے مطابق ایصالِ ثواب کرتے۔۔۔تو لوگوں کو یہ نظر آتا رہتا کہ تمہارا بھی اِن اصحابِ قبور کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔۔۔

اِس لیے کبھی کسی بڑے اور معروف بزرگ کے شہر میں جانا ہو تو اُن کی قبر پر حاضری دینی چاہیئے۔۔۔ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔۔۔ باقی جو خرافات وہاں ہوتی ہیں، سنت کے خلاف حرکتیں ہوتی ہیں۔۔۔آپ کا ان سے کیا تعلق؟

علماء دیوبند کا واقعہ

ہمیں اپنے بڑوں کا طریقہ معلوم ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر دارالعلوم دیوبند اور اِس طرح کے تقریباً 100 آدمیوں کا قافلہ دیوبند سے حج کے لئے چلا تھا۔۔۔ چونکہ اُس زمانے میں سفر دریاؤں کے راستے سے ہوتا

تھا۔ اِس لیے وہ حضرات کشتیوں میں دریائے ستلج کے ذریعہ سے کراچی تک سفر کر کے گئے۔

کہتے ہیں جب یہ حضرات یہاں پاکپتن کے برابر آئے تو اپنی کشتیوں کو کھڑا کر کے سب کے سب حضرت باباجی (فرید الدین گنج شکرؒ) کے مزار پہ آئے، زیارت کی، فاتحہ پڑھی اور پھر روانہ ہوئے۔۔۔ تو مولانا نانوتوی رحمہ اللہ سے بڑا دیوبندی کون ہوسکتا ہے؟

بتایئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا دیوبندی کون ہے؟ اور آج کل ہم کچھ اِس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے، کہ ہمیں کوئی قدر و قیمت نہیں اِن قبور کی اور اِن بزرگوں کی اور اِس نسبت کی۔۔۔ لیکن ہمارے بڑے اِس کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد اِسحاق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد اِسحاق رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے اُستاذ الاسَاتذہ ہیں اور سندِ حدیث میں ان کا نام آتا ہے۔ یہ دہلی سے ہجرت کر کے اپنے خاندان سمیت مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔۔۔ اُن کے راستے میں اجمیر شریف پڑتا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک ہے۔ اور جاہل لوگ وہاں بھی وہ سب کچھ کرتے ہیں جو دیگر مزارات پر آج کل ہوتا ہے۔۔۔ اجمیر شریف میں حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک شاگرد رہتا تھا، آپ نے اُسے اطلاع دی کہ میں دہلی سے مکہ مکرمہ جا رہا ہوں اور راستے میں اجمیر شریف ہے۔۔۔ میرا ارادہ ہے کہ میں گزرتے ہوئے راستے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر حاضری دیتا جاؤں۔۔۔ گویا یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے ایک اطلاع تھی۔۔۔

اِس پر شاگرد نے کہا کہ حضرت آپ یہاں تشریف نہ لائیں۔ کیونکہ میں لوگوں کو تبلیغ کرتا ہوں اور دور دراز سے سفر کر کے قبروں پر آنے جانے سے روکتا ہوں

۔۔۔ وہ یہاں آ کر سجدے کرتے ہیں۔۔۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔۔۔ منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔۔۔ اور چونکہ اکثر جاہل ہوتے ہیں جو جائز و ناجائز میں فرق نہیں کر سکتے اِس لئے وہ بڑی بے ہودہ اور ناروا حرکتیں کرتے ہیں ۔۔۔ ایسے میں آپ کا حضرت خواجہ صاحبؒ کی قبر پر تشریف لانا میری اِس تبلیغ پر پانی پھیر دے گا۔

جب آپ دہلی سے تشریف لائیں گے۔ لوگ طعنہ دیں گے کہ دیکھ تیرا اُستاذ تو دہلی سے اجمیر سفر کر کے خواجہ صاحبؒ کی قبر پر آیا اور تو ہمیں منع کرتا اور کہتا ہے کہ سفر کر کے قبروں پر نہیں جانا چاہیے۔ اِس طرح میری تبلیغ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ گویا اُس نے اپنی مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے عذر کر دیا۔۔۔

لیکن اِدھر معاملہ کچھ اور تھا کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ تو جا رہے تھے مکہ مکرمہ یہ سفر اجمیر یا قبر کے لئے تو تھا نہیں۔ آپ وہاں سے گزرتے ہوئے راستے میں حضرت خواجہ صاحبؒ کی قبر پر حاضری کے خواہشمند تھے۔ اِس کو یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ آپ علیہ رحمۃ اللہ کے لئے سفر کر کے آئے۔ لیکن جاہلوں کو کون سمجھائے؟

یہ واقعہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب اَرواحِ ثلاثہ میں مذکور ہے۔ مولانا گیلانیؒ نقل فرماتے کہ حضرت مولانا محمد اِسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔۔ یاد رکھنا اِس بات کو۔۔ فرمایا کہ بھائی رقیبوں کے اندیشوں سے حبیبوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔۔۔ میں تو آؤں گا اور زیارت کر کے آگے چلا جاؤں گا۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اجمیر سے گزروں اور خواجہ صاحب کی زیارت کے بغیر چلا جاؤں۔۔۔

ہاں آپ ایک انتظام کر لیں، جلسے کا انتظام کر لیں۔ میری موجودگی میں جلسہ ہو اور آپ اُس میں تقریر کریں کہ۔۔۔ قبروں پر آ کر مشرکانہ اور غیر شرعی حرکتیں نہیں کرنی چاہئیں اور سفر کر کے قبروں پر آنے کا اہتمام بھی نہیں کرنا چاہئے۔۔۔ آپ میری موجودگی میں تقریر کریں گے اور میں آپ کی تائید کر دوں گا کہ آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ آپ ایسا کر لیں، میں بھی ایسے کر لوں گا۔ باقی یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اجمیر میں

سے گزروں اور خواجہ صاحب کے مزار پر نہ جاؤں۔

اِس طرح اپنے بزرگوں کے مزار پر جانا اور سنت کے مطابق فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا ہمارے اکابر کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔۔۔علمائے دیوبند کے سفرناموں میں مذکور ہے کہ پرانے زمانے میں دیوبند سے بعض حضرات یہاں ملتان آیا کرتے تو ملتان میں موجود بزرگوں کے مزاروں پر جا کر فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔۔۔ اِسی طرح اپنے والدین کی قبر کی زیارت کیلئے جس کی ترغیب بھی آتی ہے۔ضرور جانا چاہئے لیکن اِس کیلئے نہ کوئی تاریخ متعین ہے اور نہ کوئی مہینہ متعین ہے۔

ایک من گھڑت رسم

قبروں کی اب سال بھر کوئی خبر نہ لی جائے چاہے وہاں کچھ بھی ہوتا رہے اور محرم کی تاریخیں شروع ہوں تو وہاں دال بکھیرنے کے لئے سب آ جائیں، کہ وہ سال بھر سے بھوکے تھے۔۔۔مسور کی دال اُن کو کھلاؤ تا کہ اُن کا پیٹ بھر جائے۔ یہ دال خود تو شوق سے کھاتے نہیں لیکن مردوں کی قبروں کو ضرور کھلاتے ہیں۔ یہ رواج ہم نے یہیں آ کر دیکھا ہے۔۔۔آج تک یہ وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی کہ مسور کی دال کی کیا خصوصیت ہے اور پھر محرم میں یہ قبروں پر کیوں ڈالتے ہیں اِس کے لئے انہوں نے کیا روایت گھڑ رکھی ہے۔۔۔تو جب یہ بات ہو کہ تاریخ کی تخصیص کر لی جائے اور ایسا تاثر دیا جائے کہ یہ مسلمانوں کا طریقہ ہے،اور لوگ واقعی سمجھیں کہ یہ اسلام کا طریقہ ہے،تو یہ فعل بدعت ہو جائے گا۔

ان تاریخوں میں قبروں پر بالکل نہ جایا کریں، باقی چاہے سال کے جس مہینے میں ،جس تاریخ میں اور جس دن میں چاہیں جائیں۔ تا کہ اہل بدعت کے ساتھ آپ کا تشبہ نہ ہو۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے میں بھی یہود کے ساتھ تشبہ کو برداشت نہیں کیا۔ اِس لئے ایسے کاموں میں اہل باطل کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان تاریخوں میں بالکل ہی نہ جائیں، ان 10 دنوں کو کسی طرح گزار دیں۔ پھر تمام سال چاہے قبروں پر روز بھی جائیں، ہر ہفتے جائیں، ہر مہینے جائیں۔ کوئی ممانعت نہیں ہے۔

لہٰذا ایصالِ ثواب کے لئے بھی ان تاریخوں کی تعیین کی کوئی خاص وجہ نہیں۔۔۔

- سارا سال ایصالِ ثواب کرو۔۔۔
- جب چاہو کھانا پکا کے تقسیم کرو۔۔۔
- جب چاہو ویسے نقد دے دو۔۔۔

آہستہ آہستہ محبت کے ساتھ اپنے گھروں میں یہ باتیں پہنچایا کرو تاکہ تمہارے گھر والے بھی اِس بارے میں احتیاط کریں۔۔۔ جھوٹے شہادت نامے پڑھنا اور کربلا کے غیر مصدقہ واقعات کو یاد کر کے رونا، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی عبادت ہے جو بالکل غلط اور مزاجِ شریعت کے خلاف ہے۔۔۔

عظمتِ حسین رضی اللہ عنہ

شہادت رونے کی چیز نہیں، اللہ جن کو نصیب کرتا ہے اُن کے لئے بھی یہ خوشی کی بات ہے رونے کی بات نہیں ہے۔۔۔ اگر ہم یوں رونا شروع کر دیں تو کس کس کو روئیں۔۔۔ اور کس کس دن روئیں؟۔۔۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ بہت عظیم شخصیت تھے، اِس میں کوئی شبہ کی بات نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے، بیٹی فاطمہؓ کے جگر گوشہ تھے۔۔۔ اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پیار کرتے تھے۔۔۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جسم کا کون سا حصہ ایسا ہوگا جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کے ساتھ نہ لگا ہو۔ تو ذرا سوچیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کیا مقام اور مرتبہ ہے۔۔۔ اگر ایک جوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سے مس کر جائے اور وہ آج ہمیں مل جائے تو ہم اُس کو چومیں گے اور سر پہ رکھیں گے۔ ٹھیک ہے کہ نہیں یہ بات؟۔

نقشِ نعلین کا حکم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مستعمل جوتا۔۔۔ یہ مروج تصویریں نہیں۔تصویر کی کوئی حیثیت نہیں کہ اُسے چوما چاٹا جائے۔ کعبة الله کی تصویر بنا کر تم اُس کا طواف شروع کر دو۔۔۔ روضۂ اقدس کی تصویر بنا کر تم اُس کے اردگرد کھڑے ہوکر ہاتھ باندھ کر دُرُود پڑھنا شروع کر دو۔۔۔ یہ سب مشرکانہ حرکتیں ہیں۔تصویر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی تصویر کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔۔نہ وہ باعثِ برکت ہے۔ نہ اُس کا کوئی ادب ہے۔نہ اُس کا کوئی احترام۔۔۔شریعت اِسلامی میں تصویر کا کوئی ادب نہیں ہے۔۔۔

تصویروں کی ممانعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تھا تو بیت اللہ میں جو تصویریں رکھی ہوئی تھیں سب نکلوا دیں۔۔۔حالانکہ مشرکین نے اُن تصویروں میں حضور ﷺ کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اِسماعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی رکھی ہوئی تھیں۔۔۔ بخاری شریف میں اِس کی صراحت موجود ہے۔کہ آپ نے جہاں دوسرے بت تڑوائے تھے، یہ بھی تڑوا دیں (بخاری ۱/۲۱۸۔۱/۴۷۳۔۲/۶۱۴۔ابوداود ا/۲۷۷)۔ یہ نہیں کہا کہ یہ میرے دادا کی تصویر ہے اِس کو سنبھال کر رکھ لو، یا یہ میرے باپ کی تصویر ہے اِس کو سنبھال کر رکھ لو۔۔۔حضرت اِسماعیل علیہ السلام کے نام کی تصویر کا کوئی ادب نہیں کیا۔۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام کی تصویر کا کوئی ادب نہیں کیا۔۔۔ جہاں باقی بت توڑے یہ بھی توڑ دیئے۔ اِسی طرح نعلین کے مروج نقش کا کوئی جواز ہے نہ کوئی حیثیت ہے۔

حضور ﷺ کے تبرکات کی حفاظت

اصل جوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے ساتھ جس نے مس کیا ہو، اور اصل کپڑا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کے ساتھ لگا ہو،صحابہ کرامؓ نے سنبھال

سنبھال کر رکھے ہیں اور ان کو تبرک کے طور پر اِستعمال کیا ہے۔۔۔ شاید آپ کے علم میں یہ بات پہلے نہ ہو، آپ کو بتاؤں۔ ترکی میں بہت سارے تبرکات ترکوں نے جمع کیے ہوئے ہیں اور اِس کے لئے ایک عظیم الشان عجائب گھر بھی بنا رکھا ہے کیونکہ ان کی سو سال سے زیادہ حکومت حرمین شریفین پہ رہی ہے۔ اِس دوران اُن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو چیز بھی ملی اور جس قیمت پر ملی انہوں نے لے لی، بالکل اصل چیزیں۔۔۔ اصل نوادرات۔۔۔

- حضور ﷺ کی اصل تلواریں۔۔۔۔
- حضور ﷺ کا اصل لباس۔۔۔۔
- حضور ﷺ کے اصل بال۔۔۔

اور ایسی بہت سی آپ ﷺ کے اِستعمال کی چیزیں ترکوں نے جمع کی ہوئی ہیں۔ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جُبہ مبارک بھی ہے، جو آپ ﷺ اِستعمال فرماتے تھے۔ وہ بھی ترکی کے عجائب گھر میں جوں کا توں محفوظ ہے۔

دیوبند میں رومال کا احترام

یہ جُبہ مبارک جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ اقدس کے ساتھ مس کیے ہوئے تھا۔ ایک رومال میں لپیٹ کر رکھا گیا تھا۔۔۔ جب ترکی حکومت نے وہ پُرانا رومال بدلا اور اُسے دوسرے رومال میں لپیٹا تو وہ پہلا رومال جس میں یہ جُبہ مبارک لپیٹا ہوا تھا ہدیے کے طور پر دارالعلوم دیوبند بھیج دیا۔ دارالعلوم دیوبند والوں نے وہ رومال محفوظ رکھا۔

اَب ہمارے اکابر۔۔ ہمارے اَساتذہ ۔۔ اُستاذ الاساتذہ اُس رومال کی زیارت کرتے ہیں اور اُس کو آنکھوں پہ لگاتے ہیں اور اُسے سر پر رکھتے ہیں۔۔۔ دارالعلوم دیوبند میں اُس رومال کا بے حد احترام کیا جاتا ہے کیونکہ اُس رومال نے جبہ مبارک کے ساتھ۔۔۔ مس کیا ہے ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بدنِ مطہر کے ساتھ۔۔۔ چنانچہ اتنی سی نسبت کے ساتھ ہی وہ رومال بھی عظمت پا گیا۔
علماء دیوبند کو.... آپ کیا سمجھتے ہیں؟۔اُن کے دل میں جتنی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت ہے اور آپ ﷺ کے تبرکات کی جتنی یہ لوگ قدر کرتے ہیں کوئی اِس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔لیکن اُن میں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ وہ شریعت کی حدود میں رہتے ہیں۔اور دوسرے پتہ نہیں کیا کیا کرتے ہیں
اِس لیے نعلین مبارک کی کوئی فرضی تصویر یا نقشہ جو آپ اپنے قلم سے بنا لیں۔۔ کوئی کاتب بنا لے۔۔کسی پریس میں چھپ جائے۔۔اِس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔۔۔ یہ ایسے ہی خواہ مخواہ لوگ سینوں پہ لگائے پھرتے ہیں اور سر پہ اٹھائے پھرتے ہیں۔۔۔ ہاں اصل نعل شریف جو آپ کے اِستعمال میں آیا ہو۔۔ چاہے ایک ہی دن پہنا ہو۔ایک ہی گھنٹہ پہنا ہو۔۔یا وہ آپ ﷺ کے بدنِ اطہر کے ساتھ صرف مَس ہُوا ہو۔۔۔ وہ آج مل جائے ہم سب اُس کو چومیں گے۔۔۔سر پر رکھیں گے۔۔۔ سینے سے لگائیں گے۔۔۔ کیونکہ اُس کی نسبت حضور ﷺ کے ساتھ قائم ہے۔
بات سمجھ رہے ہو؟ کہ تصویر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔۔۔ چیز اصل ہو اور اُس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو۔ہم پر اُس کا احترام و تعظیم لازم ہے۔۔ یہ محبت کا تقاضا ہے۔ باقی تصویروں وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہوا کرتی۔۔۔مَیں بات یہ کرنا چاہتا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خوش قسمت بدن کا کون سا حصہ ہوگا جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مس نہ ہُوا ہو؟۔۔۔۔

- آپ ﷺ اُن کو چومتے تھے۔۔۔۔آپ ﷺ اُن کو سونگھتے تھے۔۔۔
- بوسے لیتے تھے۔۔۔آپ ﷺ اُن کو بانہوں میں اٹھاتے تھے۔۔۔
- کندھے پہ سوار کرتے تھے۔۔۔آپ ﷺ اُن کو گود میں بٹھاتے تھے۔۔۔

مقامِ حسین رضی اللہ عنہ عقیدہ کے اعتبار سے

کتنے واقعات حدیث شریف میں آئے ہیں۔۔۔ ہم تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ

کے ایک ایک بال کی قدر کرنے والے لوگ ہیں اور ان کو محبت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھنے والے ہیں۔ یہ محبت کا تقاضا ہے۔۔۔ نسبت کا تقاضا ہے۔۔۔ لیکن عقیدے کے اعتبار سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مقام اَبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں ہے۔

کیا عقیدہ ہے آپ کا؟۔۔۔ کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الامت کون ہیں؟۔۔۔ سیدنا اَبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔۔۔

عقیدہ جانتے ہو؟۔۔۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد پورے بنی آدم میں سب سے اونچا مقام حضرت اَبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔۔۔ دوسرے نمبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔۔۔ تیسرے نمبر پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔۔۔ چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔۔۔ اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ کا ہے۔۔۔ اور ان کے بعد بدری صحابیوں کا ہے۔۔۔ اور بدریوں کے بعد اَصحابِ شجرہ کا ہے۔۔۔ یعنی جنہوں نے حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔۔۔ اور ان کے بعد اُن تمام لوگوں کا ہے۔۔۔ جو مکہ فتح ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے۔۔۔ اور اُن کے بعد درجہ ہے ان لوگوں کا جو مکہ فتح ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔۔۔

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ قرآنِ کریم میں اِس بات کی صراحت موجود ہے کہ فتح مکہ سے پہلے اِسلام لانے والے اُن لوگوں سے افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔۔۔ سورۃ حدید میں ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنكُمْ مَّنْ اَنفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔

برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور لڑے۔ وہ لوگ درجے میں بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور لڑے۔ البتہ اللہ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔۔۔

اِس آیتِ کریمہ کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کی دو جماعتیں ممتاز ہوگئیں۔ ایک

فتح مکہ سے پہلے کی اور دوسری فتح مکہ کے بعد کی۔۔۔

فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے قدّوسیوں کی افضل ترین جماعت میں

- تمام بدر والے۔۔کیونکہ غزوۂ بدر مکہ کے فتح ہونے سے پہلے ہُوا۔۔۔
- تمام اُحد والے۔۔کیونکہ غزوۂ اُحد مکہ کے فتح ہونے سے پہلے ہُوا۔۔۔
- تمام خندق والے۔۔کیونکہ غزوۂ خندق مکہ فتح ہونے سے پہلے ہُوا۔۔۔
- تمام حدیبیہ والے۔۔کیونکہ صُلحِ حدیبیہ مکہ فتح ہونے سے پہلے ہُوئی۔۔۔
- تمام خیبر والے۔۔کیونکہ غزوۂ خیبر مکہ کے فتح ہونے سے پہلے ہُوا۔۔۔
- یہ چھوٹے بڑے بہت سے غزوات ہیں جو مکہ فتح ہونے سے پہلے ہوئے ہیں۔اور جن صحابہؓ نے ان میں شرکت کی ہے وہ درجے کے اعتبار سے بڑے (اعظم) ہیں اُن سے جو مکہ فتح ہونے کے بعد جہاد میں شریک ہوئے اور اللہ کے راستے میں انہوں نے خرچ کیا، یہ صرف صحابہؓ کی بات ہے۔۔۔

اِس لئے ہم بالکل صحیح طور پر اپنا عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں صحابی ہیں۔۔۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے۔۔۔

کیا خیال ہے آپ کا؟۔۔۔ یزید کے ساتھ تو مقابلے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ وہ تو صحابی ہی نہیں تابعی ہے۔ یہ تو صحابہؓ کی دو جماعتیں ہیں ۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کھیلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنا پھول قرار دیا۔ اور اُس طرح محبت کرتے تھے جیسے انسان کو اپنی حقیقی اولاد سے محبت ہوتی ہے۔۔۔حدیث شریف کی کتابیں پڑھ کر تو دیکھو۔

لیکن یاد رکھو محبت اپنی جگہ، قرابت اپنی جگہ۔۔۔لیکن جہاں تک درجے کی بات ہے۔ درجہ اِن کا سب صحابہؓ کے بعد ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت حسینؓ کسی غزوے میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ آپؓ ابھی بچے تھے۔لہٰذا عقیدے کے اعتبار

سے صحابہ کرامؓ کے مراتب کی یہ ترتیب ہے جو میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔۔۔

ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد سے بنی آدم میں کائنات کے افضل ترین لوگ ہیں، ہم اِن کو نہیں روتے۔۔۔ان میں سے کتنے شہید ہوئے؟۔۔۔اور کتنوں پر ظلم ہُوئے؟۔۔۔لیکن اِن کی تاریخ وفات یا تاریخِ شہادت نہیں منائی جاتی اور کوئی ماتم، کوئی جلوس نہیں ہوتا۔

تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کیا خصوصیت ہے کہ اُن کی شہادت پر اِس طرح کے ہنگامے کئے جائیں؟۔۔۔ہم اِس بات کے قائل نہیں ہیں۔ اِس لئے نہ غم اور نہ کوئی خوشی۔۔۔ہمیں محرم کا دن عام دنوں کی طرح گزارنا چاہئے۔

ایک مزید جہالت یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں اِس مہینے میں شادی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ ہم نے یہاں آ کر یہ بھی سنا ہے محرم کے پہلے دس دن احتراماً خاوند کو اپنی بیوی کے پاس بھی نہیں جانا چاہئے۔۔۔ یہ ساری خرافات ہیں، لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ اِسلام اور علمی رُو سے اِن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

طلباء کے لئے خاص ہدایات

۔مُجھے معلوم ہے جب 10 محرم کی تاریخ قریب آتی ہے۔آپ کی طرف سے چھٹی کی درخواستیں آنا شروع ہو جاتی ہیں کہ۔۔۔ اَبا جی کی قبر پہ جا کر قرآن کریم پڑھنا ہے یا گھر سے اطلاع آئی ہے۔اماں جان نے فرمایا ہے کہ خیرات کرنی ہے آجاؤ۔۔۔کیوں جی؟۔۔10 محرم کو ہی کیوں؟۔۔

سال کے بعد لوگ اَصحابِ کربلا کی دعوت کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اِس وقت تک وہ بھوکے پیاسے پڑے ہیں، لہٰذا شربت پلاؤ۔ حلیم کھلاؤ تا کہ اُن کی پیاس بجھ جائے، بھوک مٹ جائے۔کیسی کیسی خرافات ولغویات ہیں، بھلا اِن کا عقل وفہم اور علم کے ساتھ کوئی تعلق ہے،کوئی واسطہ ہے؟۔۔۔

تو آپ خود سیدھے رہیں اور اپنے خاندان کے افراد کو سیدھا رکھنے کی کوشش کریں۔ حالات پر نظر رکھیں اور پوری طرح چوکس رہیں۔ کسی جلوس یا کسی مجلس میں ہرگز نہ جائیں۔۔۔ دیکھنے کے لئے بھی نہیں۔ تاکہ اگر کوئی شرارت یا فساد ہو تو آپ کا نام اُس میں نہ آ جائے۔۔۔

10 تاریخ کو جامعہ اسلامیہ باب العلوم کی چار دیواری سے کسی طالب علم کو باہر جانے کی اجازت نہیں۔۔ جامعہ کا گیٹ بند رہے گا۔ آپ نے اپنی پڑھائی میں لگے رہنا ہے۔ تاکہ کسی قسم کی کوئی شرارت ہو تو آپ پر یا آپ کے جامعہ پر کوئی الزام نہ آئے۔۔ اِس بارے میں بہت محتاط رہیں، ہدایت کا یہ سبق خود بھی پڑھیں، سیکھیں اور اِس کو اپنے گھروں تک پہنچائیں۔۔۔

اللہ کریم ہم سب کو دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

تقویٰ کی حقیقت اور طائفہ منصورہ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔

(سورہ حجرات۔آیت ۱۳)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی
اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید

واجب الاحترام، قابل قدر دوستو اور طالب علم ساتھیو۔۔مشکوٰۃ شریف میں حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے:

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَابِوَجْھِہٖ......

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہمیں نماز پڑھائی، پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔۔۔

فَوَعَظَنَا مَوْعِظَۃً بَلِیْغَۃً ذَرَفَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْھَا الْقُلُوْبُ......

(ہماری طرف متوجہ ہوکر) ایسا شاندار اور مؤثر وعظ فرمایا۔۔۔

وَعَظَنَا مَوْعِظَۃً۔۔۔ہمیں نصیحت فرمائی، ہمیں وعظ کیا۔۔۔

بَلِیْغَۃً۔۔۔دلوں تک پہنچنے والا کہ۔۔۔

ذَرَفَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ ۔۔۔(اُس کی وجہ سے) آنکھیں برس پڑیں۔۔۔

وَوَجِلَتْ مِنْھَا الْقُلُوْبُ ......

اور (اُس کی وجہ سے) دلوں پر خوف طاری ہو گیا۔۔یعنی ہماری آنکھیں برس پڑیں۔۔اُن سے آنسو رواں ہو گئے۔۔اور ہمارے دل دھڑک گئے۔ دل میں خوف آ گیا۔۔۔ایسا رُلا دینے اور دل دَہلا دینے والا وعظ فرمایا۔

رسولِ اکرم ﷺ کی نصیحت و وصیت

فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَاَنَّ ھٰذِہٖ مَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ...

ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج کی تقریر تو کسی الوداع کہنے والے کی تقریر معلوم ہوتی ہے۔۔۔جیسے کوئی کسی کو الوداع کر رہا ہو۔۔۔آج کا وعظ تو الوداعی وعظ لگتا ہے......

فَاَوْصِنَا۔۔۔پس ہمیں کوئی خاص وصیت کیجئے۔۔۔

قَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وِالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ......

فرمایا، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور سمع کی اور اطاعت کی۔۔۔

اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ......

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی۔تقویٰ کی، کیونکہ تقویٰ ہی مِلَاکُ الحَسَنَاتُ ہے۔ (یہ الفاظ آپ خطبہ میں اکثر سنتے ہیں) کہ جب اللہ کا ڈر پیدا ہوجائے تو ساری نیکیاں قابو آجاتی ہیں۔اللہ سے ڈرتے رہنا، اور جو تمہارے اوپر حاکم ہو، امیر ہو، اُس کی بات کو سننا اور اُس کا کہنا ماننا تاکہ اُمت میں انتشار نہ ہو۔۔۔ جماعت منتشر نہ ہو۔۔۔

فَاِنَّہٗ مَنْ یَّعِشْ مِنکُمْ مِنْ بَعْدِیْ......

پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا۔۔۔

فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا......

وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔۔۔کہ لوگوں کی آراء مختلف ہو جائیں گی۔ کوئی کچھ کہے گا اور کوئی کچھ۔۔کسی کا کوئی راستہ ہوگا، کسی کا کوئی۔۔۔

مَنْ یَّعِشْ مِنکُمْ مِنْ بَعْدِی فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا......

میرے بعد جو تم میں زندہ رہے گا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔

سنت و بدعت کی پہچان

فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ......

اور تم پر لازم ہے کہ میرے طریقے کو پکڑے رہو اور میرے خلفاء کے طریقے پر جم جاؤ جو راشد ین المھد یّین ہیں۔۔جو صحیح راستہ دکھانے والے ہیں۔ اور صحیح راستے پر اُن کو چلایا گیا ہے۔۔۔وہ راشد بھی ہیں۔۔۔مہدی بھی ہیں۔

خلفاء الراشدین المھدیین......

ہدایت دینے والے، ہدایت دیے گئے، اللہ کی جانب سے وہ خودسیدھے راستہ پر چلائے گئے اور وسروں کو بھی سیدھے راستے پر چلائیں گے۔تم میرے اور اُن کے طریقے کو لازم پکڑنا۔

وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ......

اورخبردار(دین میں پیدا کئے گئے) نئے طریقوں سے بچ کر رہنا۔۔۔

فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ......

کیونکہ (دین میں پیدا کی گئی) ہرنئی بات بدعت ہے۔۔۔

وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ......

اور ہر بدعت گم راہی ہے۔۔۔(مشکوۃ ۲۹/۱۔ابوداود ۲۷۶/۲)

یہ روایت تو مشکٰوۃ شریف باب الاعتصام بالسنۃ میں ہے......یعنی عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ والی روایت جو میں نے آپ کے سامنے پہلے پڑھی ہے، اور مشکٰوۃ شریف کے آخری آخری باب ''ثواب ھٰذہ الامۃ'' میں ، جس باب میں صاحبِ مشکٰوۃ نے اِس اُمتِ محمدیہ کے فضائل بیان کئے ہیں۔۔۔ اِس میں یہ روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔۔۔اورحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرمارہے تھے:

لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِی مَنْصُوْرِیْنَ

میری اُمت کاایک گروہ ہمیشہ کامران رہے گا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی مدد ہوگی ۔ **لَا یَضُرُّھُمْ مَّنْ خَذَلَھُمْ......**

کوئی اُن کی مدد سے دستبردار ہوکر اُنہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔۔۔

حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ...... حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آ جائے گی۔(مشکوۃ ۵۸۴/۱۔ترمذی ۴۳/۲۔ابن ماجہ ۲/۱)، ......

اور وہ بدستور(مضبوطی کے ساتھ) اُس پر جمے ہوئے ہوں گے۔

اللہ کے حکم آ جانے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا اختتام ہو جائے گا۔ قیامت آ جائے گی۔ اور وہ (کامیاب لوگ) اُس کے اوپر جمے ہوئے ہوں گے۔

یہ پہلی روایت جو آپ کے سامنے پڑھی گئی، اِس میں نشاندہی ہے کہ لوگ دین میں مختلف طریقے نکالیں گے۔۔۔ آراء مختلف ہو جائیں گی۔۔۔ کوئی کسی راستہ پر چلے گا، اور کوئی کسی راستے پر۔ اِس بات کی نشاندہی کر کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ آپس میں بہت اختلاف کریں گے۔ لیکن تم لوگوں نے میرے اور خلفاء راشدینؓ کے طریقے کو نہیں چھوڑنا۔۔۔ درمیان کے جملے انتہائی قابلِ غور ہیں:

تَمَسَّكُوْا بِهَا ......

اِس طریقے کو مضبوطی سے پکڑنا۔۔۔

وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ......

اور اِس کو اپنے دانت کے نیچے دبا لینا ہے۔ **عَضَّ يَعُضُّ** دانتوں کے ساتھ کاٹنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ **نواجذ**۔۔۔ سب سے پچھلی ڈاڑھوں کو کہتے ہیں۔ میرے اور خلفاء راشدینؓ کے طریقے کو اپنے دانتوں کے نیچے ایسے مضبوطی سے پکڑیں کہ چھوٹنے نہ پائے۔۔۔

صراطِ مستقیم کی تعریف

اِس پُرفتن اور پُرآشوب دور میں ہم کیا کریں؟۔۔ اِس نازک اور خطرناک صورت حال میں رہنمائی کے لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو نصیحت کی ہے کہ **عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ......**

تم پر لازم ہے کہ میرے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقے پر جم جاؤ۔ جو **راشد ین المهد یّین** ہیں۔ اگر اِس راستے پر چلو گے تو اختلافات کے دور میں حق تمہارے ساتھ ہوگا۔۔۔ اِسی راستے پر چل کر اللہ کی رضا اور جنت تک پہنچو گے۔۔۔ اور اِسی کو **صراطِ مستقیم** کہتے ہیں۔

اِس روایت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے کی تائید کی ہے۔۔۔ورنہ فی الحقیقت ابتدا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ہوتی ہے۔

رحمتِ کائنات ﷺ کی آمد کا مقصد

اللہ نے جو کتاب جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے اُتاری وہ اَلفاظ ہیں اور اَلفاظ کے معانی بدل کر مغالطہ دیا جا سکتا ہے۔۔۔چنانچہ اگر کوئی کہے کہ میں صرف کتاب اللہ کو سامنے رکھ کر ہدایت حاصل کرلوں گا، تو اِس میں خطرہ ہے کہ وہ صحیح بات نہ پا سکے۔لفظوں کی دلالت یا تراکیب کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کا امکان بہرحال موجود ہے۔ اپنی طرف سے کسی لفظ کا مفہوم متعین کرنے سے کئی چکر چل جاتے ہیں۔اِسلئے اللہ نے اپنی کتاب کو سمجھنے اور اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرنے کی ہر شخص کو آزادی نہیں دی۔۔ کہ تم جو چاہو سمجھو اور اِس کے مطابق عمل کرلو۔ ہرگز نہیں، بلکہ اپنی کتاب کی مراد سمجھانے کے لئے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا۔۔۔

تو جو بات اللہ نے اُتاری، اَلفاظ کی شکل میں۔۔ اِس کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا۔۔اپنی زبان میں، اور کر کے دکھایا۔۔اپنے عمل سے۔

اطاعتِ رسول، اطاعتِ خدا

اِس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے مفہوم کو کتاب اللہ کے تحت متعین کر دیا کہ اللہ کی مراد کیا ہے اور کیا نہیں ۔ یوں چلو گے تو میرا طریقہ ہوگا ورنہ نہیں۔۔۔میرا طریقہ ہی کتاب اللہ کا طریقہ ہے۔۔اور اگر میرے طریقے پر نہیں چلو گے تو وہ کتاب اللہ کا طریقہ نہیں ہوگا۔۔۔

مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ......

جس نے میرے رسول ﷺ کی پیروی کی، اِس نے اللہ کی پیروی کی۔

تو رسول ﷺ کا قول اور فعل جس کو ہم سنت کہتے ہیں۔۔۔ یہ قرآن کریم

ہی کی تشریح ہے!!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ممتاز ترین گروہ

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقہ سمجھایا اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ کو۔اور صحابہ میں ممتاز ترین خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ کا گروہ تھا اِس لئے اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کا معیار متعین کر دیا کہ فتنوں اور خرافات کے دور میں تم نے میرا اور میرے خلفاء کا طریقہ اَپنانا ہے، جو بالکل سیدھا اور کتاب اللہ کی حقیقی مراد ہو گا۔۔جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور وہی تمہیں اللہ کی رضا اور جنت تک لے جائے گا۔۔۔

اِسی معیاری اور قابلِ تقلید راستے کو ہم "اتباعِ سنت" کا عنوان دیتے ہیں۔۔اِسی وجہ سے حق کا راستہ اپنانے اور سنت کی اتباع کرنے والے ہم لوگ آپس میں **اھل سنت والجماعت** کہلاتے ہیں۔۔۔

اھل سنت۔۔۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اختیار کرنے والے۔۔

والجماعت ۔۔۔اور صحابہ کے طریقے کو اختیار کرنے والے۔۔

چنانچہ ہم کتاب اللہ کو سمجھتے ہیں۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے۔۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو سمجھتے ہیں۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے۔۔۔ اِس لئے ہمارا لقب **اھلسنت والجماعت** ہے۔کیونکہ ہم سنت والے بھی ہیں اور جماعت والے بھی ہیں۔سنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور جماعت سے مراد صحابہ کرام کا طریقہ۔اِس طرح اھلِ حق کا عنوان ہے

"اہلسنت والجماعت"

اور دوسری روایت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی اِس میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ میری امت میں ایک گروہ لازماً حق پہ قائم رہے گا۔ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ پوری کی پوری اُمت حق کو چھوڑ دے اور ساری کی ساری اُمت گمراہ ہو جائے۔۔ یہ اِس اُمت کی خصوصیت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہی یہ روایت ہے، سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَایَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ

(مشکوٰۃ ۱/۳۰-ترمذی ۲/۳۹-ابوداود ۲/۲۲۸-ابن ماجہ ۱/۲۸۲)......

فرمایا "میری امت" یا فرمایا محمد کی امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔۔یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ اُن میں حق موجود ہی نہ رہے۔ ھاں انفرادی طور پر اُمت کے افراد گمراہ ہو جائیں تو اِس سے انکار نہیں ۔۔۔ ایک گروہ لازماً حق پر قائم رہے گا۔

اَب بات یہ ہے کہ آپ پہچانیں گے کیسے؟ کون سا گروہ ہے جوحق پر قائم ہے؟ سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ یہ گروہ حق پر قائم ہے اور باقی لوگ گمراہ ہیں؟۔ اِس مسئلے پر ہمارے بزرگ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کی کتاب "طائفہ منصورہ" آپ کی مکمل رہنمائی کرتی ہے۔۔۔

حضرت مولانا سرفراز خان صفدر زیدمجدہ ۔۔اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے ابھی حیات ہیں اور اِس وقت ہمارے لئے اللہ کریم کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں۔آپ جامعہ نصرت العلوم گجرانوالہ کے شیخ الحدیث ہیں۔فرقِ باطلہ اور مختلف فتنوں کے رَد میں آپ نے بڑی معرکۃ الآراء کتابیں لکھی ہیں۔آپ کی ایک کتاب "طائفہ منصورہ"، بھی ہے 'یعنی وہ طائفہ اور وہ گروہ جس کے ساتھ اللہ کی نصرت ہے، وہ گروہ کون سا ہے؟ آپ کے اِس سوال کا مکمل جواب اُن کی اِس کتاب میں موجود ہے۔

دینی کتب کی اہمیت

آج آپ طالب علم ہیں اور کل آپ عالم ہوں گے اِن شاء اللہ۔۔ اِس لئے کتابوں کا مطالعہ اور اُن سے تعلق اپنا مشغلہ بنالیں اَچھی اور معیاری کتابیں جہاں سے ملیں ضرور خریدیں۔اِدھر اُدھر پیسے خرچ کرنے کی بجائے کوئی کام کی کتاب

خرید لیا کریں۔ کیونکہ:

- کتاب عالم کی ضرورت ہے، اُس کا زیور ہے، اُس کی پہچان ہے۔۔۔
- کتاب عالم کی زینت ہے۔اور اُس کا اسلحہ ہے۔۔۔
- کیونکہ عالم اگر فتنوں کے خلاف لڑتا ہے تو انہی کتابوں کے سہارے لڑتا ہے۔ لہٰذا کتاب اُس کے لئے جہاں زینت ہے وہاں اسلحہ کا کام بھی دیتی ہے۔ اِس لئے اچھی اچھی کتابیں لے کر رکھیں اور ان کا گاہے گاہے مطالعہ کرتے رہیں، اِس سے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور حق پر چلنے کی توفیق ہوتی ہے۔۔۔

دیگر کتابوں کے ساتھ ساتھ " **طائفۂ منصورہ** "کا مطالعہ بھی ضرور کریں۔(یہ کتاب عام ملتی ہے اور میرے پاس بھی موجود ہے۔) تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ حق کی پہلی کرن **مکہ معظمہ** سے پھوٹی۔۔جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا۔۔وہاں سے اہلِ حق کی جماعت تیار ہوئی۔اہل مکہ نے ان کو قبول نہ کیا۔۔بالآخر وہ علم کا چشمہ **مدینہ منورہ** منتقل ہو گیا اور پھر وہاں سے وہ چشمہِ فیض ایسا جاری ہوا کہ پوری دنیا کو سیراب کر گیا۔

علمی مراکز

- سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرکز مدینہ ہی رہا۔۔۔
- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرکز مدینہ ہی رہا۔۔۔
- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرکز مدینہ ہی رہا۔۔۔
- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرکز مدینہ ہی رہا۔۔۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کچھ اس قسم کے فتنے اٹھے کہ علم کا یہ مرکز مدینہ سے **کوفہ** منتقل ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں۔۔خلیفہ مہدی ہیں۔۔خلفاء راشدین مہدیین میں داخل ہیں، انہوں نے اپنا دارالسلطنت **کوفہ** منتقل کر دیا۔۔لھذا آپؓ کے

زمانے میں کوفہ علم کا مرکز بنا جہاں دنیا کی سب سے بڑی شخصیت اور دنیا کا سب سے برتر و افضل انسان اِس مرکز کا نگران اعلیٰ تھا۔ میں یہ اِس لئے کہتا ہوں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے بعد

- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ......
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ......
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ......اور
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ...... پوری انسانیت میں افضل ترین انسان تھے۔۔

جیسے اپنے وقت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور اپنے وقت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اپنے وقت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، اِسی طرح اپنے زمانے میں سب سے اعلیٰ و برتر اور فضیلت والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

چنانچہ وہ اپنا مرکز مدینہ منورہ سے کوفہ لے گئے۔۔۔کوفہ کے بعد خلافت منتقل ہوئی دمشق میں ۔(یہ اَب بھی شام کا دارالخلافہ ہے۔) پھر دمشق اھلِ حق کا بہت بڑا مرکز بنا اور وہاں حق کی پوری حفاظت واشاعت ہوتی رہی۔۔آخر ایک دور آیا کہ دمشق بھی اُجڑ گیا اور خلافت بغداد منتقل ہوگئی اور بغداد مدینۃ المسلمین بن گیا۔۔۔

چنانچہ بڑے بڑے علماء، فقہاء اور بڑے بڑے محدثین، جو اُس وقت کے اَھلِ حق تھے۔اور اِس دین اور علم کی امانت کو اپنے سینے میں لیے ہوئے تھے۔۔اُن سب نے بغداد کا رُخ کیا۔لھٰذا اشاعتِ دین وعلم کا مرکز بغداد قرار پایا۔۔

بغداد کئی سو سال تک مرکز رہا۔لیکن بغداد پر بھی اُس وقت زوال آ گیا، جب تاتاریوں نے وہاں قبضہ کر کے مسلمانوں کے کتب خانے جلا دیئے اور لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ اِس پُرفتن دور میں جہاں عالم اِسلام افسوسناک تباہی کا شکار ہوا وہاں بغداد کا مرکز بھی ختم ہوگیا۔۔۔ پھر یہ مرکز قسطنطنیہ (اِستنبول) منتقل ہوگیا۔۔لیکن اِستنبول دیگر مراکز کی طرح علم کا مرکز نہ بن سکا۔۔البتہ جب مغلوں نے ہندوستان فتح کیا تو دھلی

دین کی اشاعت کا مرکز بنا۔۔۔ جہاں بڑے بڑے علماء وفقہاء اور روئے زمین پر شہرت رکھنے والے مفتیانِ کرام جمع ہو گئے، جن کے قول پر اعتماد کیا جاتا تھا۔۔۔ چنانچہ **دھلی** مغلوں کے دور میں مسلمانانِ عالم کی توجہ کا مرکز اور **مرجع العلماء** بن گیا۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی اِستقامت

حضرت مجدد اَلف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اُسی دور میں ہوئے۔ اور اُن کی تحریک کا مرکز بھی دہلی ہی تھا۔ اگرچہ وہ خود **سرھند** کے رہنے والے تھے۔۔۔ بُنیادی طور پر ہندوستان میں **اھلِ حق** کا ٹکراؤ **اھلِ باطل** کے ساتھ نمایاں انداز میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا۔۔۔ یہ ساڑھے چار سو سال پہلے کی بات ہے۔ کیونکہ الف ثانی کا مطلب یہ تھا کہ ایک ہزار (1000) سال پورا ہو گیا تھا۔ یعنی دسویں صدی گزرنے کے بعد گیارہویں صدی شروع ہوئی تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔

اَلف ثانی کہتے ہیں دوسرے ہزار کو۔ اَلف کہتے ہیں ہزار کو اور ثانی کہتے ہیں دوسرے کو۔ چونکہ **حضرت مجدد اَلف ثانیؒ** دوسرے ہزارے کی ابتداء میں پیدا ہوئے۔ اِس لئے ان کا لقب مجدد اَلف ثانی قرار پایا۔ دوسرا ہزار سال شروع ہوا تو اُن کے تجدیدی کارنامے شروع ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب باطل نے مغلیہ خاندان کی حکومت کو متاثر کر کے اُس کی پناہ حاصل کر رکھی تھی اور **جلال الدین اکبر** جو بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔۔۔ راہِ حق سے ہٹ کر اہلِ باطل کی پشت پنائی کر رہا تھا۔۔۔

اِس جابر وظالم اور طویل وعریض حکومت کے ساتھ حق کو ثابت رکھنے کے لئے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ڈٹ گئے۔ جس سے ہندوستان میں لوگوں کا ایمان و دین بچ گیا۔ اگر یہ مردِ درویش جلال الدین اکبر جبار وقہار بادشاہ کے سامنے سینہ تان کر نہ کھڑا ہوتا تو شاید یہ اکبر کے زمانے اور مغلیہ خاندان کے دور میں ہی اِسلام کا خاتمہ ہو جاتا۔۔۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں وہ پہلے مجدد ہوئے ہیں ۔ جن کی تجدیدی کاوشوں سے گیارہویں صدی میں یہاں دین کا چرچا اور باطل کے ساتھ ٹکراؤ شروع ہوا جو سو (100) سال تک مسلسل جاری رہا۔ پھر مغلیہ خاندان کے بادشاہ سدھر گئے۔۔

سو سال کے بعد پھر اِسی سرزمین میں حضرت شاہ ولی اللہؒ پیدا ہوئے، اُس وقت مغلیہ خاندان کی حکومت قدرے کمزور ہو رہی تھی ۔ جسے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنبھالا دیا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے دھلی ایک مرتبہ پھر پوری دنیا میں حق کی اشاعت کا مرکز بنا اور اِسی دہلی سے ایک بار پھر حدیث کی اشاعت شروع ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یہ مَسنَد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حصّے میں آئی ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت شاہ محمد اِسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نشیں ہوئے اور حضرت شاہ محمد اِسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اِس مَسنَد کو سنبھالا ۔

شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مدنی ، ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور شاہ محمد اِسحاق رحمۃ اللہ علیہ دور میں ہجرت کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے تھے، اِس لئے شاہ محمد اِسحاق رحمۃ اللہ علیہ (شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے) کو مہاجر مکیؒ کہتے ہیں اور شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مہاجر مدنی کہتے ہیں۔ یہاں تک دین وعلم کی اشاعت کا مرکز دھلی ہی رہا۔۔۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت کے بعد دہلی کا یہ مرکز بھی ویران ہو گیا ۔۔ اِس کے ساتھ ہی مغلیہ خاندان کی حکومت بھی کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی ۔ انگریزوں نے آہستہ آہستہ ہندوستان میں اپنا تسلط جمانا شروع کیا اور دہلی کے اردگرد دائرہ تنگ کر دیا۔ ایک وقت آیا کہ مغلیہ بادشاہ کی حکومت دہلی کے شہر تک محدود ہو کر رہ گئی اور باقی تمام علاقے انگریزوں کے قبضے میں آ گئے۔۔۔

اِس قبضے کو توڑنے کے لئے بہادر شاہ ظفر کی موجودگی میں جہاد وقتال ہوا،

بہادر شاہ ظفر مغلیہ خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔۔ اگرچہ جہاد کا اعلان بادشاہ سے کروایا گیا اور بظاہر اُسکے ساتھ ہندوستان کے باقی طبقات بھی شریک ہوئے۔

لیکن حقیقت میں مذہبی نقطۂ نظر کے تحت جہاد کرنے والے حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت تھی۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے امیر تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے حضرات اس کے قائدین تھے۔ باقاعدگی کے ساتھ جہاد کیا گیا۔ یہ حضرات بنفسِ نفیس مقابلے میں آئے، زخمی ہوئے اور شہید ہوئے۔۔ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اِسی جنگ میں شہید ہوئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ معرکے میں زخمی ہوئے۔۔ لیکن اپنوں کی بے وفائی اور غداری کے نتیجے میں 1857 کا یہ جہاد کامیاب نہ ہوسکا اور انگریزوں کا تسلط ہوگیا۔۔

اِس سے پہلے بھی ایک کوشش ہو چکی تھی۔ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھنو کا یک شہر ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رہنے والے تھے، اِس وجہ سے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کہلاتے تھے، بریلوی مسلک مراد نہیں) اور اُن کے دستِ راست مولوی شاہ اِسماعیل (رحمۃ اللہ علیہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پوتے اور شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ بیٹے تھے۔) نے مسلمانوں کو ظلم سے نجات دلانے کے لئے پنجاب کے علاقے میں سکھوں کے خلاف باقاعدہ لڑائیاں لڑیں اور پورا صوبہ سرحد فتح کرلیا تھا۔ لیکن یہاں بھی اَپنوں کی غداریاں رنگ لائیں اور کچھ سرفروشوں کے ہمراہ بالاکوٹ کے میدان میں دادِشجاعت دیتے ہوئے حضرت سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد اِسماعیل صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جامِ شہادت نوش کر گئے۔۔۔

اِسی شہادت کی بناء پر ان کے نام کے ساتھ شہید کا لقب لگایا جاتا ہے۔ بالاکوٹ کے معرکے میں شہیدین کے علاوہ چارسو مزید مجاہدین بھی شہید ہوئے تھے آپ دونوں حضرات کے ساتھ ساتھ باقی شُہداء بھی بالاکوٹ ہی میں محوِ اِستراحت ہیں۔

(خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را)

بالاکوٹ، ضلع مانسہرہ کا ایک علاقہ جو کشمیر کی سرحد پر واقع ہے۔۔ یہی

وہ پاک سرزمین ہے جہاں اِس جہاد کا آخری معرکہ ہوا تھا۔ 1857 کا جہاد اِسی جذبہ کی اگلی قسط تھی ۔۔ شہدائے بالاکوٹ نے اپنے مقدس خون کا نذرانہ دیکر جو جوش برپا کیا تھا اور تپش پیدا کی تھی ۔۔۔ انگریزوں کے جبر و تشدد کے دور میں ۔۔۔ اُس کی گرمی براہ راست علمی مرکز دیوبند پہنچی۔

دیوبند کا تعارف

اب یہ بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ جب **دھلی** اُجڑ گیا تو یہ دین وعلم کا مرکز **دیوبند** میں قائم ہوا۔ جب آپ دیوبندی کہلاتے ہیں تو دیوبند کے بارے میں آپ کی معلومات ہر لحاظ سے مُستند اور مکمل ہونی چاہییں ۔۔۔ اِس کو سمجھ لیجئے کہ دیوبند ایک جگہ کا نام ہے، یہ کسی مسلک کا نام نہیں ہے۔ بریلی بھی دیوبند کی طرح ایک شہر کا نام ہے۔۔۔ لیکن چونکہ اہلِ حق نے دیوبند میں اکٹھے ہو کر ایک مدرسے کی بنیاد رکھی ۔ جو آگے چل کر پوری دنیا کے لئے اشاعتِ دین اور رُشد و ہدایت کا منبع ثابت ہُوا۔ یہ اللہ کریم کی کرم نوازی اور بانیانِ دیوبند کا خلوص تھا کہ آج دنیا بھر میں جہاں بھی چلے جائیں ۔۔۔

- آپ کو عظیم الشان مدارس اور مکاتب کا سلسلہ ملے گا ۔۔۔
- جید علماء اور نامور مفتیوں کا سلسلہ ملے گا ۔۔۔
- خدا پرست درویشوں اور صوفیوں کا سلسلہ ملے گا ۔۔۔
- سرفروش مجاہدوں اور جرات مند بہادروں کا سلسلہ ملے گا ۔۔۔
- دین کے سچے خادموں اور بے لوث سپاہیوں کا سلسلہ ملے گا ۔۔۔

جن کا کسی نہ کسی اعتبار سے تعلق آخر کار اِس مرکز کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی ملک اور برِ صغیر کا کوئی شہر یا قصبہ شاید ہی ایسا ہو جہاں دیوبند کا فیض نہ پہنچا ہو۔ دنیا بھر کے مدارس، مکاتب، مساجد اور خانقاہیں اَبنائے دیوبند کے دم قدم سے آباد ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ جہاد کی رزم گاہیں، سیاست کی پُر خار وادیاں اور دعوت

وتبلیغ کے کارواں اِسی مرکزِ نور سے منور ہیں

دیوبند اُس گروہ کا نام ہے جو تسلسل کے ساتھ اپنے قلم سے۔۔۔ اپنی زبان سے۔۔۔ اپنے خون سے۔۔۔ اپنی اولاد سے۔۔۔ اپنے مال سے۔۔۔ جہاد کرتا رہا۔ جو ہر دور کے ہر باطل سے دلیرانہ ٹکرایا اور داستانِ شجاعت رقم کی۔

دارالعلوم دیوبند کا پہلا کارواں

اِسی قدوسی صفت گروہ نے **دارالعلوم دیوبند** کی بنیاد رکھی۔ یہ قریباً 140 سال پہلے کی بات ہے۔ کیونکہ پندرہ محرم بارہ سو بیاسی (1282ھ) ہجری میں اِس مدرسے کی ابتداء کی گئی تھی۔ آج کی اِس عظیم یونیورسٹی کا آغاز ہمیں خلوص وتوکل کا درس دیتا ہے کہ۔۔ انار کے درخت کے نیچے ایک اُستاذ نے صرف ایک طالب علم کے ساتھ ساری کائنات سے ہٹ کر، ربِ کائنات پر بھروسہ کرتے ہُوئے مدرسہ کا افتتاح کیا اور اپنے شاگرد کو بسم اللہ پڑھائی۔۔

اتفاق سے طالب علم کا نام بھی محمود تھا اور اُستاذِ محترم کا نام بھی محمود تھا۔ یہ دو محمود اکٹھے ہوئے، اللہ کی دین کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔۔ بعد میں یہی طالب علم **مَحمُود حَسَن** شیخ الہند ہوئے اور پوری دنیا میں حق کی علامت قرار پائے۔ آپ علیہ رحمۃ اللہ کاروانِ علماء دیوبند کے قائد بنے، جس کا سلسلۂ سند اکثر و بیشتر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر ختم ہوتا ہے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے آگے چلتا ہے۔

تو وہ طائفہ منصورہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد یافتہ ہے۔ اُن کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ حق پر ثابت رہیں گے۔۔۔ اُن کی مخالفت کرنے والا اُن کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ نقصان نہ پہنچا سکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے مسلک سے ہلا نہیں سکے گا، ہٹا نہیں سکے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اُن کے ساتھ ہوگی۔۔ وہ حق پر خود بھی ثابت ہوں گے اور دلیل وقوت کے ساتھ حق کو باطل پر غالب بھی کریں گے۔ اِس سلسلے میں اُنہیں:

- قلم کے ساتھ ضرورت پیش آئے گی قلم کے ساتھ کریں گے۔۔۔
- زبان کے ساتھ ضرورت پیش آئے گی زبان کے ساتھ کریں گے۔۔۔

کٹ مریں گے اور حق کو چھوڑیں گے نہیں اور باطل کے مقابلے میں جھکیں گے نہیں۔۔۔ یہ اِس طائفہ منصورہ ہی کی ممتاز صفت ہے کہ کٹ مریں لیکن باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہوں۔۔، آج جگہ جگہ لوگ واقعہ کربلا کا ذکر کرتے ہوں گے لیکن کربلا والوں کی سنت کیا ہے؟۔۔۔اِس کو کبھی سوچیں اور واقعات کے رنگ میں سوچیں، پڑھنے کو تو پڑھ دیتے ہیں اور لہک لہک کے کہتے بھی ہیں کہ:

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید

کہ سر تو دے دیا لیکن یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا۔ مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جس کو غلط سمجھا اُس کو قبول نہیں کیا۔ کٹ مرنا گوارا کرلیا، جھکنا گوارا نہ کیا۔۔۔ یہ ہے اصل حسینیت کہ باطل کے مقابلے میں یوں ڈٹ جائیں۔ سر جاتا ہے تو چلا جائے۔۔۔ خاندان قربان ہوتا ہے تو قربان ہو جائے لیکن باطل کے سامنے جھک نہیں سکتے۔۔۔

مرزائیت کی اشاعت

اَب میں پوچھتا ہوں کہ بتائیے یہ صفت کس جماعت میں موجود ہے؟ اگر آپ غور کریں اور دیکھیں تو حقیقت خود ہی سمجھ جائیں گے۔ کیونکہ ہم تو جب سے پاکستان بنا ہے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے چلے آرہے ہیں۔۔ یہ حقیقت ہے جس طرح پاکستان بنتے ہی مرزائیت نے یہاں بال و پَر نکال لئے تھے۔ کہ چوہدری ظفراللہ مرزائی کو پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا گیا تھا، ۔۔ بڑے بڑے عہدے مرزائیوں کو دے کر علی الاعلان مرزائیت کی اشاعت شروع کرا دی گئی تھی۔۔۔

اگر دیوبندی نسبت رکھنے والے پاکستان نہ آتے، اور مرزائیوں کا مقابلہ نہ کرتے تو آج حالات کچھ سے کچھ ہوتے۔ لیکن آفرین صد آفرین دیوبندی نسبت

رکھنے والے سرفروشوں نے مرزائیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ ناموسِ رسالت کے تحفظ اورمرزائی ناسُور کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کیا، خطابات کئے، تقریریں کیں ، جلسے کئے ،قیدو بند کی صعوبتیں برداشت کیں،اپنے سینوں پہ گولیاں کھائیں اور مرزائیت کے خلاف خم ٹھونک کر جہاد کیا۔۔۔کوئی دس ہزار 10000 نوجوان اِس معرکہ میں شہید ہوئے۔۔۔

تحریک ختم نبوت اور طائفہ منصورہ کی صفت

مرزائیت کے خلاف ختم نبوت کی تحریک ابتداءً 1953ء میں چلی ،جس نے مرزائیت کی کشتی میں سوراخ کر دیا تھا۔ جو آہستہ آہستہ بڑھتا رہا، بالآخر 1974ء تک اُن کی کشتی ڈوب گئی اور اُن کو غیر مسلم ثابت کر کے اُن کی تبلیغ پر ایک بند باندھ دیا گیا۔۔۔ یہ ڈٹ جانے والے فدائی اور اُس تحریک کو اپنے منطقی انجام تک لے جانے والے کون لوگ تھے؟ وہی تھے جن کی نسبت دیوبند کی طرف تھی۔ اگر یہ لوگ اُس وقت سینہ سپر نہ ہوتے تو شاید یہ پورے کا پورا ملک مرزائیت کے قبضے میں آ جاتا۔

اُس تحریک میں ہم نے دیکھا کہ جُرأتوں وہمتوں کے متوالوں نے اِس سبق کو بار بار دہرایا کہ۔۔۔ گردن کٹ تو سکتی ہے جھک نہیں سکتی۔۔۔ اِسی کو کہتے ہیں حسینیت۔۔۔کہ جس کو حق سمجھ لیا اُس پہ ڈٹ گئے، گردن جاتی ہے تو جائے ، سر اُڑتا ہے تو اُڑ جائے ، خاندان قربان ہوتا ہے تو ہو جائے ، مال لُٹتا ہے تو لُٹے لیکن جس کو حق سمجھ لیا اُس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔۔۔

تو یہ عنوان کہ باطل کے سامنے گردن جھک نہیں سکتی، کٹ سکتی ہے۔ یہ صفت اِس طائفہ منصورہ کی ہے۔۔۔اگر اِس جذبہ حسینیت کی آپ کو تلاش ہے تو

- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی زندگی میں ملے گی۔۔۔
- مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی شکل میں ملے گی۔۔۔
- سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی شکل میں ملے گی۔۔۔

- قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ کی شکل میں ملے گی۔۔۔
- مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ کی شکل میں ملے گی۔۔۔

خدماتِ علماء دیوبند

آج بھی مجاہدین کی اکثر جماعتوں ،حق کا نعرہ بلند کرنے والے مستانوں، حسینیت کو سینے سے لگائے دیوانوں کا تعلق اِسی گروہ اور اِسی طائفہ سے ہے، جس کی صفت یہ ہے کہ باطل کے سامنے جھکنا نہیں، سر دے دینا ہے۔ یہ گردن جھک نہیں سکتی کٹ سکتی ہے۔ جب ایک بات کو حق بات سمجھ لیا، ڈٹ گئے۔۔ پھر جو مصیبت آئی برداشت کی۔۔۔ ناخن کھنچوائے۔۔۔ چمڑے اتروائے۔۔۔ بھوک برداشت کی۔۔۔ کون سا ظلم وتشدد ہے جو اِس جماعت پر پاکستان میں نہیں ہوا؟۔۔۔اور کس پامردی اور ہمت سے اِس جماعت نے برداشت کیا!!

- لوگ حسین رضی اللہ عنہ کا نام لے کر چوریاں کھاتے ہیں۔۔۔
- کونڈے اُڑاتے ہیں۔۔۔شربت پیتے ہیں۔۔۔
- عیاشیاں کرتے ہیں۔۔۔لیکن اصل حسینیت کا جامہ کس نے پہنا ہے؟۔

اِس نے پہنا ہے جس نے حق کی خاطر اپنی جان تو دے دی لیکن جھکا نہیں۔

- اِس دور میں بھی اگر حسینیت باقی ہے تو انہی لوگوں کے نام سے باقی ہے۔
- مرزائیت کے فتنے کے خلاف یہ ڈٹے۔۔۔
- منکرینِ حدیث کے فتنے کے خلاف یہ ڈٹے۔۔۔

اِسی پاکستان میں انکارِ حدیث کا فتنہ شروع ہوا اور یہ بھی ایک طرح کا ارتداد تھا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات زیر بحث آئی کہ اُن کا قول حجت نہیں ہے۔۔۔آپ کا فعل حجت نہیں ہے۔۔۔ ہم قرآن کریم سے براہِ راست جو کچھ سمجھیں گے اِس کے مطابق عمل کریں گے۔۔۔اِس فتنہ کی سرکوبی اور مقابلے میں یہی آئے۔۔۔ بلکہ انکے خلاف ایک پورے کا پورا کتب خانہ تیار کر کے رکھ دیا۔

میں سارے فتنے آپ کے سامنے کیا بیان کروں کہ ''یُقَاتِلُوْنَ اَھْلَ الْفِتَنِ''۔۔۔ جو اِس طائفہ منصورہ کی صفت سمجھ میں آتی ہے ہم نے تو اپنی زندگی بھر دیکھا ہے کہ اھلِ فتن کے خلاف لڑنے والے لوگ یہی ہیں۔۔۔

- جہالت کے خلاف ان کا جہاد ہے۔۔۔
- کفر کے خلاف ان کا جہاد ہے۔۔۔
- ارتداد کے خلاف ان کا جہاد ہے۔۔۔
- سیاست کا میدان ہو تو یہ لڑ رہے ہیں۔۔۔
- تصوف کا میدان ہو تو جاہل صوفیوں کے خلاف یہ حق کا پرچار کر رہے ہیں۔۔۔
- فقہ کے میدان میں دیکھو تو یہ کھڑے ہیں۔۔۔
- حدیث کو دیکھو تو انہی کے مدرسوں اور انہی کی مجلسوں سے حدیث کی اشاعت ہو رہی ہے۔۔۔
- تفسیر اور قرآن دیکھو تو انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔۔۔
- دین کی اشاعت انہی لوگوں سے ہو رہی ہے۔۔۔

دیوبندی مسلک کی جان

اِس لئے آپ اپنی قسمت پہ ناز کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان اہلِ حق کے ساتھ جوڑ دیا اور آج ہمارے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ ہم ان لوگوں کے نام لیوا ہیں، ہم ان جیسا عمل نہیں کر سکتے ہم کمزور ہیں، ہمارا علم کمزور ہے، ہماری قوتِ عملیہ کمزور ہے، اللہ ہمیں کسی ابتلاء میں نہ ڈالے۔لیکن اگر کوئی اللہ کی طرف سے ابتلاء آ جائے تو دیکھا ہوگا آپ نے، پھر اِس ابتلاء میں پورے اُترنے والے اِسی مسلک کے لوگ ہیں۔

اِس لئے اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہاری نسبت اُس جماعت کے ساتھ ہے جس

جماعت کا پیشہ ہے کہ حق کے لئے اپنا خون بہا دو، حق کے لئے اپنی گردن کٹا دو، دنیا کا ہر ظلم برداشت ہوسکتا ہے لیکن ظلم کے سامنے گردن نہیں جھکائی جاسکتی۔

اِس لیے میں نے آپ کو تعارف کروایا کہ آپ کون لوگ ہیں، آپ گیدڑ نہیں، لومڑیوں کی نسل نہیں ،آپ شیر کی اولاد ہیں۔۔۔اپنے آپ کو پہچانو جب تک انسان اپنے آپ کو پہچانتا نہیں وہ اپنی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کرسکتا۔

مشہور ہے شیر کا بچہ بھیڑوں میں داخل ہو گیا تو اپنے آپ کو بھیڑ سمجھتا رہا، جس وقت تک اُس کو شعور نہیں آیا وہ نہیں سمجھا کہ میری خصوصیات کیا ہیں۔۔۔ اِسی طرح جن کے تم نام لیوا ہو اُن کا شیوہ ہے حق پر جم جانا، حق کو سمجھنا اور سمجھانا، دنیا کی عیش وعشرت اِس طائفہ کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔

- دنیا کو لات مارتے ہیں۔۔۔
- لاکھوں میں نہیں خریدے جاسکتے۔۔۔
- کروڑوں میں نہیں خریدے جاسکتے۔۔۔!!

طالبان کی اِستقامت

اِسی جماعت کا نام لینے والی ایک جماعت اللہ کے فضل سے حکومت کے رنگ میں نمایاں ہوئی جس کو ہم ملاّ عمر کی جماعت کہتے ہیں اور افغانستان کی جماعت کہتے ہیں۔ پچھلے دنوں آپ نے دیکھا ہوگا۔۔۔

- کروڑوں میں نہیں خریدے جاسکے۔۔۔
- اَربوں میں نہیں خریدے جاسکے۔۔۔

جب ایک بات کو حق سمجھ لیا، پوری دنیا کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی!!

دیو بندیت ہے کیا؟۔۔۔

یہ ہے اصل کے اعتبار سے دیو بندیت، اپنے اندر اِنہی صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ حق بات سامنے آجانے کے بعد کوئی لالچ نہیں ہونا چاہئے، کوئی خوف

نہیں ہونا چاہئے۔ آپ شیر کے بچے ہیں، آج آپ نے صحیح طور پر دیوبندی کا مفہوم سمجھ لیا۔ یہ بھولنے نہ پائے کہ دیوبندیت کس کا نام ہے؟

- دیوبندیت نام ہے قربانی کا۔۔۔
- دیوبندیت نام ہے ایثار کا۔۔۔
- دیوبندیت نام ہے باطل کے مقابلے میں دندنانے کا، ڈٹ جانے کا۔۔۔

یہ صفات اپنے اندر پیدا کرو۔۔۔ تو آنے والے وقت میں ان شاء اللہ العزیز آپ سُرخرو ہوں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اِسی جماعت سے اٹھائے گا۔

اب پاکستان میں پہلی دفعہ دیوبند کی ڈیڑھ سو سالہ خدمات کو نمایاں کرنے کے لئے پشاور میں ایک کانفرنس ہو رہی ہے، جانا نہ جانا یہ اپنے اسباب و وسائل کی بات ہے۔ ظاہر ہے اِس میں کچھ خرچ بھی ہوگا۔۔۔ مشقت بھی ہوگی۔۔۔ لیکن ہر دل کی یہ تمنا ہونی چاہئے کہ اللہ کریم اِس کو کامیاب کرے اور اِس کے لئے پورے خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کریں، اللہ اِس مجمع کی حفاظت فرمائے اور اِس کو پوری دنیا میں دین کے روشن ہونے کا ذریعہ بنائے۔ اِسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اہمیت علم

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔(سورہ بقرہ۔آیت ۱۳۰)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ۔

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ''۔

تمہید

واجب الاحترام قابل قدر دوستو اور عزیز طلبہ! آپ کے سامنے قرآن کریم کی جو دو آیتیں پڑھیں ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہماری ملت "**ملت اِبراھیمی**" ہے۔

قرآن کریم میں بار بار ملتِ ابراہیم کا ذکر آیا ہے، کہ ملتِ ابراہیم کو لازم پکڑو "**اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا**" "ابراہیم حنیف کے طریقے کی اتباع کرو"۔ قرآن کریم میں مختلف انداز میں اِس کو بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِن آیات میں **ملتِ ابراھیم** کا تعارف کرایا گیا

ملت ابراہیم کا تعارف

ملت ابراہیم ہے کیا؟ قرآن کریم میں اَنبیاء کرام کے واقعات کثرت سے ذکر ہوئے ہیں، اور اِن واقعات میں اللہ تعالیٰ نے دین کی بہت سی حکمتوں کو واضح کیا ہے۔ اگر انسان ان واقعات میں غور کرتا رہے تو دین کے بے شمار حقائق کی نشان دہی ہوتی ہے۔۔

علماء کا اعزاز

خاص طور پر طلباء اور علماء کو کثرت سے اَنبیاء علیہم السلام کے واقعات پڑھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو انبیاء کا وارث فرمایا ہے، وہ ورثۃ الانبیاء قرار دیے گئے ہیں۔

اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (ترمذی ۲/۹۷ ابوداود ۲/۱۵۷)......

"علماء اَنبیاء کے وارث ہیں"۔۔۔

معلوم ہُوا علماء کو اَنبیاء سے ایک خاص نسبت ہے۔ لھٰذا ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم اَنبیاء کرام کے طریقے کو سمجھیں، اُن کے جذبات کو سمجھیں، اُن کے طرز زندگی

کو جانیں، تا کہ ہم اُن کی میراث کا حق ادا کرسکیں۔۔ ہم بھی اِسی طریقے کو اپنائیں، اِسی طرز کو اپنائیں اور اِسی نمونے کو اختیار کریں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ جو دین اَنبیاء کی وساطت سے مخلوق کو دینا چاہتے ہیں ۔وہ آگے مخلوق میں علماء کی وساطت سے چلتا رہے ، اِس لئے کہ علماء ہی اَنبیاء کے وارث ہیں، آپ جانتے ہیں کہ اَنبیاء کرام کا جو سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہُوا تھا وہ سرور کائنات ﷺ پر ختم ہو گیا۔

واقعات کا تقاضا

چاہیئے تو یہ تھا کہ میں آدم علیہ السلام سے واقعات کو شروع کرتا، لیکن وقت کی مناسبت سے میں نے پہلے حضرت ابراہیم کے واقعہ کو اختیار کیا ہے۔ چونکہ آگے ذوالحجہ کا مہینہ آرہا ہے، جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے۔ یہ واقعہ حضرت ابراہیم کی تاریخ کا ایک روشن پہلو ہے جو اِس مہینہ میں پیش آیا، اِس مناسبت سے میں نے حضرت ابراہیم پہ آیات بینات منتخب کی ہیں اور آنے والے پروگراموں میں کچھ چیدہ چیدہ واقعات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آپ کے سامنے ذکر کروں گا۔ یہ واقعات بطور قصہ کے نہیں جیسے قصہ کہانی سنائی جاتی ہے بلکہ اِن واقعات سے سبق حاصل کرنے اور اِن سے نتائج اخذ کرنے کے لئے چند اہم چیزیں ذکر کی جائیں گی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر کا ماحول

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس ماحول میں پیدا ہوئے وہ کفر و شرک کا ماحول تھا، شرک کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور ان شاء اللہ العزیز آپ کو وقتاً فوقتاً اِس بارے میں بھی بتاتے رہیں گے۔۔ ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں جو شرک پایا جاتا تھا۔قرآن کریم نے اِس شرک کے دو شعبے ذکر کئے ہیں

ایک ستارہ پرستی اور ایک بت پرستی۔۔ اِس کی تفصیل بھی آپ کے سامنے آجائے گی، لیکن سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بالکل مخالف ماحول میں اَنبیاء

کرام تشریف لاتے ہیں اور مخالف ماحول میں رہ کر پرورش پاتے ہیں، لیکن اُس ماحول کا رنگ اور اثر قبول نہیں کرتے۔ عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہے، جیسا ماحول ہو ویسا انسان بنتا ہے اور یہ بات خلاف واقع بھی نہیں۔!!

ہر بچہ فطرت اِسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

سرور کائنات ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ......

ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن ۔۔۔

فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ (بخاری ۱/۱۸۵۔ مسلم ۲/۳۳۶)

اُس کے والدین اُس کو یہودی بناتے ہیں، یا اُس کو نصرانی بناتے ہیں، یا اُس کو مجوسی بناتے ہیں۔

عام مشاہدہ ہے کہ بچہ جس خاندان میں پیدا ہوتا ہے اکثر و بیشتر اُس کے نظریات اور جذبات و خیالات، اُسی خاندان کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہودیوں کے خاندان میں پیدا ہونے والا بچہ یہودی ہو جائے گا، عیسائیوں کے گھر پیدا ہوا تو عیسائی ہو جائے گا، مجوسیوں کے گھر پیدا ہوا تو مجوسی ہو جائے گا۔

اِس لئے ہمیں اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہئے کہ اُس نے ہمیں مسلمانوں کے گھر میں پیدا فرمایا۔۔ ہوش سنبھالا تو ہمارے سامنے کلمہ آیا۔۔۔ اللہ کا نام آیا۔۔۔ اللہ کے رسول کا نام آیا جس سے ہمیں یہ دین حق قبول کرنے کی توفیق ملی ۔ **والحمد لله على ذلك**

ورنہ عموماً بچے اپنے ماحول میں ڈھل جاتے ہیں۔ جیسا ماحول ہوتا ہے ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔ جیسے سکھوں کے گھر پیدا ہونے والے بچے سکھ ہو گئے، وہ گردواروں میں جانا شروع کر دیں گے۔۔ ہندوؤں کے گھر پیدا ہونے والے بچے ہندو ہو گئے وہ مندروں میں جانا شروع کر دیں گے۔۔ عیسائیوں کے گھر پیدا ہونے والے بچے عیسائی

ہو گئے وہ گرجا گھروں میں جانا شروع کر دیں گے۔ کیونکہ کشتی اکثر و بیشتر ادہر ہی کو چلتی ہے جدھر دریا کا رخ ہوتا ہے، پانی کا رخ ہوتا ہے۔

چنانچہ انبیاء ہمیشہ آئے تو مخالف ماحول میں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو صحیح فطرت دی ہوتی ہے، کہ وہ ماحول کا رنگ نہیں قبول کرتے۔ حالانکہ ابھی اُن کو پتہ نہیں ہوتا کہ ہم اللہ کے نبی ہیں،۔ نہ اُن کے اوپر کوئی وحی آئی ۔۔ نہ اُن کے اوپر اللہ کی طرف سے کوئی علم اُترا، لیکن وہ ہر بُرائی سے بچتے ہیں۔ بُرا ماحول اُن پر اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ فطرتاً اُن کو بُرائی سے نفرت ہوتی ہے۔

ایک مثال

آپ کو سمجھانے کے لئے مثال دے دوں کہ جاہل سے جاہل آدمی جس کے سامنے کوئی علم کی بات نہ آئی ہو۔ نرا اَن پڑھ ہو۔ جنگل کا رہنے والا ہو۔ ،وہ کبھی بھی گوبَر نہیں کھاتا۔۔ آپ نے کبھی کسی جاہل آدمی کو گوبَر کھاتے ہوئے دیکھا؟ کیونکہ فطرتاً اُسے گوبر سے نفرت ہے، گندگی سے نفرت ہے۔۔ خواہ اُس کو حلال وحرام کا پتہ ہو یا نہ ہو۔۔ کسی نے اُس کو نفع ونقصان سمجھایا ہو یا نہ سمجھایا ہو۔۔ ایک انسان، بشرطیکہ اُس کا دماغ صحیح ہو، پاگل نہ ہو کبھی گوبَر، گندگی نہیں کھاتا کیونکہ اُس کی فطرت اِس سے نفرت کرتی ہے،۔

جس طرح ایک با ہوش انسان گوبر اور نجاست سے نفرت کرتا ہے۔ اَنبیاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ایسے ہی نفرت ہوتی ہے۔ ابھی اُن کے اوپر علم اُترا نہیں ہوتا، نہ وحی آئی ہوتی ہے نہ کسی نے سمجھایا ہوتا ہے، لیکن اپنی پاک فطرت کی وجہ سے وہ ہر بُرائی سے بچتے ہیں اور اُن کے دامن پر برائی کا کوئی دھبہ نہیں ہوتا۔

اَنبیاء کی پاک دامنی۔

اِس کی وجہ یہ ہے کہ کل کو اُنہوں نے لوگوں کے سامنے پیش ہونا ہے، اور لوگوں کو اللہ کی فرمانبرداری کا سبق دینا ہے، سمجھانا ہے، اور اگر وہ بھی اُسی ماحول میں

رنگ جاتے اور اُسی قسم کی حرکتیں کرتے، جس طرح ایک مشرک حرکتیں کرتا ہے، تو اُن کی بات وہ وزن نہ رکھتی۔ بہت سے لوگ کہتے کہ پہلے تو آپ بھی ایسے ہی تھے۔ اَب آپ نے ایسی باتیں کرنا شروع کر دیں، اس لیے نبی کا دامن بالکل صاف ہوتا ہے، بد سے بدتر دشمن بھی اُن پر انگلی نہیں اُٹھا سکتا کہ تو نے فلاں وقت میں یہ کوتاہی کی تھی، آج تو ہمیں چوری سے روکتا ہے، کل تو بھی چوری کرتا تھا۔ آج تُو ہمیں شراب نوشی سے روکتا ہے، کل تُو بھی شراب پیتا تھا۔ کوئی بدتر سے بدتر دشمن بھی (اَنبیاء پر) اِس قسم کا الزام نہیں لگا سکتا یہ بات آپ ذہن میں رکھیں۔

آج علم کا دور دورہ ہے

آج علم کا دور دورہ ہے، ہوش سنبھالتے ہی انسان کے سامنے حلال وحرام کی تفصیل اپنے ماحول میں آنی شروع ہو جاتی ہے۔ کل کو آپ حضرات نے بھی قوم کے سامنے ایک ہادی کے رُوپ میں پیش ہونا ہے، اور اپنی قوم کو سمجھانا ہے۔ اب اگر آپ یہ چاہیں کہ ہمیں موافق ماحول ملے، ہر جگہ موافق ماحول نہیں ملا کرتا، اکثر وبیشتر انسان کو مخالف ماحول ملتا ہے اور اُس کی مخالفت مختلف انداز سے ہوتی ہے۔ لہٰذا مخالف ماحول میں بیٹھ کر اُس کا مقابلہ کرنا اور اپنا ماحول بنانے کی کوشش کرنا یہ بھی ”ورثة الانبیاء“ کا کام ہے۔

حدیث بے خبراں

آپ جس ماحول میں جائیں ویسے بن جائیں۔ اپنے آپ کو اُس ماحول میں ڈھال لیں۔۔ قطع نظر اِس کے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اَنبیاء کے ساتھ اپنی نسبت کا خیال نہیں کیا۔۔۔ چلو تم اُدھر کو ہَوا ہو جدھر کی۔ یہ ایک جاہلانہ بات ہے کہ جدھر ہوا کا رخ دیکھا، چلنا شروع کر دیا۔ یہ کوئی عقل مندی یا علم کی بات نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے بھی کچھ ایسی ہی بات کہی ہے کہ:

حدیث بے خبراں اَست کہ زمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو بہ زمانہ ستیز

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ یہ جاہلوں کی بات ہے ، بے خبروں کی بات ہے کہ زمانے کے ساتھ موافقت کرتے رہو اپنے ماحول کے ساتھ موافقت رکھو، جیسا ماحول ہو ویسے بن جایا کرو، یہ حدیث بے خبراں ہے۔

اور خبر داروں کی بات کیا ہے؟ کہ ''زمانہ با تو نہ سازد تو بہ زمانہ ستیز'' اگر زمانہ تیرے ساتھ موافقت نہیں کرتا تو زمانے سے لڑائی لڑ اور زمانے کو اپنے رُخ پر چلانے کی کوشش کر نہ یہ کہ تو خود زمانے کے رُخ پر چل پڑے۔ یہ علم کا تقاضا نہیں، ماحول سے ٹکرا ٹکرا کے اپنا ماحول بنانا اور علم کو جہالت کے اوپر غالب کرنا ، اصل کمال ہے۔۔۔

اہل علم کا منصب

درحقیقت اہلِ علم کا منصب یہی ہے اور اَنبیاء کی سیرت کا پہلا سبق یہی ہے کہ مخالف ماحول کے ساتھ ہرگز موافقت نہ کرو، بلکہ مخالف ماحول میں بیٹھ کر اور اِس سے ٹکرا کر ماحول کا رُخ بدلو۔۔اور اِس ماحول پر اپنا رنگ چڑھانے کی کوشش کرو، دوسرے کا رنگ قبول نہ کرو۔۔

اِس لئے آپ طالب علمی کے زمانہ سے ہی اِس بات کی رعایت رکھیں کہ۔۔۔ آپ کا دامن بے داغ ہو۔۔آپ کا کردار اچھا ہو۔۔اور کل کو تم جب ہادی بن کر سامنے آؤ۔۔ واعظ بن کر سامنے آؤ تو۔۔تمہارے جاننے والے طعنہ نہ دے سکیں کہ کل تک تمہارا حال یہ تھا اور آج تم ایسی باتیں کرتے ہو؟۔۔اِس طرح انسان کی شخصیت بے وزن ہو جاتی ہے اور اُس کی بات میں قوت نہیں پیدا ہوتی۔۔۔ ویسے بھی طالب علموں کے لئے تقویٰ ،اور نیکی زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اِس سے علم میں برکت ہوتی ہے،اور علم دل و دماغ میں اترتا ہے۔۔۔

تخفیف کا زمانہ

بُرائی کی عادتیں انسان کو علم سے محروم کر دیتی ہیں، شاید آپ نے دیکھا ہو

گا کہ ایک کتاب نُورُ الِایضَاح ہوا کرتی تھی جو قُدُورِی شریف سے پہلے پڑھایا کرتے تھے۔۔ اِس کے بعد قدوری کی باری آتی۔اَب جَب سے تخفیف کا زمانہ آیا تو بہت سی کارآمد کتابیں ہاتھوں سے چھوٹ گئی ہیں۔۔۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، کہ اپنے مولانا منیر احمد صاحب کو میں نے پہلے نورالایضاح پڑھائی پھر قدوری پڑھائی۔یہ اُن دنوں کی بات ہے جب مولانا طالب علم تھے۔ پہلے ہمارے مدارس میں دونوں کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔۔۔

نورالایضاح پر حاشیہ مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی تھے، شیخ الادب اور شیخ الفقہ بھی تھے، نورالایضاح کے علاوہ کنزالدقائق پر بھی اُن کا حاشیہ ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے۔مدارس میں پڑھائی جانے والی نَفْحَۃُ الْعَرَب کتاب اُنہیں کی لکھی ہوئی ہے، اُنہوں نے نورالایضاح کے شروع میں ایک بلیغ ''مقدمه'' لکھا ہے۔

اِس مقدمہ میں طالب علموں کے لئے کچھ نصیحتیں بھی کی ہیں کہ کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جن سے قوتِ حافظہ کو نقصان پہنچتا ہے،اور کن چیزوں سے طالب علموں کو بچنا چاہیے۔ کیونکہ سب سے قیمتی چیز طالب علم کے لئے حافظہ ہے، حافظہ ایک ایسی قوت ہے جو طالب علم کے لئے خزانے کا کام دیتا ہے۔ جو آپ پڑھیں محفوظ ہوتا چلا جائے، یہ قوت حافظہ ہی کا کام ہے۔

اور اگر کسی کا حافظہ نہیں ہے تو صبح پڑھے گا شام کو بھولتا چلا جائے گا۔۔ اِس کے پاس علم جمع نہیں ہوتا، قوتِ حافظہ ہی تو ہے جو سارے علم کو، معلومات کو جمع کرتی ہے، لھٰذا اِس قوت کی حفاظت طالب علم کے لئے بہت ضروری ہے۔ جب طالب علم اِس قوت کی حفاظت کرے گا تب جا کر علم اُس کے پاس محفوظ ہو گا اور اپنے علم سے فائدہ اٹھا سکے گا، اور حافظہ کا دشمن نسیان ہے۔۔۔نسیان کا معنیٰ ہوتا ہے بھول جانا، کہ بات سُنی اور بھول گئے۔۔

مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں ایک روایت آتی ہے ''آفَۃُ الْعِلْمِ

النِّسْیَان‘‘ (مشکوۃ ا/۳۷۔دارمی ۔رقم ۶۲۲) علم پر آنے والی آفت نسیان ہے کہ انسان جب بھولنے لگ جائے تو یوں سمجھو کہ علم کے اوپر آفت آ گئی اِس سے علم ضائع ہوجاتا ہے۔۔اَب کون کون سی چیزیں نسیان پیدا کرتی ہیں اور کون کون سی چیزیں حافظہ کو ترقی دیتی ہیں، اِس سلسلے میں مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ بڑی کارآمد ہدایات دی ہیں۔۔آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کہ طالب علم کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ تقویٰ کی زندگی اختیار کرے۔۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟۔۔تقویٰ کا معنی ہوتا ہے محرمات سے بچنا، فرائض کا ادا کرنا، گناہوں سے بچنا، نیکی کرنا۔۔اور فرائض میں کوتاہی کرنا، محرمات کا ارتکاب کرنا، معصیت کا ارتکاب کرنا، کسی کو نیکی سے روکنا، یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔۔اللہ کا خوف ہر وقت مسلط ہو، اور اللہ کے خوف سے گناہوں کو چھوڑ دیں اور نیکی کریں۔تو میں بات کر رہا تھا کہ جو طالب علم اپنی طالب علمی کے زمانہ میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا۔۔اپنی پڑھائی کے دوران تقویٰ اختیار نہیں کرتا۔۔مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس کو تین سزاؤں میں سے کسی ایک سزا میں مبتلا کر دیتے ہیں۔۔۔

ایک سزا تو اُس کو یہ ملتی ہے کہ عموماً وہ جوانی میں مرجاتا ہے۔۔دوسری سزا اُس کو یہ ملتی ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ چلا جاتا ہے، جہاں وہ مجبوراً اپنا علم ضائع کر دیتا ہے۔۔جیسے کسی دیہات میں چلا گیا، جہاں پڑھنے پڑھانے کا کوئی نظم نہیں تھا۔ اِس طریقے سے اُس کا علم ضائع ہو جاتا ہے۔۔اور تیسری سزا کے طور پر یہ بات لکھی ہے کہ وہ سرکاری نوکر بن جاتا ہے، حکومت کی ملازمت میں چلا جاتا ہے، خدمتِ سلطان میں لگ جاتا ہے۔۔۔کیونکہ جب آدمی سرکاری نوکر ہو جائے تو سوائے اپنا پیٹ پالنے کے اُس کے سامنے کوئی اور بات نہیں ہوتی۔تو علم جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا وہ مقصد ہی ختم ہوجاتا ہے۔۔۔حاصل ان سب کا یہ ہے کہ اُس کا علم بے فائدہ رہ جاتا ہے۔خود اُس کو بھی فائدہ نہیں ہوتا اور اُس کے ذریعے مخلوق کو بھی فائدہ نہیں ہوتا۔۔۔

بدکار طالب علم کی سزا

ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ جو طلباء زمانہ طالب علمی میں زیادہ بدکردار ہوں وہ

اپنے اُس غیر نافع علم کے ذریعے دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اِس طرح اُن کا علم زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔یعنی وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔۔۔اِس لئے ضروری ہے کہ آپ طالب علمی کے دور میں ہی اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور اللہ سے اپنے علم کے نافع ہونے کی دُعائیں کرتے رہیں۔۔۔

طالب علمی کے زمانہ میں ضروری چیزیں

اللہ کے فرائض ادا کریں۔نماز صحیح طریقے سے پڑھ کر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگا کریں۔ اِس طرح علم میں برکت ہوتی ہے، علم محفوظ ہوتا ہے اور آنے والے وقت میں وہ علم نافع بنے گا۔۔۔جو آپ کی عزت کا باعث ہوگا، اور دوسروں کے لئے بھی باعثِ افتخار ہوگا۔ اِس سے آخرت کی فلاح آپ کو بھی ملے گی اور دوسروں کے لئے بھی آپ فلاح ونجات کا ذریعہ بنیں گے۔(ان شاء اللہ)

اَنبیاء کی سنت

اِس لئے اَنبیاء کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنی ابتدائی زندگی کو بے داغ رکھتے ہیں اور اُن کی زندگی پر کسی قسم کا کوئی داغ ، دھبہ نہیں ہوتا۔تاکہ جب وہ کل کو مقتداء بن کر آئیں تو اُن پر کوئی اُنگلی نہ اُٹھا سکے، کہ کل تم خود ایسے تھے، اور آج ہمیں ایسی باتوں سے روکتے ہو۔۔۔

آپ کی مطابقت اَنبیاء کے ساتھ جتنی حقیقی ہوگی، آپ کی زندگی کا فیضان اُتنا ہی زیادہ ہوگا۔۔۔لوگ آپ کے علم سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں گے۔۔آپ اپنی ابتدائی زندگی کو جتنا صاف ستھرا رکھیں گے، جتنا اپنے آپ کو متقی بنائیں گے، جتنی آپ اللہ کی فرمانبرداری کریں گے، اُتنی ہی اَنبیاء کی زندگی سے مطابقت زیادہ ہوتی چلی جائے گی اور اَنبیائے کرام کا انمول ورثہ پھر صحیح طور پر آپ تک پہنچے گا جسے آپ آگے پہنچائیں گے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا آغاز تبلیغ

حضرت ابراہیم علیہ السلام (جیسے میں نے عرض کیا اُن کی مفصل تاریخ بیان نہیں

کرنی) کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کروں گا۔۔۔آج کے خطبہ میں صرف ایک بات ذکر کر کے بیان ختم کرتا ہوں، اگلے بیان میں ان شاء اللہ کچھ شرک کے بارے میں بتاؤں گا کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک کی تردید کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو والد تھے آذر، قرآنِ کریم نے بار بار اَبْ کے لفظ کے ساتھ اُن کا ذکر کیا ہے جس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ تھے۔

دیکھئے آذر باپ ہے اور ابراہیم بیٹا ہے، تو حضرت ابراہیمؑ نے سب سے پہلے اپنے باپ سے تبلیغ کا آغاز کیا، یعنی اپنے گھر سے تبلیغ کا آغاز کیا، تبلیغ کی ابتداء کی ہے۔ سیدنا ابراہیمؑ اپنے باپ کو سمجھاتے ہوئے ایک بات کہتے ہیں اور اِس بات میں ایک اصول ذکر کرتے ہیں جو آپ نے آج اپنے ذہن میں بٹھانا ہے۔

توہین علم

اکثر و بیشتر آپ لوگ گھروں میں دیکھیں گے بڑے آگے ہوتے ہیں اور چھوٹے پیچھے۔۔۔چھوٹے بڑے سے مراد عمر کے لحاظ سے ہے۔ باپ چونکہ عمر میں بڑا ہے، چچا عمر میں بڑا ہے، ماں عمر میں بڑی ہوتی ہے لہٰذا اُن کے پیچھے چلیں، چھوٹوں کا کام ہے بڑوں کے پیچھے چلیں۔ یہ اِس حد تک تو دُرست ہے کہ عام معاشرتی اُصول کے مطابق آپ بڑوں کی بات مانیں لیکن اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بے دینی اور جہالت کی باتیں بھی مانیں کہ فلاں چونکہ عمر میں بڑے ہیں اِس لئے ہر حال میں لائقِ اقتداء ہیں۔۔۔۔عمر کے لحاظ سے مقتدا بننا کوئی اُصول نہیں ہے

اتباع کا اصول یہ ہے کہ علم کے پیچھے چلو، جہالت کو مغلوب کرو اور علم کو غالب کرو، یہ آج آپ اپنے ذہن میں بٹھا لیں۔۔۔ اگر آپ عالم بن کر واپس گھر جائیں اور آپ بھی انہیں رسموں کے اندر پڑ جائیں جو آپ کے بڑوں کے اندر ہیں۔۔۔ بڑے چونکہ جاہل تھے، پڑھے ہوئے نہیں تھے، اُن کے پاس علم نہیں تھا اور اُنہوں نے گھر کے اندر کوئی غلط رسم جاری کی ہوئی ہے۔ وہ گیارہویں دیتے ہیں، قبروں

پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور اِس قسم کی دوسری بدعات کرتے ہیں، اور آپ بھی باوجود علم کے اُس ماحول میں جا کر مجبور ہو کر اُن کے ساتھ لگ جائیں۔۔۔تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جہالت کو علم کے اوپر غالب کر دیا۔۔ یہ علم کی توہین ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اُصول

علم کا تقاضا ہے کہ علم کو جہالت پر غالب کرو، اِس لئے خواہ باپ ہی کیوں نہ ہو باپ سے کہو کہ چونکہ میرے پاس علم ہے اور آپ کے پاس علم نہیں، میرا طریقہ علم والا ہے اوآپ کا طریقہ جاہلانہ ہے۔۔آپ کو چاہئے کہ اپنا طریقہ چھوڑ کر میرے طریقے پہ چلیں۔۔ مجھے کیوں کہتے ہیں کہ میں اپنا طریقہ کو چھوڑ کر آپ کے طریقے پہ چلوں۔۔۔علم مغلوب ہونے کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ علم تو غالب ہونے کے لئے ہوتا ہے۔۔۔یہ اصول حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے سامنے رکھا ہے۔فرمایا:۔۔

اِنِّیْ قَدْ جَاءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْ (سورہ مریم۔آیت ۴۳)......

میرے پاس علم آ گیا، جو آپ کے پاس نہیں، پس آپ میرے پیچھے چلیے ''فاتبعنی اھدك صراطا سویا'' میں آپ کو سیدھے راستے پر چلاؤں گا۔۔اِس لئے ناسازگار ماحول میں جا کر مرعوب ہو جانا اور اسی دھارے میں بہہ جانا اہل علم کا کام نہیں ۔۔۔''ورثة الانبیاء''کا کام نہیں۔

ورثۃ الانبیاء کا کام

ورثۃ الانبیاء کا کام یہ ہے کہ اپنے علم کو دوسروں پر غالب کر دیں، اور دوسرے کی جہالت کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دیں، تب جا کر آپ ورثۃ الانبیاء کا مصداق بنیں گے اور ورثۃ الانبیاء کا کام کریں گے۔۔۔اور اپنے منصب کی رعایت رکھیں گے۔۔۔ اگر آپ نے جہالت کو اپنے اوپر غالب کر دیا کہ جو جاہلانہ طریقے گھر میں جاری ہیں وہی آپ نے بھی اپنانا شروع کر دیئے۔۔جو غلط طرز برادری کے اندر جاری ہے آپ نے وہی اپنانا شروع کر دیا تو اِس کا مطلب ہے کہ آپ نے جہالت کو غالب کر دیا، اور

علم کو مغلوب کر دیا، یہ علم کی رعایت نہیں ہے۔۔۔بلکہ یہ علم کی بے عزتی اور توہین ہے۔

یہی بات حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے سامنے رکھی تھی۔۔۔اور آپ یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لیں کہ رسموں کو رد کرنا، رسموں کو چھوڑنا، بدعات کو برادری سے چھوڑانا یہ آپ کا پہلا کام اور اولین ذمہ داری ہے۔ اگر برادری نہیں چھوڑتی تو کم از کم ایسے موقع پر آپ خود احتجاجاً اُس سے علیحدہ ہو جائیں۔۔۔آپ کہیں کہ یہ غلط طریقہ ہے میں شریک نہیں ہوتا۔۔۔ یا تو آپ علم کی بات مانیں اور علم کے طریقے پر چلیں۔۔۔ورنہ میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا۔

آپ یہ قوت اور طاقت اپنے اندر پیدا کریں گے تب جا کر آپ اَنبیاء کے وارث بنیں گے اور اَنبیاء کی وراثت کا حق ادا ہوگا، ورنہ چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی، یہ جاہلانہ اصول اپنانے کے ساتھ علم کی توہین ہو جائے گی۔ اللہ سمجھنے کی اور اِس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

دینی مدارس اور کالج

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔

’’اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ‘‘۔

آغازِ تعلیم

واجب الاحترام قابل قدر دوستو! جو آیتیں میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان میں اللہ نے اپنے محبوب کو حکم دیا ہے۔**اِقْرَاْ** ۔۔۔اقراء کا معنی ہے تو پڑھ۔۔۔اُس رب کے نام سے جس نے تُجھے پیدا کیا۔ پڑھنے کا حکم دے کر اِس وحی کو شروع کیا گیا۔۔۔اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ ......

اللہ نے آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ کو پہلے معلوم نہیں تھیں۔ اور اُن کو اللہ تعالیٰ نے فضل کبیر شمار کیا:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ كَبِيرًا (سورہ نساء۔آیت ۱۱۳)......

اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔۔۔اللہ نے آپ کو تعلیم دی، ان باتوں کی جو آپ کو معلوم نہیں تھیں۔

رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلم

اور پھر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو تعلیم دی۔۔۔آپ اُمت کے نبی تھے۔۔۔اور نبی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی جو شان بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کتاب اللہ پڑھتے ہیں۔۔۔کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہیں۔۔۔

یعلمکم الکتاب و الحکمۃ۔۔اور۔۔یعلمھم الکتاب و الحکمۃ

دونوں قسم کے الفاظ ہیں۔۔۔"اور تزکیہ کرتے ہیں"۔۔۔اور اُمت کے بارے میں بھی یہ الفاظ آئے۔۔۔

یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون (سورہ بقرہ۔آیت ۱۵۱)......

کہ اللہ کا نبی تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تمہیں معلوم نہیں۔ جیسے اللہ نے اپنے نبی کو وہ باتیں سکھائیں جو اللہ کے نبی کو معلوم نہیں تھیں۔۔۔"**علمك ما لم**

تکن تعلم“...... اِسی طرح نبی نے اپنی اُمت کو وہ باتیں سکھائیں جو اُمتیوں کو معلوم نہیں تھیں ۔۔۔ ”یُعَلِّمُکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ“...... جو تم جانتے نہیں تھے، یہ اللہ کا نبی تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے۔۔۔

علم کی قسمیں

دنیا میں انسان کے سامنے دو قسم کے علوم وفنون جاری ہیں۔۔۔ ایک علم وہ ہے جو انسان کی دنیوی ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، مثلاً انسان کو دنیا میں رہتے ہوئے خوراک کی ضرورت ہے لہٰذا خوراک کیسے پیدا کی جائے؟۔۔۔ اُس کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔۔۔ اُس کو محفوظ کیسے رکھا جائے؟۔۔۔ محکمہ زراعت والے، علم زراعت والے سب اِسی چیز پہ بحث کرتے ہیں۔

زراعت ایک علم ہے جس کے ذریعے زمین سے انسانی غذائیں حاصل کرنے کی معلومات مہیا کی جاتی ہیں۔ باغات کے متعلق معلومات ہیں ۔۔۔ کھیتیوں کے متعلق معلومات ہیں۔۔۔ نباتات کے متعلق معلومات ہیں۔۔۔ غرضیکہ یہ ایک مستقل علم ہے جس میں اِن باتوں کو بیان کیا جاتا ہے۔ اِس کے لئے باقاعدہ کالج ہیں۔۔۔ یونیورسٹیاں ہیں۔۔۔ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں ہے، ٹنڈو جام میں ہے، اِسی طرح ملک بھر میں مختلف ادارے ہیں ۔۔۔ جن میں زراعت کا علم سیکھا اور سکھایا جاتا ہے۔

فنون اور علوم میں فرق

انسان بیمار ہوتا ہے تو اُس کو صحت کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ لہٰذا اُس کی صحت کو بحال رکھنے کیلئے ۔۔۔ اُس کی بیماری کی تشخیص کرنے کیلئے ۔۔۔ اُس کی بیماری کے ازالے اور دوا تجویز کرنے کے لئے ایک مستقل فن ہے۔۔۔ جس کو آپ ڈاکٹری کا فن کہتے ہیں۔۔۔ طب کا فن کہتے ہیں ۔۔۔ جب سے دنیا آباد ہوئی، اُس وقت سے اِس فن کے ساتھ انسان کا تعلق ہے۔۔۔ اِس کے اپنے تجربات ہیں جن میں اِس بات

پر بحث ہوتی ہے کہ انسان بیمار کیوں ہوا؟۔۔ بدن میں نقص کس طرح پیدا ہو گیا؟۔۔۔ اور اِس کو زائل کیسے کرنا ہے؟ کون سی چیز کھانے سے بیماری پیدا ہوئی اور کون سی چیز کھانے سے صحت حاصل ہو گی؟۔۔۔

چونکہ صحت ایک انسان کی بہت بڑی ضرورت ہے۔لہٰذا اِس سے متعلق ایک بہت بڑا علم دنیا میں موجود ہے۔میڈیکل کالج ہیں۔۔۔ طبیہ کالج ہیں۔۔۔ یونانی حکمت ہے۔۔۔ ایلوپیتھی ہے۔۔۔ ہومیو پیتھی ہے۔۔۔ویدک ہے ۔۔۔چینی طریقۂ علاج ہے۔۔۔تو یہ سارا کا سارا علم جو دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے۔۔۔ جگہ جگہ ہسپتال ہیں، مطب ہیں ۔۔۔ڈاکٹروں اور طبیبوں کی دکانیں ہیں۔۔۔ یہ سب انسان کی صحت کو بحال رکھنے اور اُسے بیماری سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ اِن سب کی سوچوں کا محور ایک ہی ہے کہ انسان کے بدن میں بیماری پیدا کیسے ہوتی ہے؟۔۔۔اگر ہو جائے تو اُسے دور کیسے کیا جا سکتا ہے؟۔۔۔کون سی چیز اُس کی صحت کے لئے مفید ہے؟۔۔۔ کون سی چیز اُس کی صحت کے لئے مضر ہے؟۔۔۔ یہ سارے کا سارا موضوع طب سے تعلق رکھتا ہے۔۔۔ڈاکٹری سے تعلق رکھتا ہے۔

انسانی ضروریات

انسان کو زندگی گزارنے کے لئے لباس کی ضرورت ہے۔۔۔لہٰذا لباس سے متعلق ایک بڑا فن وجود میں آ گیا۔۔۔ دھاگہ کن کن چیزوں سے تیار ہوتا ہے؟۔۔۔ دھاگے سے کپڑا کیسے بنایا جاتا ہے؟۔۔۔کپڑوں کے اِستعمال کی کتنی صورتیں ہیں ؟۔۔۔ اِس کو انسان کے جسم پر فٹ کیسے کیا جاتا ہے؟۔۔۔ چونکہ انسان کو لباس کیلئے کپڑے کی ضرورت ہے،لہٰذا اِس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے بہت بڑے بڑے کارخانے ہیں، دنیا بھر میں لاکھوں لوگ اِس فن سے وابستہ ہیں جن کا کام صرف لباس اور اُس کے متعلقات پر بحث کرنا ہوتی ہے کہ دھاگے کو حاصل کرنے کے بعد کپڑا کیسے بنانا ہے؟۔۔۔سردیوں کے لئے گرم ۔۔۔گرمیوں کیلئے ٹھنڈا۔۔۔ موٹا ، پتلا، اُس کی

بناوٹ سجاوٹ اور سلائی کے سینکڑوں انداز۔۔ گویا لباس کے بارے میں بھی ایک مستقل فن ہے۔

مکان کی ضرورت

اِسی طرح انسان کو رہائش کے لئے ایک مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ اِسلئے تعمیر مکان ایک مستقل فن ہے جس میں صرف اِس پہ بحث ہوتی ہے کہ مکان کس طرح بنانا ہے؟۔۔۔ کوٹھی کس طرح بنانی ہے؟۔۔۔ کیسے آرام دہ ہوگی؟۔۔۔ کیسے ہوا دار ہوگی؟۔۔ کیسے مضبوط رہے گی؟ اور اِس میں کیا کیا چیز اِستعمال ہوگی؟۔۔ اگر آپ اِس فن کے بارے میں جاننا چاہیں تو اِس موضوع پر معلومات کے ڈھیر ملیں گے۔۔۔

تعمیرات کا فن ایک قدیم فن ہے۔۔۔ جب سے انسان اِس دنیا میں آیا ہے، اُس وقت سے یہ فن چل رہا ہے۔۔۔ اور ترقی پہ ترقی ہو رہی ہے۔۔۔ آئے دن تعمیرات کے نت نئے طریقے آ رہے ہیں، اور پوری دنیا میں اِس فن کا چرچا ہے۔

سواری کی ضرورت

پھر آمد و رفت کے لئے دنیا کو سواری کی ضرورت ہے۔۔۔ اِس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے سواریاں بنائی جاتی ہیں۔ جن کے لئے دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔۔۔ پہلے جب سادہ زمانہ تھا تو ضرورتیں گدھے، گھوڑے سے پوری ہوتی تھیں، چونکہ انسان کوئی لمبے چوڑے سفر نہیں کرتا تھا۔۔۔ اللہ نے اُونٹ دیا۔۔۔ گھوڑا دیا۔۔۔ گدھا دیا۔۔۔ خچر دیا۔۔۔ یہ جانور اُس کی سواری کے کام آتے تھے اور آج چونکہ دنیا میں آمد و رفت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔۔۔ اور رفتارِ زندگی انتہائی تیز ہوگئی ہے جس کیلئے دور دراز کے سفر کرنے پڑتے ہیں۔۔۔ اِس کے لئے سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز تک بے شمار سواریاں بنا دی گئیں۔۔۔ جن پر سوار ہوکر آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے اور اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔۔۔ اِسی فن کی بدولت آپ سواری کی ضرورتوں کے علاوہ نئی نئی گاڑیوں کا لطف بھی لیتے ہیں۔۔۔ اَب آپ کا سفر آسان ہی نہیں ہوا بلکہ مختصر ترین ہوگیا ہے۔۔۔ یہ فن بھی دیگر فنون کی طرح دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے۔۔۔

غرضیکہ آپ کی **روٹی ---کپڑا --- صحت ---مکان --- سواری** ---اور دیگر ضرورتوں کے بارے میں ایک وسیع علم پھیلا ہوا ہے۔

اور جب سے حضرت آدم علیہ السلام اِس دنیا میں آئے اور آدم کی اولاد اِس دنیا میں آباد ہوئی ---اُس وقت سے اپنے اپنے وقت کے مطابق یہ سارے دھندے چل رہے ہیں۔

انبیاء کی تعلیم کی محتاجی

آپ تھوڑی سی توجہ فرمائیں گے تو یہ بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی کہ یہ جتنی چیزیں میں نے شمار کی ہیں --- یہ چیزیں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی محتاج نہیں ہیں--- یہ چیزیں اُن قوموں میں بھی موجود ہیں جو سرے سے خدا کے وجود کے ہی قائل نہیں ہیں۔

روسی دہریوں کی ضروریات

روسی دہریے جو خدا کے وجود کو ہی نہیں مانتے، آخر وہ بھی اپنی صحت کے لئے، اپنی رہائش کے لئے، اپنی خوراک کے لئے اور اپنی دوسری ضروریات کے لئے کوشش کرتے ہیں، سب کو ضرورت پڑتی ہے، یہ سب چیزیں ان کے ہاں بھی ہیں۔

- اُن کے ہاں زراعت بھی ہے---
- کپڑے کے کارخانے بھی ہیں---
- سواریاں بھی بن رہی ہیں---
- دوائیاں بھی بن رہی ہیں ---
- ڈاکٹری بھی چل رہی ہے---
- طب بھی چل رہی ہے---

اور ایسے لوگ جنہوں نے کبھی نبیوں کا نام نہیں سنا۔ یا جان بوجھ کر اُن سے دُشمنی رکھی اور اُن کی تعلیمات ماننے سے انکار کیا یہ فنون اُن مین بھی موجود ہیں---

- سکھوں میں یہ چیز موجود ہے۔۔۔
- ہندوؤں میں یہ چیز موجود ہے۔۔۔
- پارسیوں میں یہ چیز موجود ہے۔۔۔
- یہودیوں میں یہ چیز موجود ہے۔۔۔
- عیسائیوں میں یہ چیز موجود ہے۔۔۔
- بت پرستوں میں یہ چیز موجود ہے۔۔۔

کون سی قوم ایسی ہے کہ جس قوم میں اپنی ساری دنیوی ضروریات مہیا کرنے کے لئے **فنون** نہیں پائے جاتے؟۔۔۔ سب قوموں کے اندر یہ فنون جاری ہیں۔۔۔اِس سے معلوم ہوا کہ یہ فنون کسی **نبی** کی تعلیم کے محتاج نہیں۔

فنون کا تعلق

جو لوگ نبیوں کو نہیں مانتے، ان میں بھی یہ فن پائے جاتے ہیں۔ بلکہ جو سرے سے خدا کے وجود کے قائل نہیں ان میں بھی یہ فن پائے جاتے ہیں۔ ان کو آپ دنیا کے علوم کہہ دیجئے آپ کی مرضی، ورنہ اصل کے اعتبار سے یہ سارے **فن** انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہیں۔

- سڑکیں بنانے کا فن ہے۔۔۔
- پل بنانے کا فن ہے۔۔۔
- مکان بنانے کا فن ہے۔۔۔

اور باقی تمام چیزیں بھی جو اِس دنیا میں چل رہی ہیں ۔اُن کے متعلق اُمور سب کے سب فنون ہیں ۔۔۔جن کا تعلق انسان کے اپنے تجربے سے ہے کہ جو اِس میں زیادہ تجربہ کرتا ہے وہ اچھی سے اچھی چیز بنالیتا ہے۔۔۔ اِس میں وہ کسی نبی کی تعلیم کا محتاج نہیں ہے۔۔۔تو جب یہ **فُنُون** نبی کی تعلیم کے محتاج نہیں اور اُن کا تعلق انسان کے اپنے تجربے سے ہے تو پھر نبی کی آمد کا کیا مقصد ہے؟۔۔۔اَب بات واضح

ہُوئی کہ ''نبی تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے کہ جو تم نہیں جانتے''۔۔معلوم ہُوا اس سے یہ باتیں مراد نہیں کہ:

- نبی تمہیں یہ باتیں سکھائے کہ کپڑا کیسے بُنتا ہے۔۔۔
- نبی تمہیں یہ سکھائے کہ تم نے جوتا کیسے بنانا ہے۔۔۔
- نبی تمہیں یہ بتائے کہ تم نے پنکھا کیسے بنانا ہے۔۔۔
- نہیں۔۔ بالکل نہیں۔۔ نبی یہ باتیں سکھانے کے لئے نہیں آتا۔۔۔اور نہ یہ

چیزیں نبی کی تعلیم کی محتاج ہیں، جس طرح میں نے عرض کیا۔۔۔تو پھر آپ کو کہنا پڑے گا کہ یہ فنون جتنے بھی ہیں اِنسانی فنون ہیں۔۔۔ جو انسان کے تجربہ سے تعلق رکھتے ہیں۔۔۔ جو قوم زیادہ تجربہ کرے گی وہ زیادہ اچھی چیزیں بنا لے گی۔۔۔ اللہ کا نبی جو تعلیم دینے آتا ہے وہ یہ نہیں ہے۔

اللہ کی طرف سے نبی کو علم

اَب دیکھنا یہ ہے کہ ''عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ''۔۔۔اللہ نے تجھے وہ بات سکھائی جو تمہیں معلوم نہیں تھی۔۔۔اور۔۔۔وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ''۔۔۔۔ اور اللہ کا نبی تمہیں وہ باتیں بتلاتا ہے جو تمہیں معلوم نہیں۔اُس سے کون سا علم مراد ہے؟ جو انسان کو معلوم نہیں، اللہ کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے۔اُس میں تجربے کا دخل نہیں براہِ راست اللہ کی تعلیم سے جو حاصل ہوتا ہے، وہ علم انسان نبی کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔۔۔

- اس علم سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم ہے۔۔۔
- اللہ کی ذات وصفات کا علم ہے۔۔۔
- اللہ کی طرف سے حلال وحرام کا علم ہے۔۔۔
- اللہ کی طرف سے جائز اور ناجائز کا علم ہے۔۔۔
- اللہ تعالیٰ کی عبادت کا علم ہے۔۔۔

- اللہ کو پوجنے کا علم ہے۔۔۔

یہ علوم ایسے ہیں۔جن کا تعلق انسان کے تجربے سے نہیں۔۔۔اور یہ چیز ایسی ہے جو اللہ کے نبی کی وساطت سے حاصل ہوتی ہے۔۔۔یہی علم اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو سکھاتا ہے اور وہ اَپنے اُمتیوں کو بانٹتے ہیں۔

علم نبوت کی خاصیات

یہ علم ایسا ہے جو انسانی عقل کی پیداوار نہیں۔۔۔انسان کے تجربہ کی پیداوار نہیں۔۔۔ اِس علم کو آپ **عِلمِ الٰهی** کہہ سکتے ہیں۔۔۔ **علمِ نبوّت** بھی کہہ سکتے ہیں۔۔۔ اِس لئے جو علم نبی کی وراثت ہے، وہ علم الٰہی ہے، وہ علم نبوت ہے۔۔۔اِسی کو ہم **علمِ دین** کہتے ہیں۔۔۔قرآن و حدیث اور فقہ کا علم کہتے ہیں۔۔۔یہی علم ہے جو اللہ نے اپنے نبی کو سکھایا اور نبی نے آگے اُمتیوں کو سکھایا۔۔۔ اِس لئے یہ علم صرف اُن لوگوں میں موجود ہے جو نبی پر ایمان لاتے ہیں اور نبی سے اِس علم کو حاصل کرتے ہیں۔۔۔اور جن کے پاس نبی نہیں، نبی کا علم نہیں، اُن کو اِن باتوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔۔۔اُن کی زندگی جانوروں کی زندگی ہے۔۔۔

حیوان اور انسان میں فرق

آپ جانتے ہیں کہ تمام جانور، سارے حیوانات۔جنگلوں کے درندے، اُڑنے والے پرندے۔۔۔سب کے سب اُسی طرح اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، جیسے انسان اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔۔۔

- اپنی خوراک، اپنے چارے کی ضرورت جانور پوری کرتے ہیں۔۔۔
- گرمی سردی سے بچنے کے لئے جانور انتظام کرتے ہیں۔۔۔
- بچے پیدا کرنے اور اُن کو پالنے کا ہر جانور کے ہاں اصول ہے۔۔۔
- بچوں کے ساتھ محبت کرنے کا طریقہ ہر جانور میں موجود ہے۔۔۔
- اپنے اور اپنے بچوں کی دُشمن سے حفاظت جانور کرتے ہیں۔۔۔

❁ اپنے چھُپنے اور سر چھُپانے کا جانوروں کے ہاں انتظام ہے۔۔۔ یہ سب کام اپنے اپنے طریقوں کے مطابق جانور بھی کرتے ہیں۔۔۔ درندے بھی کرتے ہیں ۔۔۔پرندے بھی کرتے ہیں۔۔۔

اَب اگر انسان انہی ضروریات کو پورا کر کے اِتراتا پھرے ۔اور انہی کو مقصدِ حیات قرار دے تو حیوان اور انسان میں کیا فرق رہ جاتا ہے ؟۔۔۔انسان بھی ایک حیوان ہونے کی حیثیت سے باقی حیوانوں کی طرح اپنی ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ چنانچہ انسانیت کو حیوانیت سے امتیاز دلانے والا علم نبی اپنے ساتھ لاتا ہے۔اور جو انسان نبی پر ایمان لاکر اُس کی تعلیمات کو اپناتا ہے وہ جانوروں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ ورنہ عام حیوان اور نبی کی تعلیم سے بہرے انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خود اللہ فرماتے ہیں:

اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ ......

وہ سب جانوروں کی طرح ہیں۔۔۔

بَلْ هُمْ اَضَلُّ...... (سورہ اعراف۔آیت ۱۷۹)

بلکہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔۔۔

کہ **الٰھی تعلیما ت** سے دوری انسان میں بگاڑ پیدا کر دیتی ہے۔اور بگڑا ہوا انسان ہر درندے سے زیادہ درندہ ہوتاہے۔۔۔ ہر موذی سے زیادہ موذی ہوتاہے۔۔۔ ہر خون ریز سے زیادہ خون ریز ہوتاہے۔۔۔ اور ہر فسادی سے زیادہ فسادی ہوتاہے۔۔۔ اِس لئے جب یہ بگڑتا ہے تو پھر عام جانوروں کے مقابلے میں زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔ اِس کی وضاحت پھر کسی دن کروں گا کہ جب انسان بگڑتا ہے تو کیوں اور کیسے حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے، ابھی یہ بات زیر بحث نہیں ہے۔

دنیا کی کثیر آبادی کی رغبت

اب بتانا یہ ہے کہ جو علم اللہ کی طرف سے آیا، جو علم اللہ نے اپنے نبی کی وساطت سے تقسیم کروایا وہ **علم** یہ ہے جس کو ہم علم دین کہتے ہیں۔۔۔قرآن و حدیث

اور فقہ کا علم کہتے ہیں۔ باقی تمام دنیاوی فنون ہیں جو انسان کی نقد ضرورتیں پوری کرتے ہیں اِس لئے انسانوں کی کثیر آبادی ان فنون کی طرف راغب ہوتی ہے۔۔۔ لوگ اُس طرف بھاگ بھاگ کر جاتے ہیں، ہر قیمت پر اُسے سیکھتے ہیں، مہنگے سے مہنگا طریقہ اُس کے سیکھنے کیلیے اپناتے ہیں۔۔۔ لاکھوں کی فیسیں بھرتے ہیں۔۔۔ ٹیوشنیں دیتے ہیں تب جا کرکوئی فن حاصل ہوتا ہے۔۔۔ جسے انسان اِستعمال کر کے اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔۔۔

دوسری طرف یہ اللہ کا علم ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کو انتہائی سستا کیا ہُوا ہے۔ اِس کے لئے انسان کو کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ صرف اپنی نیت ٹھیک کرنی پڑتی ہے اور ایک ارادہ کرنا پڑتا ہے۔۔۔ آپ دیکھیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشی ہوئی نعمت ''**ھَـوَا**'' کی طرح ملتا ہے۔ جو دھکے دے دے کر آپ کے پاس پہنچتی ہے۔ دروازے بند کردیں تب بھی اندر گھستی ہے۔ بالکل اِسی طرح اللہ کے **دین کا علم** بھی **اللہ کا نبی** گلیوں میں پھر پھر کر۔۔۔ آوازیں لگا لگا کر بانٹتا ہے۔ اِس کے پڑھنے کے لئے نہ ٹیوشن کا مطالبہ، نہ کسی دوسری چیز کا۔۔۔

علم دین کی قیمت

آج بھی آپ دیکھ لیجئے۔۔۔ دنیا میں صرف یہی ایک علم ایسا ہے جس کو علم دین کہتے ہیں۔۔۔ جو اِسے پڑھنے کا ارادہ کرے اُس کو مفت حاصل ہوتا ہے۔۔۔ آپ سب اِس بات کے **شاھد** ہیں کہ آپ اِس علم کو حاصل کرنے کے لئے صرف اپنے وُجُود کو لے کر آجاتے ہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے خوراک کا انتظام بھی ہے۔۔۔

- اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے رہائش کا انتظام بھی ہے۔۔۔
- اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے کتابوں کا انتظام بھی ہے۔۔۔
- اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے معلمین کا انتظام بھی ہے۔۔۔

غرض طالب علم کی کون سی ضرورت ایسی ہے جو اللہ پوری نہیں کرتا؟۔۔۔
جب کوئی اللہ کے دین کا علم حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اللہ غیب سے اُس کا مُفت انتظام فرماتے ہیں۔ کوئی پیسہ نہیں، کوئی فیس نہیں، کوئی لاگت نہیں۔۔

- کتاب بھی مفت۔۔۔
- پڑھانے والا بھی مفت۔۔۔
- رہائش بھی مفت۔۔۔
- خوراک بھی مفت۔۔۔

اُسے سب کچھ مفت ملتا ہے۔۔۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے علم کی شان نہیں تو اور کیا ہے؟۔۔۔
دکھاؤ دنیا کا کوئی کالج۔۔۔ جو آپ کی ضروریات کو پورا کرے اور آپ کو ڈاکٹر بنا دے اور آپ سے کچھ نہ لے۔۔۔ ایسا کوئی سکول، ایسا کوئی کالج نہیں ملے گا جو آپ کو انجینئر بنا دے اور آپ سے کچھ نہ لے۔ اُلٹا آپ کی ضروریات بھی پوری کرے۔۔۔ ایسا کوئی ادارہ آپ کو نہیں ملے گا جو کام بھی مفت سکھائے اور دوران تربیت آپ کی ضروریات بھی مفت پوری کرے۔۔۔ یہ بات آپ کو صرف اِن دینی اداروں میں ملے گی باقی کسی ادارے میں نہیں۔۔۔
اللہ کے دین کا علم جتنا قیمتی اور انمول ہے اللہ کریم نے اُسے اُتنا ہی عام اور سستا کیا ہے۔۔۔ انبیاء نے اُسے مفت تقسیم کیا اور یہ آگے دنیا کے اندر بھی اِسی طرح سے مفت تقسیم ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ قابل قدر لوگ

اللہ تعالیٰ نے جن کو اِس علم کے لئے منتخب کرلیا، اُن کو اپنی قسمت پر فخر کرنا چاہئے کہ حقیقی علم اللہ تعالیٰ کا انہی لوگوں کے پاس ہے اور یہی طبقہ دنیا کے اندر سب سے زیادہ قابلِ قدر ہے۔۔۔ لیکن ہر دور میں دنیا دار لوگ انہی لوگوں کو اپنا دشمن سمجھتے

رہے ہیں ۔۔۔ اور انہی لوگوں کو اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے اِس طبقے کو جادۂ حق سے ہٹا کر اپنی طرح کے دنیا دار ۔۔۔ دنیا کمانے والے ۔۔۔ اور دنیا کما کر کھانے والے، عیش کرنے والے بنا دیا جائے اور انبیاء کے علم سے اِن کو محروم کر دیا جائے۔

علمی مراکز کے خلاف حکومتی پروپیگنڈے

خاص طور پر اِس دور میں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اِن مدارس کی اور اِس علم کی جتنی مخالفت ہو رہی ہے ۔۔۔ شاید اِس سے پہلے اتنی مخالفت نہ ہوئی ہو ۔۔۔ پچھلے دنوں آپ حضرات ہی کے متعلق تمام اخباروں نے لکھا ۔۔۔ ریڈیو نے کہا ۔۔۔ ٹیلی ویژن نے کہا، دہشت گرد، دہشت گرد، ۔۔۔ فساد کرنے والے، فسادی ۔۔۔ چار پانچ سال سے اتنا شور مچایا کہ سنتے سنتے کان بھی تھک گئے ۔۔۔ لیکن جب پوچھا جاتا تھا کہ کہاں دہشت گردی ہو رہی ہے؟ ۔۔۔ کون سا مدرسہ ایسا ہے جس میں فساد ہوا ہو؟ لڑائی ہوئی ہو؟ طالب علم آپس میں لڑ کر مرے ہوں؟ طالب علموں نے اُستادوں کو پیٹا ہو؟ ۔۔۔ آپس میں کوئی فساد ہوا ہو؟ ۔۔۔ کوئی توڑ پھوڑ ہوئی ہو؟ ۔۔۔ ذرا کسی مدرسے کا نام تو لو!! ۔۔۔

اور اگر آپ ہم سے پوچھیں تو ہم آپ کے تعلیمی اداروں کی فہرست دکھا سکتے ہیں کہ کتنے کالجوں میں فساد ہوا ۔۔۔ کتنے لوگ آپس میں لڑ کر مرے ۔۔۔ کتنی توڑ پھوڑ ہوئی ۔۔۔ کتنی جگہوں پر پروفیسروں کی درگت بنائی گئی ۔۔۔ تمہیں اپنے اداروں میں یہ فساد نظر نہیں آتا؟ ۔۔۔ وہاں کی دہشت گردی نظر نہیں آتی؟ ۔۔۔ تمہاری نظریں صرف دینی مدارس کے تعاقب میں ہوتی ہیں؟ ۔۔ جہاں صبح سے شام تک قال اللّٰہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔

بار بار چیلنج کرنے کے باوجود نہ تم کوئی مدرسہ دکھا سکے، نہ کوئی شخص دکھا سکے جو مدرسے کے اندر دہشت گردی سیکھتا ہو یا سکھاتا ہو ۔۔۔ آخر تھک ہار کر انہوں نے یہ

عنوان وقتی طور پر چھوڑ دیا ہے۔۔۔اَب کچھ عرصے سے دہشت گردی کا الزام مدرسوں کے اُوپر نہیں لگا رہے کیونکہ اتنی طویل مدت میں وہ اِس کا کوئی ایسا ثبوت نہیں مہیا کر سکے جو دنیا کے سامنے پیش کر سکتے کہ دیکھو یہ مدرسے ہیں جو دہشت گردی سکھاتے ہیں اور یہ مدرسے ہیں جن میں دہشت گردی ہوتی ہے۔

علم نبوت سے محروم کرنے کے لئے ایک نیا پلان

اب انہوں نے ایک نیا ہتھکنڈا شروع کیا ہے۔اُسی کے متعلق آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔اَب فرماتے ہیں کہ ہمیں اورتو کوئی فکر نہیں۔فکر صرف یہ ہے کہ یہ غریب بچے جو مدرسوں میں پڑھتے ہیں ان کو کہیں ملازمت نہیں ملتی۔۔۔ یہ بھوکے پھرتے ہیں۔۔۔ بیکار ہوتے ہیں۔۔۔ان کا کوئی کاروبار نہیں ہے۔۔۔ہم چاہتے ہیں کہ انہیں انگریزی پڑھائی جائے۔۔۔ اور انہیں کمپیوٹر سکھایا جائے۔۔۔ انہیں جغرافیہ پڑھایا جائے۔۔۔ تاریخ پڑھائی جائے۔۔۔اِس طرح یہ برسر روزگار ہوں گے۔۔۔ اِن کو ملازمتیں ملیں گی۔۔۔ یہ باعزت زندگی گزاریں گے۔

اَب یہ نعرہ لگ رہا ہے۔اَب حکومت اِس رنگ میں آ رہی ہے کہ اِن بچوں کوانگریزی پڑھاؤ۔۔۔ اِن کو جغرافیہ وتاریخ پڑھاؤ۔۔۔ یہ حساب پڑھیں، کمپیوٹر سیکھیں تاکہ یہ باعزت طریقے سے زندگی گزارسکیں۔۔۔ باہر نکلیں تو اِن کو کوئی ملازمت ملے۔ ورنہ یہ سارے بے کار پھرتے ہیں اور ان کو کہیں ملازمت نہیں ملتی۔ اِس لئے ہم کہتے ہیں کہ مدرسوں کے اندر کچھ نصاب تبدیل کر دیا جائے۔۔۔تاکہ یہ لوگ ملازمت کے قابل ہو جائیں۔۔۔اب یہ نعرہ آ گیا ہے۔

اب حکومت اِس طرح سے اپنا ارادہ ظاہر کر رہی ہے۔۔۔آپ لوگوں کو افسر بنانے کے لئے ۔۔۔ دفتروں میں ملازمت دلانے کے لئے۔۔۔ با روزگار بنانے کے لئے صبح وشام اُن کو فکر ہے۔۔۔ اِس فکر میں وہ سو نہیں سکتے۔۔۔اُن کو نیند نہیں آتی کہ عربی مدرسے کے پڑھے ہوئے طالب علم بے کار ہوتے ہیں۔۔۔اُن کو ملازمت نہیں

ملتی، اِس لئے ان کو انگریزی پڑھاؤ کہ ان کو ملازمت ملنے لگے۔

کالج اور سکول کے فضلاء در بدر

اصل معاملہ یا اصل بات کیا ہے؟۔۔۔اصل بات یہ ہے کہ کسی طرح آپ کو علمِ نبوت سے محروم کردیا جائے۔۔۔ورنہ اِن عقل مندوں سے کوئی پوچھے کہ تمہارے سکولوں اور کالجوں سے جتنے فارغ ہوتے ہیں کیا اُن سب کو ملازمت مل گئی یا بیکار پھرتے ہیں؟۔۔۔آج ایک ''ضرورتِ ڈرائیور'' یا ''ضرورتِ کلرک'' کا اشتہار دے کر دیکھیں۔۔۔ہزاروں میٹرک، ایف اے، بی اے پاس ڈرائیور اور کلرک مل جائیں گے۔۔۔اتنی بیکاری ہے جس کا کوئی حد وحساب نہیں۔۔۔پہلے اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فُضَلاء کو ملازمت دے لو پھر ہماری فکر کرنا۔

ہم آپ کے پاس درخواست لے کر نہیں آئیں گے۔۔۔ہمارے بچے آپ کے پاس درخواست لے کر نہیں آئیں گے کہ ہمیں آپ نوکری دلا دو۔۔۔اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں قناعت دی ہے۔آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ عربی مدرسے کا پڑھا ہوا بیکار پھرتا ہو، وہ کہیں مؤذن لگ جائے گا۔۔۔کہیں امام لگ جائے گا۔۔۔کہیں بچوں کو پڑھانے لگ جائے گا۔۔۔بہرحال اپنا وقت وہ عافیت کے ساتھ گزارتا ہے۔بیکاری ہم میں نہیں، بیکاری آپ میں ہے۔آپ اپنی فکر کریں، ہماری یا ہمارے بچوں کی فکر نہ کریں۔

حکومت کو مفید مشورہ

تم قوم کے اُن بچوں کی فکر کرو جو سارا دن گلیوں میں کھیلتے پھرتے ہیں، نہ دین پڑھتے ہیں نہ دنیا۔۔۔اگر تمہیں کوئی ہمدردی ہے تو اُن کی تعلیم کا کوئی مناسب انتظام کرو۔۔۔ہمیں اپنے حال پر رہنے دو۔۔۔ہماری فکر میں گھُلنا چھوڑ دو۔

آپ حضرات سے یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کبھی بھی اِس قسم کی باتوں میں نہ آئیں کیونکہ اللہ نے آپ کو بڑے اہم کام کے لئے منتخب کیا ہے کہ آپ

قرآن پڑھیں۔۔۔حدیث پڑھیں۔۔۔فقہ پڑھیں اور پھر لوگوں کو حلال اور حرام کی تعلیم دیں۔اپنے پیٹ کی فکر کم کریں۔۔۔لوگوں کو دین بتلانے کی فکر زیادہ کریں۔۔۔ ملازمت اختیار کر لینے کے بعد انسان کو اپنے پیٹ کی فکر زیادہ ہوتی ہے اور دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی فکر کم ہو جاتی ہے۔

ہمارے اکابر کا ترتیب شدہ نصاب

ہمارے اکابر نے (اللہ ان کو غریقِ رحمت کرے آمین) ہمارے لئے بے مثال دینی نصاب ترتیب دیا۔۔۔جب یہ نصاب دیوبند میں جاری ہوا، اور اُس کے مطابق پڑھنا پڑھانا شروع کیا گیا تو وہاں بھی انگریز نے رُخ بدلنے کی بھرپُور کوشش کی۔۔۔

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرزند ارجمند

حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بیٹے تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ بعد دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بنے۔حیدر آباد دکن کے نواب نے (جو کسی قدر دین پسند آدمی تھا) مولانا محمد احمد صاحب کو رحمۃ اللہ علیہ ریاست میں بطور مفتی کے متعین کیا ہوا تھا، اس لئے حضرت مولانا محمد احمد صاحب گاہے گاہے حیدر آباد دکن جایا کرتے تھے۔

فضلا دارلعلوم دیوبند کو لالچ:

ایک دفعہ مولانا محمد احمد صاحب سے حیدر آباد دکن (جو بڑی سرمایہ دار ریاست تھی) کے نواب صاحب کہنے لگے مولانا!۔۔۔میری ریاست میں مختلف عہدوں پر کالجوں اور جدید درسگاہوں سے فارغ لوگ کام کرتے ہیں۔جن کے پاس جدید اورمروّج تعلیم ہے۔۔جبکہ ریاست میں کہیں کہیں فضلاء دیوبند بھی کسی عہدے پر فائز ہیں۔۔۔میری معلومات کے مطابق فضلاءِ دیوبند اپنی کارکردگی، انتظام اور دیانت داری کے لحاظ سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اچھے ہیں۔سکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے ملازم اتنی اچھی کارکردگی اور دیانت داری کا مظاہرہ نہیں

کرتے جتنا یہ کرتے ہیں۔

اِس لئے آئیں آپ میرے ساتھ ایک معاہدہ کریں ۔۔۔کہ دیوبند سے جتنے لوگ فارغ ہوں گے یا فاضل بنیں گے وہ آپ مجھے دے دیا کریں گے اور میں اُن کو اپنی ریاست میں مختلف جگہ ملازم رکھ لیا کروں گا۔ اُنہیں مختلف عہدوں پر لگا دوں گا۔۔۔اِس طرح اُن سب کے لئے روزگار مہیا ہو جائے گا۔(اصل کے اعتبار سے یہ نواب اندر خانہ انگریزوں کے آلہ کار ہوتے تھے، یہ رُخ بدلنے کا ایک حربہ تھا کہ مولوی بنتے جائیں اور سرکاری ملازم ہوتے جائیں۔۔۔یہ مولویوں کو قابو کرنے اور اُن کے انقلابی ذہن میں تبدیلی لانے کا ایک ذریعہ ہوتا تھا۔ کہ جو ایک دفعہ سرکاری ملازمت کا مزہ چکھ لے پھر وہ حکومت کے سامنے آنکھ نہیں اٹھا سکتا۔۔۔)

مولانا محمد احمد صاحب نے فرمایا۔۔۔ میں اپنے بُزرگوں سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔۔۔ یہ حضرت شیخ الہند کا دور تھا۔۔۔مولانا محمد احمد صاحب نے واپس آ کر یہ بات دیوبند میں دارالعلوم کے اساتذہ کے سامنے رکھی کہ نواب صاحب نے یہ پیشکش کی ہے کہ ''دیوبند سے جو فاضل ہوتے جائیں وہ سب مجھے دے دیا کرو۔ میں اُن کو اپنی ریاست میں ملازمتیں دوں گا جن سے اُن کو اچھا روزگار مہیا ہوگا اور اِس طرح اُن کا وقت اچھا گزرے گا''۔۔۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ بھائی ''اپنے بزرگ اور سرپرست ہیں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آپ اُن کے پاس چلے جائیں۔۔اُن کے علم میں یہ بات لائیں۔۔وہ جو فرمائیں، ہمیں منظور ہوگا''۔۔۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے سرپرست ہی نہ تھے بلکہ اصل کے اعتبار سے روحِ دیوبند تھے۔ گنگوہی نسبت کا نام ہی اصل کے اعتبار سے دیوبندی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں بہت کام لیا ہے۔

گنگوہ ایک قصبہ ہے، اُس میں رہنے کی وجہ سے حضرت کو گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اُس کا ضلع سہارنپور ہے، مجھے وہاں جانے اور حاضری دینے کی سعادت حاصل

ہے۔چنانچہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ پہنچ کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سامنے یہ بات رکھی تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو بے مثال جواب دیا وہ آپ لوگ ہر وقت ذہن میں رکھیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا، بھاڑ میں جائے نواب صاحب کی ریاست۔۔۔چلے نہ چلے، ہمیں اُس سے کیا غرض؟۔۔۔ہم نے مدرسہ نواب صاحب کو رجالِ کار تیار کر کے دینے کے لئے نہیں کھولا، کہ ہم پڑھا پڑھا کے رجالِ کار تیار کریں اور نواب صاحب کو دے دیں کہ یہ تیری ریاست کا انتظام سنبھالیں۔۔۔ہم نے مدرسہ اِس لئے کھولا ہے کہ مسجدیں آباد رہیں۔۔۔کوئی اذان کہنے والا ہو۔۔۔کوئی نماز پڑھانے والا ہو۔۔۔کوئی بچوں کو قرآن پڑھانے والا ہو۔۔۔ہم نے تو مدرسہ اِس لئے کھولا ہے۔حیدر آباد کے نواب کی ریاست کو سنبھالنے کے لئے نہیں۔۔۔بھاڑ میں جائے اُس کی ریاست۔۔۔

ہمارے حضرات کا مدرسہ کھولنے کا مقصد

سمجھ رہے ہو کہ ہمارے حضرات کا مدرسہ کھولنے کا مقصد کیا ہے؟۔۔۔

- مقصد یہ ہے کہ کوئی اذان دینے والا ہو۔۔۔
- کوئی اللہ کا نام لینے والا ہو۔۔۔
- کوئی مسجد میں نماز پڑھانے والا ہو۔۔۔
- کوئی بچوں کو اللہ کا نام سکھانے والا ہو
- کوئی قرآن پڑھانے والا ہو۔۔۔

ہم نے یہ مدرسہ ان مقاصد کیلئے کھولا ہے۔اور جو لوگ سرکاری ملازمت میں چلے جاتے ہیں، وہ ایسا نہیں کرتے کہ قرآن پڑھانے کے لئے بیٹھ جائیں، اذان کہنے لگ جائیں، جماعت کرائیں، مسجدوں کو آباد رکھیں، یہ کام پھر اُن کا نہیں رہتا۔اِس

لئے ہمارے اکابر نے کبھی بھی نصاب کے اندر ایسی چیز کو آنے نہیں دیا کہ جس کی وجہ سے لوگ سرکاری ملازمتوں میں جا سکیں اور سرکاری ملازمتوں کی طرف بھاگ کے جائیں۔ کیونکہ سرکاری ملازمت مدرسہ کے موضوع کے خلاف ہے۔

باعثِ فخر طالب علم

اِس لئے ہم اُس بچے کو باعث فخر سمجھتے ہیں جس کو دیکھیں کہ **باب العلوم** سے پڑھنے کے بعد اُس نے کسی دیہات میں قرآن پڑھانے کا مدرسہ بنایا ہوا ہے اور دیہاتی بچوں کو اکٹھا کر کے الف، با، تا، ثا پڑھاتا ہے۔۔۔ اللہ کا نام سکھاتا ہے۔۔۔ اور قرآن کی تعلیم دیتا ہے، وہ بچہ ہمارے لئے باعثِ فخر ہے بمقابلہ اُس کے جو باب العلوم سے پڑھنے کے بعد کوئی سرکاری ڈگری لے کر کسی سرکاری دفتر میں ملازم ہو کر دفتروں کے طور طریقے اپنائے ہُوئے ہے۔۔۔ اور اُنہی طریقوں سے روزی کما رہا ہے، کھا رہا ہے۔۔۔ وہ ہمارے لئے کسی کام کا ہے اور نہ ہی ہمارے لئے باعثِ مسرت ہے۔ چاہے وہ ڈی۔سی ہو جائے یا گورنر بن جائے۔ کیونکہ جب وہ دین کی بات نہیں کرتا، دین نہیں پھیلاتا تو وہ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے۔ اُس نے ہماری محنت ضائع کر دی۔۔

ہم اِس بچے پر بجا طور فخر کرتے ہیں۔ اور اُسے اپنی محنتوں کا حاصل سمجھتے ہیں جو یہاں سے پڑھنے کے بعد کسی دیہات میں بیٹھ کر قرآن پڑھا رہا ہے۔۔۔ وہ ہمارے نزدیک زیادہ قابل قدر ہے۔۔۔ لہٰذا ہم کوئی چیز ایسی پڑھانے کے لئے تیار نہیں۔۔۔ جس کے ساتھ آپ کی نیت میں پہلے ہی دن فتور آ جائے کہ پڑھنے کے بعد ہم یہ ہو جائیں گے وہ ہو جائیں گے۔۔۔ پڑھ پڑھا کر بڑی بڑی ملازمتوں پر چلے جائیں گے، بڑی بڑی تنخواہیں پائیں گے۔۔۔ مدرسہ آپ کو اُس راستے پر چلانے کے لئے نہیں۔۔۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ چٹائی پر بیٹھو، روکھی سوکھی کھاؤ، مانگ کر کھاؤ، لیکن اللہ تعالیٰ کے دین کا مسئلہ بتاؤ اور اس دین کو پھیلاؤ۔۔۔ یہ ہے اصلاً ہمارے اکابر کے

مدرسوں کا موضوع۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا رانصاب

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ گزرے ہیں مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔ یہ دیوبند کے بہت ذہین فرزند تھے یہ دیوبند سے فراغت کے بعد حیدر آباد دکن یونیورسی کے شعبہ دینیات کے پروفیسر بنے اور پھر اِسی شعبہ کے سربراہ ہُوئے۔۔۔ یعنی وہ اتنا آگے بڑھے کہ یونیورسٹی میں شعبۂ دینیات کے ڈائریکٹر بنے ۔۔۔ اِس طرح اُنہوں نے دونوں طرف کی دنیا دیکھ لی۔ اِدھر کی بھی دیکھی، اُدھر کی بھی دیکھی۔۔۔ دیوبند میں پڑھے اور حیدر آباد یونیورسٹی میں پڑھایا۔۔۔ تقسیمِ ہند کے بعد جب حیدر آباد ریاست پر ہندوستان کا قبضہ ہوگیا تو آپ نے یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ لے لی اور اپنے آبائی گاؤں منتقل ہو گئے۔ جو صوبہ سیوہار میں تھا۔۔۔

حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کا دلچسپ واقعہ

مولانا نے سورۃ کہف کی تفسیر لکھی ۔۔۔ اِس تفسیر میں جب وہ اس واقعہ پر پہنچے کہ خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کشتی میں سوار ہو کر سفر کر رہے تھے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کا پھٹہ توڑ دیا، جس پر موسیٰ علیہ السلام نے گرفت کی تھی کہ یہ پھٹہ کیوں توڑا؟ لوگوں کو ڈبونے کا ارادہ تھا کیا؟ ۔۔۔ تو بعد میں حضرت خضر علیہ السلام نے وضاحت کی تھی کہ یہ پھٹہ ڈبونے کیلئے نہیں بلکہ مسکینوں کو نقصان سے بچانے کیلئے توڑا تھا ۔۔۔ آپ کو بظاہر نقصان نظر آیا درحقیقت میں نے مسکینوں پر رحم کرتے ہُوئے اُن کی مدد کی تھی۔۔۔ اگر یہ کشتی صحیح وسالم ہوتی تو آگے ظالم بادشاہ کھڑا تھا، جو لوگوں سے اپنی ضرورت کے لئے تمام صحیح و سالم کشتیاں چھین رہا تھا۔ وہ ان کی کشتی بھی چھین لیتا۔ اور جب مَیں نے اِس کا پھٹہ توڑ دیا تو اَب وہ ظالم بادشاہ اِس کشتی کو ناکارہ سمجھتے ہُوئے چھوڑ دے گا۔۔۔ اِس طرح ان مسکینوں کا ذریعۂ معاش چھننے سے بچ جائے گا۔ تو جناب! میں نے کشتی کو بچایا ہے، مساکین پہ رحم کیا ہے، زیادتی نہیں کی۔۔۔ یہ واقعہ

قرآن کریم میں آتا ہے۔

اِس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے مولانا گیلانی لکھتے ہیں ۔۔۔ جب ہم مدرسہ سے پڑھ کر نکلے اور باہر کی دنیا دیکھی تو ہمیں عربی مدارس کے نصاب پر تعجب ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے، ہمارے اکابر نے کیسا نصاب بنایا ہے؟۔ اتنی محنت بچوں سے لیتے ہیں، اتنی بڑی بڑی کتابیں پڑھاتے ہیں۔۔۔ لیکن جب وہ باہر نکلتے ہیں تو کوئی چپڑاسی لگنے کے قابل نہیں۔۔ کوئی کلرک لگنے کے قابل نہیں۔۔ کوئی پٹواری نہیں بن سکتا۔۔ یہ کیا کیا ہے ہمارے اکابر نے؟

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کبھی یہ خیال آتا تھا، لیکن باہر کی دنیا میں نکل کر عملی تجربہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ **نصاب** تو ہمارے بزرگوں کی بہت بڑی فراست تھی۔ یہ فراست تو جناب خضر علیہ السلام جیسی تھی جنہوں نے کشتی کا پھٹہ توڑا تھا اور بظاہر معلوم ایسے ہوتا تھا کہ جیسے کوئی نقصان کر دیا ہو، لیکن نہیں! یہ پھٹہ ٹوٹنا کشتی کے بچنے کا ذریعہ بن گیا تھا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ ہمارے اکابر نے علم کے ساتھ بچوں کے دل و دماغ بھر دیے، لیکن وہ پھٹہ توڑ دیا جو حکومت کی ملازمت کے قابل بناتا ہے۔۔۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت اُن کو اپنے کام کا نہ سمجھے گی۔ اور جب حکومت ان کو اپنے لیے ناکارہ سمجھے گی تو یہ لوگ دین کی خدمت کرنے کیلئے مجبور ہوں گے۔۔۔ یہ دین پڑھیں گے اور پڑھائیں گے۔۔۔ اِس طرح ان کے ہاں اللہ کا دین محفوظ رہے گا اور اُسے لوگوں تک بھی پہنچائیں گے۔۔۔ ورنہ اگر یہ نکلتے ہی سکولوں میں چلے گئے۔۔۔ کالجوں میں چلے گئے۔۔۔ تو مدارس کی محنتیں اور اَساتذہ کی کاوشیں رائگاں چلی جائیں گی۔۔۔

اگر خدانخواستہ ایسے ہو جاتا تو پھر یہ دین یوں منتقل ہوتا ہوا آپ تک نہ پہنچتا۔۔۔ پھر وہی حال ہو جاتا جو عام یونیورسٹی اور کالجوں کا ہوا کرتا ہے۔۔۔ یہ علم کا سلسلہ ختم ہو جاتا۔ اِس لئے ہمارے اکابر نے اِن مدارس میں ایسی تعلیم ہی جاری نہیں کی

کہ جس سے کسی عالم کو مدرسے سے نکلتے ہی حکومت اُچک لے اور اُس کو اپنا نوکر بنا لے۔۔اپنا پرزہ بنا لے۔۔۔ بلکہ ہمارے اکابر نے پہلے دن سے ہی تعلیم ایسی رکھی کہ:۔

- جس میں علم اعلیٰ درجے کا۔۔۔
- جس میں عقل اعلیٰ درجے کی۔۔۔
- جس میں فہم اعلیٰ درجے کا۔۔۔
- جس میں سمجھ انتہائی درجے کی۔۔۔

لیکن اِس قابل نہیں کہ حکومت اُس کو اپنا پرزہ بنا کر اپنی مشین میں فٹ کر لے۔۔۔ اِس لئے ہم بھی اِسی کوشش میں رہیں کہ ہم بھی کسی حکومتی مشین کا پرزہ بننے کی بجائے اللہ کے دین کو پڑھنے اور پڑھانے کی نیت رکھیں ۔۔۔ بھلے ہم گھٹیا درجہ کے رہ جائیں گے۔۔ زندگی ہماری ہلکی پھلکی ہوگی لیکن ہم پڑھیں گے پڑھائیں گے۔۔۔ یہ مقصد ہے مدارس کا اور یہی ہونا چاہیے۔۔۔

پھر فرمایا: کہ دیکھو۔۔ خضر علیہ السلام کا دوسرا واقعہ جس میں آپؑ نے گرتی ہوئی دیوار بغیر معاوضہ لئے سیدھی کر دی تھی ۔۔۔ یہاں لکھتے ہیں کہ

"میں نے اپنے اکابر کی یہی شان دیکھی"۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا علمی مقام

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پوری روئے زمین پر اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو اتنی اِستعداد دی تھی۔ یوں سمجھو کہ کتب خانوں کے کتب خانے اُن کے دل و دماغ میں تھے۔ ایک کتاب کا مطالعہ کر لیں تو تقریباً بتیس سال تک مع قید صفحہ وسطر کے اُن کو یاد رہ جاتی تھی۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے ھدایہ کی شرح فتح القدیر کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ فلاں جلد کے فلاں صفحہ پر یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے۔ دیکھنا ہو تو کتاب کھول کر دیکھو۔ جب وہ کتاب کھول کر دیکھی گئی تو واقعی ایسا ہی تھا۔ اِس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کہ مَیں نے اِس

فتح القدیر کا آٹھ دن میں مطالعہ کیا تھا اور مطالعہ کیے ہوئے بتیس سال ہو چکے ہیں۔آپ اندازہ کریں، آپ آٹھ دن میں اُس کی ورق گردانی نہیں کر سکتے۔۔۔آٹھ دن میں مطالعہ کیا تھا اور بتیس سال ہو گئے تھے اُس مطالعہ کو!!۔

اتنا بڑا عالم کہ۔۔۔کیا حدیث۔۔کیا قرآن۔۔کیا تفسیر۔۔کیا فقہ ہر ایک پر مکمل عبور۔۔۔آپ رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھاتے تھے۔۔اُس وقت اُن کو 60 روپے دارالعلوم دیوبند سے بطورِ تنخواہ ملتے تھے۔

ایک دلچسپ لطیفہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ایک لطیفہ بھی ہے کہ ایک دفعہ مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دیگر اساتذہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔جن میں شاہ صاحب بھی تھے کہ ایک قلفیاں بیچنے والا آ گیا۔ اُس سے مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اِن سب اساتذہ کو قلفیاں کھلا دو۔۔۔اُس نے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک قلفی دے دی۔تو بیٹھے بیٹھے اِس قلفی فروش سے کسی نے پوچھ لیا کہ بابا مہینے کا کتنا کما لیتے ہو؟۔۔ایسے ہی گپ شپ کا انداز تھا۔۔ پوچھا کہ مہینے کا کیا کما لیتے ہو؟ وہ کہنے لگا جی تقریباً 60 روپے کما لیتا ہوں۔۔۔تو شاہ صاحب مسکرا کر کہنے لگے۔۔ پھر تو آپ کو دارالعلوم دیوبند کی صدارت کی ضرورت نہیں۔۔کہ بھائی دارالعلوم دیوبند کے صدر کو بھی 60 روپے ہی ملتے ہیں اور تو بھی 60 روپے کما لیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عین اُنہی دنوں جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم سے 60 روپے ملتے تھے، ڈھاکہ یونیورسٹی سے 900 روپے ماہوار کی پیشکش ہُوئی، کہ آپ ڈھاکہ یونیورسٹی آ جائیں، 900 روپے ماہوار ملیں گے۔۔کہتے ہیں کہ حضرت نے اُس کو ٹھکرا دیا۔اور ایسا ٹھکرایا کہ کسی کے سامنے اُس کا تذکرہ بھی نہیں کیا کہ مجھے 900 روپے کی پیشکش آئی اور میں نے ٹھکرا دی۔

کہتے ہیں کہ یہ خضر صفت انسان تھے جنہوں نے اُمت کی گرتی ہوئی

دیواروں کو مفت سیدھا کیا۔ جبکہ اُن کو بڑی بڑی مراعات کی دعوتیں ملتی تھیں، بڑے بڑے معاوضوں کی پیشکشیں ہوتی تھیں، لیکن اُنھوں نے کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور اِس طرح اُمت کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالا۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا وظیفہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تو بہت مشہور بات ہے کہ اُن کو 10 روپے وظیفہ ملتا تھا۔۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتبہ میں کتابوں کی تصحیح کیا کرتے تھے، اور باقی وقت پڑھاتے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے انہی دنوں میں پڑھا ہے۔

جب نواب اقبال کی طرف سے 300 روپے ماہوار کی دعوت آئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بھائی! مجھے 10 روپے ملتے تھے، 5 روپے والدہ کو دے دیتا تھا اور 5 روپے میں اپنا گزارہ کرتا تھا۔۔ والدہ فوت ہوگئی تو فکر مند تھا کہ اَب میں ان پانچ روپوں کا کیا کروں گا؟ اللہ بھلا کرے اِن طالب علموں کا۔۔ یہ دو چار طالب علم آ گئے ہیں۔ اَب یہ اِن پر خرچ کر دیتا ہوں۔۔ تو 290 روپے کو میں کہاں سنبھالتا پھروں گا۔۔۔ میرا گزارہ ان 10 روپیوں سے ہو جاتا ہے، میں 290 کہاں سنبھالتا پھروں گا؟۔۔۔ یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ اِس کو کہتے ہیں قناعت !!

یہ انہی بزرگوں کا فیضان اور مہربانی ہے۔ کہ اُنھوں نے بڑی مسکنت کے ساتھ وقت گزار کر اِس دین حق کی خدمت کی اور اُسے ہم تک پہنچایا۔۔ اُن ہی کی بدولت ہم لوگ اللہ کا نام لے رہے ہیں اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قرآن و حدیث ہمارے ہاتھوں میں ہے۔۔ اگر یہ لوگ بھی نوابوں کے ہاتھ چڑھ جاتے اور سرکاری ملازمتوں میں چلے جاتے تو آج ہم بھی شاید کوٹ پتلون پہنے سکولوں، کالجوں کے چکر لگا رہے ہوتے۔ پھر یہ دین والی بات ہم میں بھی نہ ہوتی۔

ہمارے ان بزرگوں نے جس طرح کیا وہی سبق ہمیں بھی یاد رکھنا چاہئے کہ

کبھی اِس طمع میں نہ آئیں کہ یوں کرلوتو فلاں سرکاری ملازمت مل جائے گی۔اور یوں کرلوتو یہ عہدہ مل جائے گا۔ ہرگزنہیں۔ نیک بخت ہوگا وہ انسان جو اِسی مسکنت کی حالت میں دین کی خدمت پہ لگا رہے گا۔

راحت ہے سامانِ راحت کی فکرنہیں

باقی یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ یہ نہ سمجھئے کہ مذہبی طبقہ دنیاوی لحاظ سے پسماندہ طبقہ ہے۔ بالکل آپ اِس وہم میں نہ جانا، بالکل یہ خیال نہ کرنا۔ یہ نکتہ یاد رکھئے ، ایک ہوتی ہے راحت اور ایک ہوتا ہے سامانِ راحت! دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

ایک آدمی کے پاس انتہائی شاندار بنگلہ ہے۔۔اِس کا ہر کمرہ ایئر کنڈیشنر ہے۔۔۔گرمی سردی کا انتظام ہے

- اُس کے پاس انتہائی قیمتی پلنگ ہیں۔۔۔
- نرم وگداز بستر ہیں۔۔۔
- پورا سامانِ راحت اُس کو حاصل ہے۔۔۔
- نوکر چاکر ہیں۔۔۔

سب کچھ ہے۔۔۔لیکن وہ شخص دل اور دماغ کے اعتبار سے اتنا پریشان ہے کہ نیند کو ترستا ہے۔۔۔

- کروٹیں لیتا ہے۔۔۔اُسے نیندنہیں آتی۔۔۔
- گولیاں کھا کر سوتا ہے تو بھی نیندنہیں آتی، جب دیکھو سر پکڑے بیٹھا ہے کہ جی نیندنہیں آتی۔ سامانِ راحت حاصل ہے راحت حاصل نہیں ہے۔اِسے کہتے ہیں کہ سامانِ راحت حاصل ہے، راحت حاصل نہیں ہے۔

اور ایک آپ لوگ ہیں کہ پڑھ پڑھا کر تھکے تھکائے اِسی چٹائی پر سر کے نیچے اپنا رومال رکھا اور ایسے مست ہوکر سوتے ہیں کہ صبح ٹانگیں گھسیٹ گھسیٹ کر اٹھایا جاتا

ہے۔۔۔ بڑی مشکل سے تمہاری آنکھیں کھلتی ہیں۔۔۔تو مقصود نیند تھی پلنگ پر نہیں آئی اور چٹائی پر آ گئی۔۔مقصد آپ کو حاصل ہوا، دوسرے کو مقصد حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ کو راحت حاصل ہے اور اُن کو سامانِ راحت حاصل ہے۔۔۔اور میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو یہ دولت نصیب کرے۔ ہم تو بزرگوں کے واقعات میں پڑھتے تھے، آپ بھی تجربہ کریں۔

مشہور واقعہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی بادشاہ نے پیشکش کی کہ میں کوئی جائیداد آپ کی خانقاہ کے نام لگانا چاہتا ہوں جس سے آپ کی خانقاہ کے اخراجات چلتے رہیں؟۔۔۔

تو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً دو شعر لکھ کر بھیجے تھے۔ اُس بادشاہ کا ملک اُس زمانہ میں سنجر کہلاتا تھا اور اُس کے جھنڈے کا رنگ سیاہ تھا۔ فرمایا کہ:

چوں چیترے سنجرے رخ بختم سیاہ باد

"میرا نصیبہ بھی تیرے جھنڈے کی طرح کالا ہو جائے"

گر دل بود ہوس ملک سنجرم

"اگر میرے دل میں ملک سنجرم کی ذرہ بھی ہوس ہو کہ یہ مجھے مل جائے"

زانگہ کہ خبر یافتم از ملک نیم شب

"جب سے آدھی رات گزرنے کے بعد اللہ کے سامنے حاضری کی توفیق ہونے لگ گئی"۔ فرمایا کہ اِس جیسے ملکوں کو تو ہم جَو کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ وہ رات کی سلطنت جو اللہ نے ہمیں دی ہے جب وہ مل جائے تو پھر ان چیزوں کی ہوس نہیں رہتی۔ وہ مزہ ایک روحانی مزہ ہے۔

اھل اللّیل فی لیلھم ...... (الخ) جنھیں رات کی عبادت کی توفیق ملتی ہے وہ اتنے مزے لیتے ہیں کہ رات کے تماشبین وہ مزہ نہیں لے سکتے۔

معلوم ہوا دینداروں اور دُنیاداروں کی راحت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔۔

فسق و فجور والی راحت

فسق و فجور کی راحت عارضی اور ناپائدار ہی نہیں، بلکہ انسان کو اپنے رب سے غافل کر کے اُس کی عاقبت خراب کر دیتی ہے۔۔آخرایک دن آئے گا جب پتہ چلے گا کہ یہ راحت نہیں مصیبت تھی اور جو راحت اللہ تعالیٰ نے دین میں رکھی ہے۔سکون اور اطمینان کی، دنیا داروں کو تو کبھی اُس کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی۔

اِس لیے ہمیشہ یقین کیجئے کہ سکون اور راحت اللہ کے نام میں ہے اور اللہ نے دینی زندگی میں جتنا سکون اور اطمینان رکھا ہے دوسری کسی چیز میں نہیں رکھا۔ظاہری فقر و فاقہ کی طرف نہیں جانا چاہئے۔انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہمارے سامنے ہے۔یہ پہلو کہ دین کے ساتھ دنیا کا زیادہ ساز و سامان نہیں ہوتا اور جن کو دنیا کا زیادہ ساز و سامان ملتا ہے وہ دین سے اکثر محروم رہ جاتے ہیں، اِس موضوع پر
ان شاء اللہ العزیز پھر کسی موقع پر بیان کریں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

✡✡✡✡✡

تاریخ علماء دیوبند

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن اَمَّا بَعْدُ۔

فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ۔۔۔لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰه او کما قال علیہ الصلوۃ و السلام۔۔

(مسلم ۲/۱۴۳۔ترمذی ۲/۴۷)

اللّٰھم صلِّ وسلم وبارک علی سیّدنا محمد واٰلہٖ واصحابہٖ کما تحب وترضیٰ عد د ما تحب وترضی

تمہید

واجب الاحترام اور قابل قدر دوستو! یہ جلسہ خاصا طویل ہو گیا ہے اور آپ حضرات کا مجاہدہ دیکھ کر دل بہت خوش ہو رہا ہے کہ رات نو بجے آپ حضرات شروع ہوئے ہیں اور اب دن کے نو بج گئے ہیں ۔۔۔تقریباً بارہ گھنٹے سے آپ اِس اچھے شغل میں لگے ہوئے ہیں۔۔۔

رحمتوں کا نزول

اکابر کی کتابوں میں یہ بات آتی ہے کہ جب صالحین کا ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ کی رَحمت اُترتی ہے۔۔"عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ (ہوقول سفیان بن عیینہ کذا فی التمہید لابن عبد البر ۱۷/۴۲۹)" ۔۔اور میرا خیال ہے کہ آپ سب حضرات نے اپنے محبوبوں کا تذکرہ سنتے ہوئے اپنے دماغوں میں خاص سکون محسوس کیا ہو گا، اور آپ کے دل ودماغ نے ایمان کی تازگی محسوس کی ہو گی ۔ یہ آپ کی محبت اور تعلق کا گویا اظہار ہے۔۔۔ اور اتنی دیر تقریر سننا یا کرنا اِس بات کی علامت ہے کہ آپ کا تعلق اپنے اَکابر سے بہت مضبوط ہے اللہ اِس کو مزید مضبوط کرے۔ (آمین)

آج کا موضوعِ سخن

اکابر کے کارنامے تو آپ نے بیان کر دیئے ہیں۔ اگرچہ میں نے سب نوجوانوں کی تقریریں نہیں سنیں، لیکن مجھے اُمید ہے کہ کوئی پہلو علماء دیو بند کی خدمات کا تشنہ نہیں رہا ہو گا۔اور آپ نے ہر پہلو پر کچھ نہ کچھ ضرور کہا اور سنا ہو گا۔۔۔ چنانچہ میں صرف آپ کی رہنمائی کے لئے **علماء دیو بند** کے کارناموں کی بجائے اُن کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا کہ دیو بندیوں کی تاریخ کیا ہے؟

ہدایت کا سرچشمہ

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ دیو بندی کوئی علیحدہ مستقل فرقہ نہیں ہے۔ یہ

بات ذہن سے نکال دیں کہ یہ کسی فرقے کا نام ہے۔۔۔ یہ کوئی فرقہ نہیں ہے۔ بلکہ مکہ مکرمہ میں سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ اقدس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آئی اور اللہ نے آپ ﷺ سے ہدایت کا چشمہ شروع فرمایا تو اُس وقت مکہ معظّمہ میں صرف آپ کی اکیلی ذات تھی۔ جس نے لا الہ الا اللہ کی آواز بلند کی۔

اعلانِ ہدایت کے وقت سارا علاقہ، رشتے دار، غیر رشتہ دار سب کے سب ہی اُس آواز سے اجنبی تھے اور نہ صرف اجنبی تھے بلکہ دشمن بھی تھے۔۔۔ آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ جب اللہ کے حکم سے کوہِ صفا پر سرورِ کائنات ﷺ نے یہ آواز بلند کی تھی۔ ''قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا'' (مسند احمد۔ رقم ۱۵۴۴۷)۔۔۔ لا الہ الا للہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے تو سب سے پہلے آپ کو پتھر مارنے والا آپ کا حقیقی چچا ابولہب تھا۔ لیکن اللہ کی تائید اپنے نبی ﷺ کیساتھ شامل حال تھی۔ سرورِ کائنات پر بہت آزمائشیں آئیں۔ ۔۔ بہت ہی اچھی مثال قرآن کریم نے دی ہے کہ جس طرح کسی کھیتی یا کسی درخت کی ایک بہت ہی نحیف کونپل ابتداء میں پھوٹا کرتی ہے۔ جو بہت کمزور اور نحیف ہوتی ہے۔۔۔ اُس وقت یہی حال اُس شجرۂ حق کا تھا کہ اُس کے اوپر بھی ابتداءً ایک ضعف کی حالت طاری تھی۔

اللہ کی کبریائی کا اظہار

اُس وقت دنیا کے اوپر دو قوتیں سب سے زیادہ حاوی تھیں اور اُن کی مثال اُس وقت ایسی تھی جیسے آج امریکہ ہے یا کچھ عرصہ پہلے روس اور امریکہ تھے۔ میں آپ کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا۔ مختصراً بتانا چاہتا ہوں کہ۔۔۔ مکہ مکرمہ سے اُٹھنے والی وہ نحیف سی آواز اللہ تعالیٰ کی توفیق، سرورِ کائنات ﷺ کی جدوجہد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی قربانیوں سے جس صُورت میں پھیلی وہ آپ کے سامنے ہے۔۔۔ کہ اُنہیں کمزوروں کے آگے اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں بڑی طاقتوں کو ڈھیر کر دیا۔ بس یوں سمجھیں کہ جیسے اللہ نے ابابیلوں سے ہاتھی مروا دیے تھے۔۔۔ واقعہ آپ کے سامنے ہے اور قرآن

میں مذکور ہے۔۔ ابابیل اِن پرندوں کو آپ دیکھئے تو چڑیا جیسے ہیں، اِن سے اللہ نے ہاتھی مروا دیئے۔ اور ویسے یہ محاورہ بھی مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ چیونٹی سے ہاتھی مروا دیتا ہے۔ ۔واقعتاً اگر چیونٹیاں بھی اکٹھی ہو کر ہاتھی کے ناک میں گھس جائیں تو ہاتھی کو ہلاک کر دیتی ہیں۔۔ اللہ کی کبریائی کا اظہار کچھ اِس طرح بھی ہوتا ہے کہ ایک مچھر نمرود جیسے سرکش انسان کا دماغ بھی سیدھا کر دیتا ہے۔

طالب علم کی حیثیت

میں عموماً مختلف مدارس میں بیان کے موقع پر اِن چھوٹے بچوں سے جو مدرسوں میں پڑھتے ہیں۔ کہا کرتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو کمزور نہ سمجھو۔۔تم کمزور نہیں ہو۔۔ دیکھنے میں تو تم کچھ نہیں لگتے۔۔ نہ تمہارا لباس، نہ قد وقامت، نہ تمہاری صحت، نہ تمہارے پاس اسباب۔۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم دیمک کے کیڑے ہو۔۔ دیمک کے کیڑے جو بڑے بڑے شہتیروں کو کھا جاتے ہیں، اِن کیڑوں کا مقابلہ شہتیر نہیں کر سکتے، یہ شہتیروں کو بھی کھا جاتے ہیں۔

حق کی مکہ سے روانگی

اللہ نے مکہ معظّمہ سے حق کو اٹھایا۔۔اہلِ مکہ نے قدر نہ کی۔۔ اللہ نے مدینہ منورہ منتقل کر دیا۔۔ مدینہ مرکز بن گیا۔۔ پھر بعض تاریخی حالات ایسے آئے کہ چوتھے خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ چلے گئے، تو مدینہ سے یہ علم کا مرکز کوفہ منتقل ہو گیا۔۔ تاریخ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ یہی حق کوفہ سے دمشق چلا گیا، دمشق مرکز بن گیا۔۔ اور دمشق سوسوا سو سال مرکز رہنے کے بعد پھر یہ مرکز بغداد میں منتقل ہو گیا۔۔ اور بغداد سے پھر ان ریاستوں میں ، جو ریاستیں روس سے آزاد ہوئی ہیں، محدثین کا گروہ، فقہاء کا گروہ بہت کثرت کے ساتھ اُس علاقے میں پیدا ہوا۔۔ اُس علاقے سے آتے ہوئے اِس حق نے اپنا ٹھکانہ دہلی میں بنایا۔ بہت مدت تک یہ مرکز دہلی میں رہا، لیکن جب دہلی اُجڑی تو دہلی سے حق کا مرکز ایک چھوٹی سی بستی جس کو دیو بند

کہتے تھے، وہاں منتقل ہو گیا۔۔۔ یہ وہی شعاع ہے جو مکہ سے پھوٹی تھی مدینے آئی، مدینہ سے کوفہ گئی، کوفہ سے دمشق گئی، دمشق سے بغداد گئی، بغداد سے ان ریاستوں میں جن کو خراسانی ریاستیں کہہ لیں۔ پھر خراسان کے راستے سے یہ حق کا مرکز دہلی منتقل ہوا، اور جب دہلی برباد ہوا تو دہلی سے یہ مرکز دیوبند منتقل ہو گیا۔ یہ وہی حق ہے جو مکہ مکرمہ سے چلا اور دیوبند پہنچا۔۔ آپ کہہ لیجئے کہ حق کا مرکز، علم کا مرکز آخر کار **دیوبند** بن گیا۔۔۔

دیوبندیت کا تعارف علامہ اقبال کی زبانی

دیوبند ایک بستی کا نام ہے، لیکن نورانیت وہی ہے جو مکہ سے پھوٹی تھی، مدینہ گئی تھی، پھر کوفہ گئی تھی، دمشق گئی تھی، بغداد گئی تھی، دہلی آئی تھی، دہلی سے آگے اَب دیوبند میں ہے۔۔۔ اِس لئے علامہ اقبال سے کسی نے پوچھا تھا کہ دیوبندی کسے کہتے ہیں۔ تو علامہ کا جواب تھا کہ ہر عقل مند، ہوش مند انسان دیوبندی ہوتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ قرآن وحدیث کو ہوش کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے۔۔ جو قرآن وحدیث سے سمجھ میں آتا ہے وہی دیوبندی ہے۔ دیوبندی کوئی علیحدہ مسلک نہیں ہے، قرآن وحدیث کا مطالعہ کیجئے، عقل وہوش کے ساتھ جو بات ثابت ہوگی وہی عقیدہ دیوبندیوں کا ہے۔۔

فقہ کے احکام کی روایات آپ پڑھنا شروع کریں، عقل وہوش کے ساتھ جو بات اُس میں ثابت ہوگی وہی طرز اور طریق دیوبندیوں کا ہے۔۔

تصوف کے معاملہ میں قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں۔ قرآن وحدیث سے جو تصوف کی صورت سمجھ میں آئے گی وہی دیوبندیت ہے۔۔ اور اِسی طریقے سے اخلاق ہوں، دوسری چیزیں ہوں، قرآن وحدیث کا اگر ہوش کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو مطالعہ کرنے کے بعد جو حقیقت آپ کو سمجھ میں آئے گی وہی مسلک دیوبندیوں کا ہے۔۔ دیوبندیت کوئی علیحدہ مسلک نہیں ہے۔ دیوبند کی بستی کے مرکزِ حق ہونے کی بناء

پر اہلِ حق کو دیوبندی کہتے ہیں۔۔۔

چارسوسال سے دین کا مرکز

چارسوسال سے پوری دنیا میں حق کا پھیلاؤ، حق کی روشنی ہندوستان سے تقسیم ہورہی ہے۔۔ ہندوستان سے مراد متحدہ ہندوستان ہے۔۔ پاکستان تو بہت قریب مدت میں بنا ہے، 57، 58 سال ہوئے ہیں، ورنہ یہ سارا علاقہ ہند کہلاتا تھا، ہندوستان کہلاتا تھا۔۔ چارسوسال سے دین کا مرکز اِس ہندوستان میں ہے۔

دین اکبری اور مجدد الف ثانی

اور ہندوستان میں اِس کی مرکزیت کی تاریخ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ شروع ہوتی ہے۔۔ جو جلال الدین اکبر کے دور میں گذرے ہیں۔۔۔ جلال الدین اکبر ایک مغلیہ بادشاہ تھا۔ جس نے موجودہ حکومت کی طرح حکومتی سطح پر حکومت کے ڈنڈے اورزور سے لادینیت پھیلانی شروع کی اور ایک نیا دین بنا لیا۔۔ جب یہ دین اکبری جسے وہ دین الٰھی کہتا تھا اُس نے نافذ کرنے کی کوشش کی تو اُس کے مقابلے میں یہی حقیر بے نوا، خانقاہ نشین، چٹائیوں پہ بیٹھنے والا مولوی۔۔۔ جس کے ساتھ کوئی فوج تھی نہ کوئی ٹھکانہ تھا۔۔۔ اُسی نے اللہ کا نام لے کر اِس جابر اور بڑی حکومت کو للکارا۔۔۔ اُس مردِ درویش کی للکار پر اہلِ ایمان اُس کے ساتھ اکٹھے ہوتے چلے گئے۔۔ ماریں کھائیں۔۔ جیل گئے۔۔ گوالیار کے قلعے میں بند رہے۔۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ اکبر کے مرنے کے بعد جہانگیر کے زمانہ میں یہ تحریک کامیاب ہوئی اور انقلاب برپا ہوگیا۔۔۔ اور مجددی ذہن حکومت پر اثر انداز ہوکر اُس فتنے کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے کامیاب ہوگیا۔

حکومت سے ٹکر لینے والا پہلا درویش

حکومت کے ساتھ فقیروں کا ٹکراؤ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شروع ہوا۔ لیکن اصل تاریخ تو ہماری سیرتِ رسول ﷺ سے شروع ہوئی، آپ سیرت کا مطالعہ کریں

آپ کو پتہ چلے گا کہ صحیح جذبات کیا ہوتے ہیں؟ آپ صحابہ رضی اللہ عنہ کی حیات کا مطالعہ کریں آپ کو پتہ چلے گا کہ صحیح جذبات کیا ہوتے ہیں؟۔آپ فقہاء، محدثین، مجاہدین کی تاریخوں کا مطالعہ کریں آپ کو پتہ چلے گا کہ صحیح جذبات کیا ہوتے ہیں؟۔

چند کتب جن کا مطالعہ لازمی ہے

لیکن اپنے قریبی اکابر کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنا مطالعہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شروع کریں، ویسے مختصر سا تذکرہ بہت اچھے انداز میں آپ کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں مل جائے گا۔

اپنے اکابر کی تاریخ کے سلسلے میں چند کتابوں کی نشاندہی کر رہا ہوں۔۔ یاد رکھیں اپنے علم کو ٹھوس بنانے اور اُسے مضبوط بنیادوں پر اُستوار کرنے کے لئے اپنے مطالعہ کو وسعت دیجئے۔۔۔صرف ماہوار رسالے۔۔صرف اخبارات اور صرف اِسٹیج کی تقریریں یہ آپ کے علم کا ملجاء نہیں ہونی چاہئیں بلکہ آپ مضبوط بنیادوں پر اپنی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔تاریخ دعوت وعزیمت اردو میں ہے۔حضرت مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ بہت اچھے انداز میں چیدہ چیدہ بزرگوں کے حالات جمع کئے ہیں۔ اِس میں آپ نے بتایا ہے کہ دعوت وعزیمت کی تاریخ کہاں سے چلی؟ کس طریقے سے اکابر نے اُس کو آگے بڑھایا۔۔اِس کا ضرور مطالعہ کریں۔۔۔ پھر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں، اِسی ''دعوت وعزیمت'' کی تیسری جلد میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات درج ہیں۔

اور پھر یہیں سے حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ شروع کی ہے۔ جو جمیعۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ اور، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔انہوں نے علماء حق کے کارناموں پر شاندار ماضی کے نام سے کتاب لکھی۔۔۔اِس کی پہلی جلد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے۔۔۔''علماء ہند کا شاندار ماضی''۔۔''علماء حق کے کارنامے''۔۔''تاریخِ دعوت وعزیمت''۔۔یہاں سے آپ کے مطالعہ کی ابتداء ہونی

چاہیے۔۔۔اپنے سلسلے کے حالات میں آپ کو معلوم ہوگا کہ سو سال تک تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔پھر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت آئی ۔۔تاریخ دعوت وعزیمت کی چوتھی جلد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے۔۔اسی طرح حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی کتاب ''تذکرہ شاہ ولی اللہ'' ہے۔۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اور بھی بہت ساری کتابیں ہیں۔۔جبکہ شاندار ماضی میں بھی ایک مستقل جلد اُن کے متعلق ہے، اِس کو آپ پڑھیں گے تو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے آگاہی ہوگی۔۔۔

اگلی صدی میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اِسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ۔جنہوں نے تحریک جہاد شروع کی تھی۔ اُن پر تو بہت سی کتابیں آچکی ہیں۔۔''سیرت احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ''حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ہے۔'' داستان مجاہد'' حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور ان کے علاوہ بھی متعدد کتابیں ہیں۔۔جن میں ان زُعماء ملت کی تاریخ کا ایک ایک گوشہ محفوظ ہے۔۔آپ جان سکیں گے کہ کس طرح عملاً باطل قوتوں کے خلاف جہاد شروع ہوا۔۔اُن کے خلاف تلوار اٹھائی گئی۔۔اور ہندوستان سے سکھوں کے غلبے کو ختم کرنے کے لئے اُن لوگوں نے کیسے جہاد کیا تھا۔۔ اِن کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ آج سے دو سو سال پہلے ہمارے اَکابر نے میدان کے اندر کیا کارنامے انجام دیئے تھے۔

انگریز کے خلاف میدانی جنگ

شہیدین اور اُن کے رُفقاء کی شہادت کے بعد پھر اگلا دور آیا، جب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حاجی امداد اللہ کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف باقاعدہ میدانی جنگ لڑی گئی۔۔۔شاملی کے میدان میں مقابلہ ہوا، لیکن کچھ اپنوں کی غداری اور بے ایمانی تھی جس کی بناء پر وہ تحریک کامیاب نہیں ہوئی۔۔یہاں سے تو خالصاً ہمارے قریبی اَکابر کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے۔۔

یہاں سے اَب تک ہمارے جتنے اَکابر دیو بند ہوئے ہیں۔ ہر ایک کی مستقل

سوانح حیات کتب خانوں میں موجود ہے۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح موجود ہیں، لیکن سب سے اعلیٰ اور اچھی سوانح ''سوانح قاسمی'' حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔۔۔ اِن کتابوں کو یاد رکھو، اور اِن کو خرید کر پڑھو تا کہ اپنے اَکابر کی مکمل تاریخ تمہیں معلوم ہو۔۔حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح '' تذکرۃ الرشید'' ہے اِس کو دیکھئے۔ آپ کے مرید، آپ کے شاگرد مولانا عاشق علی میرٹھی نے لکھی ہے۔

پھر آپ کے خلفاء نے اِس سلسلے کو آگے بڑھایا۔۔حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح ''تذکرۃ الخلیل'' ہے۔۔اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مرکزی شخصیت ہوئے۔ ان کی سوانح ''حیات شیخ الہند'' کے نام سے ہے ۔۔حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خود نوشت'' نقش حیات'' ہے۔۔ جبکہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اَب تو بہت اچھی اور پائیدار کتابیں آ گئی ہیں۔۔پاکستان میں جو کتاب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھی گئی وہ ہے ''چراغِ محمد'' حضرت مولانا زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں سب سے اچھی، مفصل اور بہت عاشقانہ انداز میں لکھی ہوئی کتاب ہے۔حضرت مولانا شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات آپ رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں'' اشرف السوانح '' کے نام سے لکھی ۔ یہ بہت معلوماتی کتاب ہے۔

تاریخ محفوظ کرنے کا طریقہ

الحمدللہ ہمارے ایک ایک بزرگ کی سوانح چھپ کر آ گئی ہے۔۔اِن کتابوں کا مطالعہ کر کے ایک تو اپنی معلومات کو صحیح کریں اور دوسرے اِن کتابوں کے مطالعہ سے اپنی بنیاد کو پختہ اور ٹھوس بنائیں۔۔۔تا کہ آپ پورے اعتماد کے ساتھ کوئی بات بیان کریں کہ فلاں کتاب میں یہ بات لکھی ہوئی ہے، صرف اخباروں کو دیکھ کر، رسالوں کو دیکھ کر اپنی معلومات پر اعتماد کرنا بسا اوقات کمزوریِ علم کا باعث ہو جایا کرتا ہے۔۔۔ کارنامے تو آپ نے بہت سن لئے۔۔تاریخ کو محفوظ کرنے کا طریقہ آپ لوگوں کے لئے از حد ضروری ہے۔۔۔

جیسا کہ رات میں نے ابتدائی بیان میں آپ کے سامنے کہا تھا کہ اپنے اِن اَکابر کے حالات کو اِس نیت کے ساتھ جانو پہچانو کہ ہم جو اُن کا نام اِستعمال کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو اُس جماعت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔۔ ہمارا کردار کیا ہے؟ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے اَکابر نے اِس دین کی محنت میں کتنی مشقتیں اُٹھائیں۔

اعزازات کوٹھکرا کرفقیرانہ انداز اپنانے کی وجہ

بڑے بڑے اعزاز اُن کو دیئے گئے، لیکن انہوں نے قبول نہیں کئے۔۔۔ بڑی بڑی تنخواہیں اُن کو پیش کی گئیں لیکن انہوں نے قبول نہیں کیں۔۔۔ فقیرانہ انداز میں دیوبند کی ایک چھوٹی سی بستی میں رہ کر کس طرح دین پھیلایا اور مختلف فتنوں کا مقابلہ کیا؟۔۔۔ یہ تفصیل آپ نے بیان بھی کی ہے لیکن جس وقت اُس کو کتابوں میں پڑھیں گے تو اور زیادہ وسعت اور جامعیت کے ساتھ بات سمجھ آئے گی۔۔ اِن لوگوں کی عظمت کو دل میں بٹھانا اور ان لوگوں کے ساتھ محبت رکھنا۔ یہ چیزیں ہمیں آخرت تک سیدھے راستے پر قائم رکھیں گی۔ ان شاء اللہ

فتنوں سے بچنے کا طریقہ

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے یہ نجات کا ذریعہ ہے۔۔ اِس بات کو یاد رکھئے آج بہت فتنوں کا دور ہے۔۔ ہر گروپ سے کوئی نہ کوئی نئی آواز اٹھتی ہے، کسی نہ کسی مسئلے میں نئی تحقیق سامنے آتی ہے۔۔ کہ فلاں نے یوں کہہ دیا، فلاں نے یوں کہہ دیا۔۔ اگر آپ ان باتوں کو دیکھنے لگیں گے تو راستے سے بھٹک جائیں گے۔۔۔ بس آنکھیں بند کر کے جس شاہراہ پر اپنے ان بزرگوں کو چلتا ہوا دیکھتے ہیں آپ بھی جڑ جائیں کہ کوئی کھینچ کر بھی آپ کو ادھر ادھر لے جانا چاہے تو آپ جانے کے لئے تیار نہ ہوں۔ ۔۔ اِس میں شک نہیں کہ ہم عمل کے اعتبار سے بہت پیچھے ہیں اور اپنے عزم کے اعتبار سے بھی کافی کمزور ہیں، لیکن اِس طرح سمجھ لیں کہ جس طرح مال گاڑی کا ٹوٹا ہوا ڈبہ اگر کسی انجن سے جڑ جاتا ہے تو وہ بھی انجن کے ساتھ بھاگا چلا جاتا ہے۔۔ بس آپ بھی

اسی طرح انجن کے ساتھ لگ جایئے۔۔اپنے بزرگوں کی ریل گاڑی کا ایک ڈبہ بن جایئے۔۔ اِس سلسلے کی ایک زنجیر بن جایئے جو حضور ﷺ سے لے کر اِس وقت تک سلسلہ وار چلا آ رہا ہے۔، آپ اِس کی پابندی کریں گے تو ان شاء اللہ العزیز کامیابی ہی کامیابی ہے۔ بالکل بے دھڑک ہو جائیں اور ڈنکے کی چوٹ اپنے اَکابر کا دامن تھام لیں۔۔جیسے میں کہا کرتا ہوں کہ بھائی ہم تو اِن کے ساتھ ہیں جدھر یہ جائیں گے ہم بھی اُدھر ہی جائیں گے۔۔۔

دامنِ اکابرین سے وابستگی کا فائدہ

انفرادیت اختیار کرلینا، تفرد اختیار کرلینا یہ تو ایک تنہائی کی جیل اور تنہائی کی قید ہے ۔۔یہ قابل برداشت نہیں ہوتی۔۔ تنہا ہونے کی کبھی کوشش نہ کیجئے، اپنے اَکابر کے دامن کو آنکھیں بند کر کے تھام لیجئے ۔۔جدھر یہ جائیں گے ہم بھی اُدھر ہی جائیں گے۔عملی کمزوری کی تلافی بھی ہوجائے گی۔ان شاء اللہ العزیز

اگر ہم نے ان کے ساتھ اپنی محبت کو مضبوط کیا ۔۔جیسا کہ حدیث شریف میں صراحتاً آتا ہے کہ ایک شخص نے پوچھا :۔۔ یا رسول اللہ ﷺ ! ایک آدمی کچھ لوگوں سے محبت تو کرتا ہے لیکن اُن کے علم کو نہیں پہنچ سکتا۔۔جو کام انہوں نے کئے ہیں وہ نہیں کرسکتا۔۔لیکن محبت اُن کے ساتھ رکھتا ہے۔تو آپ نے فرمایا! ۔۔" اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ " (بخاری ۲/۹۱۱۔مسلم ۲/۳۳۲) جس کے ساتھ محبت کرو گے اُسی کے ساتھ رہو گے۔

معلوم ہوا اہل حق سے محبت عملی کوتاہی کی تلافی بن جاتی ہے، شرط یہ ہے کہ انسان اپنے دل میں اُن کی عظمت اور محبت رکھے۔۔۔ اپنے اِن اَکابر کے کارناموں کو تحسین کی نظر سے دیکھنا ،اُن کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا اور اُن کے طرز طریقے پر جمے رہنا، ہدایت کا نشان ہے،لھٰذا اُسی پر اِستقامت اختیار کیجئے۔

مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ

آئے دن نئے نئے فتنے اٹھتے ہیں۔۔۔کہیں سے منکرین حیاۃُ النبی کا مسئلہ

نکل آیا، کہیں کیا مسئلہ نکل آیا۔۔۔ہم تو یہ کہا کرتے ہیں کہ بھائی بالکل سیدھی بات ہے ہم ہیں نسبت والے مسلمان۔۔۔ہمیں یہ بتاؤ کہ ہمارے اَکابر کا عقیدہ کیا تھا؟ اُس سے آگے اُن کے اَکابر کا عقیدہ کیا تھا اور اُس سے آگے اُن کے اَکابر کا عقیدہ کیا تھا؟ جوعقیدہ اُن سے منقول ہوگا ہم اُس کو بلا دلیل مانیں گے۔۔ جھگڑا ختم۔۔۔

اِس لئے جب یہ مسئلہ اٹھا تو ابتداء میں بہت شدت تھی، اَب بھی اِس کی گھما گھی ہے، لیکن جب ابتداء ہوئی تھی اُس وقت بہت بدتمیزی کے ساتھ اِن باتوں پر بحث ہوتی تھی۔۔۔ میں تو صرف ایک ہی بات کہا کرتا تھا کہ جنہوں نے یہ مسئلہ اُٹھایا ہے سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاذ ہیں سید انور شاہ کشمیری۔۔ بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ہیں حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ہیں، موسیٰ زئی والے۔

ہمیں اُن کا عقیدہ بتا دیں کہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ تھا؟ اور حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ تھا؟۔ پھر ہم کہیں گے کہ بات ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔اَب اگر اُن کا عقیدہ اُن کے اُستاد والا عقیدہ نہیں ہے۔۔اُن کا عقیدہ اُن کے پیر والا نہیں ہے۔۔تو پھر یہ ایک نئی شاہراہ نکلی ہے۔۔ہم اُس پر چلنے کو تیار نہیں۔ یہ گمراہ کن فرقہ ہے معلوم نہیں ہمیں کس جنگل میں پہنچا دے؟۔۔۔جہاں سے یہ سارے اَکابر آتے ہیں ہم تو اُس لائن پر چلنے والے ہیں۔۔بس سیدھا سا حساب ہے۔ اِس سے زیادہ کوئی بحث نہیں۔۔

بزم گلہائے دیو بند کے قیام کا مقصد

اور اِس بزم سے آغاز اور علماء دیو بند کے کارنامے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ حضرات کو اپنے اَکابر کا تعارف ہو، اور تعارف کے ساتھ ساتھ آپ اُن کی اِقتداء اور اِتباع ''علیٰ وجہ البصیرۃ'' کریں۔ اِس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ متصل ہونے کی وجہ سے یقیناً آپ حضرات کو گمراہی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ آنکھیں بند کر کے اُن

کے پیچھے چلتے چلے جایئے، لیکن اپنی معلومات کو مضبوط کرنے کے لئے مطالعہ کی عادت ڈالیں۔ جس طریقے سے میں نے کتابوں کی نشاندہی کی ہے، اِن کو اپنے پاس خرید کر رکھیں اور اِن کا خوب مطالعہ کریں تاکہ آپ کی بنیاد مضبوط ہو۔ صرف اخباروں، رسالوں اور اِسٹیج سے سنی ہوئی تقریروں پر اِکتفا نہ کریں۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک جھوٹے واقعہ کی نسبت

معلوم نہیں یہ بات کہنا مناسب ہوگا یا نہیں ۔ عام طور پر ہمارے مقررین یہ بات اپنی تقریروں میں کہتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو جس وقت غسل دیا گیا تو اُن کے بدن کے اوپر مختلف نشانات دیکھے گئے۔۔ جیسے جلنے کے نشانات ہوتے ہیں، ایسے نشانات دیکھئے گئے اور پتہ نہ چلا کہ یہ نشانات کس چیز کے ہیں۔ تو بعد میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ پوچھا گیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔۔ انگریز لوہا گرم کر کے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بدن پر لگاتا تھا، جس طریقے سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو انگاروں پر لٹایا جاتا تھا اور اُن کے بدن پر نشانات پڑے ہوئے تھے (سیرت ابن ہشام ۱/۱۰۹۔ بحوالہ سیرت المصطفی)۔ یہ لوہا گرم کر کے بدن پر لگانا، ایسے ہی تھا۔۔ اگرچہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جسم پر نشانات پڑے ہوئے تھے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ منع کر دیا کہ میری زندگی میں اِس کا اظہار نہ کرنا۔ اَب چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی ہے اِس لئے میں بتا رہا ہوں یہ داستان عام طور پر آپ نے مقررین کی زبان سے سنی ہو گی۔

حقیقتِ واقعہ

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب جیل میں تھے تو اُن کے ساتھ چار افراد اور بھی تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی کے بھتیجے وحید احمد اور ایک حکیم نصرت حسین رحمۃ اللہ علیہ جن کا انتقال وہیں مالٹا میں ہوگیا تھا۔ اور ایک حضرت مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ سخاکوٹ (مردان) والے۔۔ میں پانچ دفعہ سخاکوٹ حضرت مولانا عزیز گل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا ہوں، اور ایک دفعہ تو حضرت مہتمم صاحب جناب الحاج غلام محمد عباسی (مہتمم

جامعہ اِسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا) کے والد صاحب مجھے ساتھ لے کر گئے تھے اور مفتی ظفر اقبال صاحب (ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا) بھی ساتھ تھے یہ اُن دنوں طالب علم تھے۔

تو اُن کے سامنے میری موجودگی میں اِس واقعہ کا تذکرہ آ گیا کہ جی حضرت شیخ الہند صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساتھ بڑی زیادتی کی گئی کہ لوہا گرم کر کر کے اُن کے بدن کے اوپر لگایا گیا۔تو مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ یہ بات سن کو اتنا غصہ آیا کہ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ویسے تو پہلے ہی اُن کا چہرہ بہت ہی سرخ رنگ تھا تو جب غصہ آ گیا تو ایسے نظر آیا جیسے چہرہ سے شعلے نکل رہے ہیں۔ فرمانے لگے کون کہتا ہے کہ انگریز نے اِس طرح کا معاملہ کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اتنا احترام اللہ نے قائم کیا تھا کوئی اُنکی انگلی نہیں ہلا سکا۔ ہم اُن کے خادم تھے۔ہمیں کسی نے کچھ نہیں کہا تو شیخ الہند کو رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کہنا تھا؟ یہ سب غلط بات ہے۔

حضرت شیخ الہند کی رحمۃ اللہ علیہ عظمت

تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اِس قسم کے قصے جو عام طور پر بیان ہوتے ہیں حضرت مولانا عزیر گل صاحب نے بڑی شدت سے اِس کا انکار کرتے ہوئے تردید کی ہے، اور کہا کہ بالکل غلط کہتے ہیں۔اُن کے سامنے تو ہر کسی کی گردن جھکتی تھی، ہر کوئی اُن کا احترام کرتا تھا، جیل میں ضرور تھے لیکن کسی سزا یا تکلیف کا کوئی معاملہ نہیں کیا گیا۔ بالکل نہیں۔اب دیکھو یہ واقعہ لوگ کتنے درد انگیز انداز میں ذکر کرتے ہیں۔جبکہ ساتھ والے رفقاء کہتے ہیں کہ اِس میں حضرت شیخ الہند کی رحمۃ اللہ علیہ عظمت نہیں کہ غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر کے ان کی عظمت کو قائم کیا جائے۔۔اُن کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے علم اور عمل کے اعتبار سے۔۔ان کے عزم کی پختگی اور اپنے موقف پر صحیح اور پختہ ہونے کے اعتبار سے جو عظمت دی تھی اُسکے سامنے اچھے بھلے انگریزوں کا سر جھکتا تھا۔تو بالکل صحیح اور سچی معلومات وہ ہیں جو ان کی سوانح میں ملتی ہیں، جنکا حاصل کرنا ضروری ہے۔

ظلم بہت ہوا ہے اِس میں کوئی شک نہیں، لیکن جھوٹی حکایت بیان کرنا کوئی لائق تحسین یا قابل تعریف امر نہیں۔ تو ضروری ہے کہ آپ صحیح علم حاصل کرنے کی کوشش کریں اور یہ آپ کو اپنے ان بزرگوں کی سوانحات سے ملے گا۔

دعوتِ فکر

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ وہاں کے حالات ''اَسیر مالٹا'' کے نام سے لکھے ہیں اِس کو پڑھیے، اور حضرت کی اپنی خودنوشت نقش حیات سے اُن کی علمی عظمت، عملی عظمت، اِستقامت، نظریہ کی پختگی، عزیمت کی مضبوطی، یہ سب آپ کے سامنے آئیں گے۔۔ اور آپ کا تعلق اُن اَکابر کے ساتھ مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو علماء دیو بند کا صحیح جانشین بنائے، اب وقت آچکا ہے کہ ہم بھی اپنے اَکابر کی طرح قربانی دینے کے لئے تیار رہیں کیونکہ کفر چاروں طرف سے کالی آندھی کی طرح اُمڈ رہا ہے اور اِس وقت اپنے آپ کو سمجھانا اور عوام کی رہنمائی کرنا اِسی قسم کا مجاہدہ چاہتا ہے جس قسم کا مجاہدہ ہمارے اَکابر نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور اِس راستے میں ہمیں قربانی دینے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

❀❀❀❀

اہمیت پردہ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِالْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ الْحَدِیْثِ مُحَمَّد بْنِ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ فِی بَابِ قَوْلِ اللّٰہِ ’’وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ...... الخ وَاَنَّ اَعْمَا لَ بَنِیَ آدَمَ وَقَوْلَھُم یُوْزَنُ۔ وَقَالَ مُجَاھِدٌ اَلْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ...... وَیُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَھُوَ الْعَادِلُ وَاَمَّا الْقَاسِطُ فَھُوَ الْجَائِرُ......

بِہٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ ابْنُ اَشْکَابٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عَمَّارَۃَ ابْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِی زُرْعَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِیْ الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

❀❀❀❀
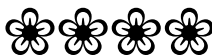
خطاب کا رُخ

چونکہ یہ اجتماع طالبات کے مدرسہ میں اُنکے سالانہ اَسباق کے اختتام کے موقع پر بلایا گیا ہے۔۔اِس لیے اِس میں اصل کے اعتبار سے مخاطب تو طالبات ہی ہوں گی ۔۔جبکہ جلسہ میں تشریف فرما مرد حضرات ، باوجود مردوں کی عورتوں پر قدرتی و فطرتی فوقیت کے، آج کے اِس جلسہ میں مرد حضرات عورتوں کے تابع ہوں گے۔

اِس جلسہ میں اصل مستورات اور طالبات ہیں۔۔جبکہ میرے سامنے تشریف رکھنے والے آپ حضرات کی حاضری اِس میں ضمنی ہے۔ چنانچہ میرے خطاب کا عمومی رُخ طالبات کی طرف ہی رہے گا۔۔اِس لئے اگر مَیں مؤنث کی ضمیریں اِستعمال کروں تو وہ انہی راشدات کے لئے ، طالبات کے لئے ہوں گی جن کا یہ سبق ہے۔۔لہٰذا آپ حضرات اِس کو محسوس نہ فرمائیں۔

اَنبیا کی وراثت

اصل بات یہ ہے کہ یہ علم جس کا مرکز یہ مدرسہ ہے ۔۔یہ علم اَنبیا کی وراثت ہے۔۔جیسا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ......

صرف یہ نہیں کہا "ورثتی "۔۔۔علماء میرے وارث ہیں۔۔۔مفرد کا صیغہ اِستعمال نہیں فرمایا، جمع کا صیغہ اِستعمال فرمایا۔۔۔

اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ......

علماء تمام اَنبیا کے وارث ہیں! اور پھر ساتھ ہی فرمایا کہ:

وَ اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یُوَرِّثُوا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا......

اَنبیا درہم و دینار کا ورثہ نہیں چھوڑا کرتے ، درہم اُس وقت چاندی کا ہوتا تھا، اور دینار سونے کا ہوتا تھا۔تو سونا چاندی یہ اَنبیاء علیہم السلام کا ورثہ نہیں ہے۔۔۔

لَمْ یُوَرِّثُوا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا، اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ......

اَنبیا درہم و دینار کا ورثہ نہیں چھوڑا کرتے۔۔اَنبیا تو علم کا ورثہ چھوڑ کے جاتے ہیں۔۔۔

وَمَنْ اَخَذَ الْعِلْمَ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ...... اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

''جس نے علم حاصل کر لیا اُس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔'' (ترمذی ۲/۹۷ ابوداود ۲/۱۵۷۔ مشکوۃ ۱/۳۴)

اللہ کا مردوں کو خطاب کرنے میں حکمت

یہ فرمان سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اب یہاں لفظ اگرچہ علماء کا ہے اور علماء عالم کی جمع ہے، عالم مذکر کا صیغہ ہے، لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دین کی باتیں اکثر و بیشتر مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے بیان کیں اور عورتیں ضمناً اِس میں شامل ہوتی ہیں۔ جیسے

- اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۔۔۔

مذکر کا صیغہ ہے، عورتوں کو بھی شامل ہے۔۔۔

- اٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔۔۔

مذکر کا صیغہ ہے عورتوں کو بھی شامل ہے۔۔۔

- اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ۔۔۔

مذکر کا صیغہ ہے، عورتوں کو بھی شامل ہے۔۔۔

تو اصل کے اعتبار سے تذکرہ مردوں کا ہوتا ہے اور اِس حکم میں شریک عورتیں بھی ہوتی ہیں۔۔۔ گویا عورتوں کو تعلیم مردوں کے ضمن میں دی جا رہی ہے۔۔ اِسی طرح اَحکام بیان کئے جا رہے ہیں تو مردوں کے ضمن میں بیان کئے جا رہے ہیں۔ ۔ البتہ کہیں کہیں جہاں عورتوں کے مخصوص مسائل آئے ہیں وہاں مؤنث کے صیغے بھی اِستعمال

کیے گئے ہیں، اور براہِ راست عورتوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔لیکن اکثر و بیشتر صیغے مذکر کے اِستعمال کر کے ہی اَحکام دیے گئے ہیں۔۔۔ اِس لئے یہاں لفظِ عُلَمَاء کے ساتھ ساتھ عالمات بھی مراد ہیں۔۔ کہ مرد جو علم حاصل کریں وہ بھی اَنبیا کا ورثہ سمیٹتے ہیں اور عورتیں جو علم حاصل کریں وہ بھی اَنبیا کا ورثہ سمیٹتی ہیں۔تو یہ ورثہ مردوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ عورتیں بھی اِس کے ساتھ شریک ہیں۔

عورتیں احکام کی مکلفہ ہیں

وجہ کیا؟۔۔۔ وجہ یہ ہے کہ اَنبیا کی وراثت جسے وہ تقسیم کرتے ہیں، ایمان باللہ ہے۔اللہ کی عبادت ہے۔اللہ کے احکام کی پیروی ہے۔لہٰذا پہلے دن سے ہی۔۔۔

جس طرح صحیح عقیدہ اختیار کرنا مرد کے ذمہ ہے عورت کے ذمہ بھی ہے۔۔۔

اور اللہ کی عبادت جس طرح مرد کے ذمہ ہے، عورت کے ذمہ بھی ہے۔۔۔

اور باقی اخلاق ، معاشرت ، معاملات کے جتنے اِسلامی احکام آئے ہیں۔ وہ مردوں کے لئے بھی ہیں اور عورتوں کے لئے بھی ہیں۔۔۔ مردوں کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ مردوں کے ضمن میں عورتیں بھی اِن سب احکام کی مکلّف ہوتی ہیں۔اَب جب عورتیں عقیدے کی مکلّف ہیں تو ان کو عقیدہ بھی سیکھنا چاہیئے۔

عبادت کی مکلّف ہیں تو اُنہیں عبادت کے احکام بھی سیکھنے چاہئیں۔۔۔ اِسی طرح باقی معاملات۔۔۔ معاشرت۔۔۔ والدین کے حقوق۔۔۔ خاوند کے حقوق۔۔۔ اولاد کے حقوق۔۔۔ پڑوسیوں کے حقوق۔۔۔ اور جس طرح وہ جن اُمور کی مکلّف ہیں ،اُنہیں لازمی طور پر اُن کا علم حاصل ہونا چاہیئے۔۔۔ اِس لئے علم کا حاصل کرنا جیسے مردوں پر فرض ہے ایسے ہی عورتوں پر بھی فرض ہے۔

اور اِس دین کا سیکھنا جیسے مردوں پر فرض ہے عورتوں پر بھی فرض ہے۔۔۔ اِس فرض میں وہ دونوں ہی برابر کے شریک ہیں۔ اِس لئے جو اَنبیا کی وراثت آ رہی ہے

--۔ یہ جہاں **علماء** کے لئے ہے۔۔ وہاں **عالمات** کے لئے بھی ہے۔ جہاں اِس کے فضائل **طلباء** کے لئے ہیں۔۔ وہاں **طالبات** کے لئے بھی ہیں۔۔۔ یہ سب کے سب مشترکہ ہیں۔

عورتوں کی فطرت کا تقاضا

اگر آپ چاہیں تو اِس سے یہ اشارہ بھی اَخذ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عورتوں (اُنثیٰ (مؤنث) جنس کو) کو بہت حد تک تذکروں میں بھی پردے میں ہی رکھنا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ اِس سے یہ نکتہ اَخذ کر سکتے ہیں کہ اِسلام میں ،علم کے اندر بھی اکثر و بیشتر اِس جنس کو جو ہمارے ساتھ برابر کی ہے اللہ تعالیٰ پردہ میں ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ اِن کا تذکرہ اتنا کھل کے نہیں کرتے جتنا کھل کر مردوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اِنہیں پردے میں رکھا جائے۔

لفظ عورت کی لغوی تحقیق

اب کیا کریں، ہماری زبان میں اِس نوع کے لئے جو لفظ اِستعمال ہوتا ہے وہ لفظ ہے ''عورت''۔ یہ عورتوں کا مجمع ہے۔ ایک لفظ ہم اِستعمال کرتے ہیں عورت ۔۔۔اور آپ کے علم میں ہونا چاہئے کہ عورت عربی کا لفظ ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ احزاب میں بھی یہ لفظ آیا ہے:

اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَمَا ھِیَ بِعَوْرَۃٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا......

اور فقہ کی کتابوں میں مرد کی طرف عورت کا لفظ مضاف ہے۔۔۔

عَوْرَۃُ الرَّجُلِ مَا تَحْتَ السُّرَّۃِ اِلَی الرُّکْبَۃِ......

عورت کا لفظ یہاں بھی بولا گیا ہے۔۔۔

تو عورت کا لفظی معنی ہے قابل ستر چیز، چھپانے کی چیز، جس کا ظاہر کرنا انسان کے لئے باعث شرم اور باعثِ عار ہو۔ اُس کو کہتے ہیں عورت۔۔۔ لفظی معنی اِس کا یہ ہے۔اور یہ جو فقہ کا فقرہ میں نے پڑھا ہے، اِس کا معنی ہے۔۔ مرد کے بدن میں

سے ۔۔ناف سے گھٹنوں تک کا حصہ ۔۔ یہ مرد کی عورت ہے:

عورة الرجل ما تحت السرة الى الركبة......

بدن کا یہ حصہ ایسا ہے کہ جس کا ننگا کرنا مرد کے لئے باعث شرم اور باعثِ عار ہے، لفظ عورت کا یہ معنی ہے۔

لفظ مستورات کی لغوی تحقیق

یا پھر ہم لفظ اِستعمال کرتے ہیں مستورات ۔۔۔ یہ لفظ مستورۃ کی جمع ہے۔ ایئرپورٹ پر، لاری اڈوں پر جہاں اِن کے لئے نشست کا علیحدہ انتظام ہوتا ہے وہاں لکھا ہوتا ہے ''برائے مستورات!'' یہ لفظ عام اِستعمال ہوتا ہے ۔اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ مستورات ۔۔ مستورۃٌ کی جمع ہے اور مستورۃ کا معنی ہوتا ہے پردے میں رکھی ہوئی چیز، چھپائی ہوئی چیز۔

ستر چھپانے کو کہتے ہیں، تو مستورۃ کا معنی ہے چھپائی ہوئی چیز ۔۔لہٰذا مستورات اُن چیزوں کو کہا جاتا ہے جو چھپائی ہوئی ہوتی ہیں۔ جن کو ننگا نہیں کیا جاتا، اِس لفظ کا معنی بھی یہی ہے۔

اب لفظ عورت کہہ لو ۔۔۔تو وہ ستر کا تقاضا کرتی ہے۔۔ اور اگر لفظ مستورات کہہ لو۔۔۔تو وہ لفظ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ۔۔ یہ وہ چیز ہے جو چھپا کر رکھنے کی ہے۔۔ ظاہر کرنے کی نہیں ہے۔۔۔

معاشرے میں جھوٹی اصطلاح

- اب جو بیبیاں منہ ننگے کر کے پھرتی ہیں ۔۔۔
- سر ننگے کر کے پھرتی ہیں ۔۔۔
- ٹانگیں ننگی کر کے پھرتی ہیں ۔۔۔
- بازو ننگے کر کے پھرتی ہیں ۔۔۔

اُنہیں ہم مستورات کہتے ہیں ۔تو جھوٹ بولتے ہیں کہ سچ ؟؟ ۔۔اِسی طرح

وہ عام خواتین جو اپنے آپ کو ترقی یافتہ سمجھتی ہیں ۔اور ترقی کرتے کرتے حیوانوں کی فہرست میں چلی گئی ہیں۔۔ وہ ننگے ہونے کے باوجود ہم سے پوچھیں کہ ہم کون ہیں؟ اگر ہم کہتے ہیں کہ آپ مستورات ہیں۔تو ہم جھوٹ بولتے ہیں۔۔۔ یہ مستورات نہیں ہیں۔۔۔ اگر ہم اُن کو عورت کہتے ہیں تو غلط کہتے ہیں، یہ عورتیں نہیں ہیں!!

عورت کا تو معنی ہے چھپا کے رکھنے کی چیز۔۔۔تو جو چھپی ہوئی نہیں ،ننگی پھرتی ہے وہ عورت کہاں ہوئی ؟ اور مستورۃ کہاں ہوئی ؟۔۔۔اِس لئے اُن کے لئے یہ لفظ اِستعمال کرنا ہی سرے سے جھوٹ ہے۔

حجاب میں رہنا ،پردے میں رہنا،عورتوں کا اصل منصب ہے، یہ اُن کے لئے کوئی قید نہیں۔ جس طرح آج ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے کہ پردہ عورت کے لئے قید ہے۔

- عورت کو کیوں مقید کر کے رکھا جائے؟۔۔۔
- یہ کیوں مرد کی طرح آزاد نہیں پھر سکتی؟۔۔۔

اِسلئے کہ باپردہ ہونا عورت کی فطرت کا تقاضا ہے۔۔۔اور بے پردہ ہونا اُس کے لئے عذاب ہے،کوئی راحت نہیں ہے۔۔۔

چھپا کے رکھنے والی چیزیں

اگر آپ ذرا حالات پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اصل کے اعتبار سے چھپا کے رکھنے کی دو ہی چیزیں ہیں۔ایک دولت اور ایک عورت۔۔دولت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے یا عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے۔

دولت کو چھپا کے رکھنا یہ دولت کے لئے کوئی عیب نہیں، اِس کی ذاتی حیثیت کا تقاضا ہے کہ:

- اگر آپ اِس دولت کو نمایاں کریں گے تو چور لپکیں گے۔۔۔
- ڈاکو لپکیں گے۔۔۔

- لٹیرے آ جائیں گے۔۔۔
- اور ہر وقت آپ خطرے میں ہوں گے۔۔۔ کہ کسی وقت بھی یہ آپ پر تجاوز کر کے زیادتی کر کے آپ کو لوٹ سکتے ہیں اور آپ کو اپنی دولت سے محروم کر سکتے ہیں۔۔۔

اِس لئے کوئی آدمی اپنی دولت کو نمایاں نہیں کیا کرتا جہاں تک ہوتا ہے انسان اپنی دولت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ میرے پاس کتنی دولت ہے اور کہاں رکھی ہوئی ہے۔۔۔

- اور جو اِس بات کو نمایاں کرتے ہیں۔۔۔
- شو بازی کرتے ہیں۔۔۔
- دکھاتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔۔۔
- وہ ڈاکوؤں کے نشانے بنتے ہیں۔۔۔
- وہ چوروں کے نشانے بنتے ہیں اور ہر روز لوگ اُن کے اوپر دست درازی کرتے ہیں۔ تو دولت چھپا کے رکھنے کی چیز ہے نمایاں کرنے کی چیز نہیں۔۔۔ اپنی دولت کو چُھپا کر رکھیں گے تو اُس سے صحیح طور پر فائدہ اٹھا سکیں گے ورنہ اگر آپ نے اپنی دولت کو نمایاں کیا تو ہر وقت خطرہ ہے کہ آپ لوٹے جائیں گے۔ دولت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔۔۔

عورت کے تقدس کا تقاضا

اور دوسرے نمبر پر چھپا کے رکھنے کی چیز عورت ہے۔۔ یہ عورت کے تقدس کا تقاضا ہے۔۔عورت کی فطرت کا تقاضا ہے۔۔عورت اگر چھپی رہے گی تو اُس کا خاندان محفوظ رہے گا۔۔ اُس کے بچوں کا نسب شبہ سے بالاتر ہو گا۔۔اور کوئی اُن پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔۔ ہر طرح سے اُس کی حرمت قائم ہو گی ۔۔۔اور جب اُن کو نمایاں کریں گے۔۔اُن کو فاسق ، فاجر اور بدمعاش جھانکتے ہیں اور آنکھوں سے اُن

کی عصمتوں کو لوٹتے ہیں یا لوٹنے کے پروگرام بناتے ہیں۔

میں کہتا ہوں ۔۔آج صرف ایک دن کے اخبارات دیکھ لیجئے۔۔ اِس طرح کی کتنی وارداتیں ہوتی ہیں۔۔۔ کہیں اغوا ہو گئے۔۔۔کہیں زبردستی لڑکی اٹھالی گئی۔۔۔ کہیں زبردستی عصمت دری ہوگئی ۔۔۔ یہ ہو گیا، وہ ہو گیا۔۔۔یہ سب کے سب واقعات اِس کا نتیجہ ہیں کہ جو چھپا کے رکھنے کی چیز تھی اُسے نمایاں کر دیا گیا۔نمایاں ہونیکے بعد عورت کی وہ حیثیت نہیں رہتی، اور نہ ہی وہ ''مستورۃ'' رہتی ہیں۔

سب سے بڑا شرف انسانیت

انسان کے لئے سب سے بڑا شرف جو اُس کو حیوانات اور عام جانوروں سے ممتاز کرتا ہے ۔۔۔ وہ اُس کے نَسَبْ اور نِسبَتْ کی پاکیزگی ہے۔۔۔ اور نسب کی پاکیزگی عورت کے پَردے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر عورت پردے میں نہ ہو تو نسب کی پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی اور پھر اِس کی فطرت ہی یہی ہے۔

- فطرت کا تقاضا پورا کیا جائے تو جبر نہیں کہلاتا۔۔۔
- فطرت کا تقاضا پورا کیا جائے تو جنت ملتی ہے۔۔۔

دینِ فطرت کا معنیٰ

دینِ فطرت کا معنیٰ یہی ہے کہ اللہ کی طرف سے انسان کو وہ احکام دیئے جاتے ہیں جو اُس کی فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔۔۔ یہ اُس کے اوپر کوئی جبر نہیں ہوتا۔ وہ جب اُن کو اپناتا ہے تو راحت محسوس کرتا ہے۔۔۔ اِس لئے دیکھیں!! قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے بہت سی نعمتوں کا ذکر کیا ہے ،وہاں مردوں اور عورتوں کی جنت کا ذکر بھی کیا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کی جنت کے ضمن میں بتایا کہ وہاں مردوں کو کیسی عورتیں ملیں گی ۔۔۔اُن عورتوں کی جو نمایاں خوبیاں ذکر کی ہیں، اُن میں سے ہر خوبی عورت کی زینت ہے۔۔عورت کا وقار ہے۔۔۔اور عورت کی فطرت کی تکمیل ہے۔

جنت میں پردے کا انتظام

قرآن کریم میں جَنَّتُ کی زیب و زینت کا انتہا درجے کا ذکر ہے۔۔۔ نعمتوں کا انتہاء درجے کا ذکر ہے۔۔۔ لیکن جہاں اور بہت ساری باتیں ذکر کی گئی ہیں۔۔۔ اُن میں سے ایک بات قرآن کریم میں بھی ہے اور حدیث کی تو بیشمار روایات میں ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جنتی عورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا

حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ۔۔۔ (الرحمٰن)

حُوریں (جنت کی معزز عورتیں) خیموں کے اندر بند کی ہوئی ہوں گی، ننگے سر، بے پردہ۔۔ جنت میں بھی عورتیں نہیں پھریں گی۔۔۔

مَقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَام کا لفظ سورۃ الرحمٰن میں آیا ہے۔ اور حدیث میں متعدد روایات ایسی ہیں جہاں آیا ہے کہ جنتی کے بہت بڑے بڑے خیمے ہوں گے اور اُن خیموں کے ہر ہر کونے میں اُس کے اہل وعیال ہوں گے۔ ایسی ایسی صفت کی عورتیں ملیں گی۔۔۔

بعض کم علم لوگ سوال اٹھایا کرتے ہیں کہ مردوں کے لئے تو جَنَّتُ میں سب کچھ ہوگا۔۔۔ عورتوں کے لئے جنت میں کیا ہوگا؟۔۔۔

یہ سوال وہ اٹھایا کرتے ہیں جن کا علم کمزور ہے اور بات کی تہہ تک رسائی نہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اللہ کریم عورتوں کا ذکر عموماً مردوں کے ضمن میں فرمایا کرتے ہیں۔۔۔ یہاں بھی مردوں کو جنت میں ملنے والی جنتی بیویوں کا ضمناً ذکر ہے۔۔۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اصل کے اعتبار سے وہ تعریف جنتی عورتوں ہی کی ہے۔ جن کی خوبیوں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

- اُن کا حسن و جمال۔۔۔
- اُن کے لئے اچھے سے اچھا لباس۔۔۔
- اُن کے لئے اچھے سے اچھے زیورات۔۔۔

❁ اُن کے لئے اچھے سے اچھا مکان اور گھر کی زیب و زینت۔۔۔ یہ عورت کی فطرت کا تقاضا ہے کہ:

❁ اِس کو اچھی سے اچھی زینت چاہئے۔۔۔

❁ اچھے سے اچھا مکان چاہئے۔۔۔

❁ اچھے سے اچھا گھر کا سامان چاہئے۔۔۔

❁ اچھے سے اچھا لباس چاہئے۔۔۔

❁ اچھے سے اچھے زیورات چاہئیں۔۔۔

یہ عورت کی فطرت کے تقاضے ہیں۔۔۔

عورت کی فطرت کا مطالبہ

اور اللہ تعالیٰ اُن کی اِس فطرت کو کمال درجے میں پورا کرے گا۔۔۔ اور پھر عورت کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی محبوبہ ہو اور خاوند اِس کے ساتھ بھر پور محبت کرے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب عورت اپنے خاوند کی محبوبہ ہو۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف لفظوں میں ذکر کیا ہے:

عُرُبًا اَتۡرَابًا...... (الواقعہ)

اب جب آپ ترجمہ پڑھتے ہیں تو **عُرُبًا** کا ترجمہ پڑھیں، **عُرُبًا** کہتے ہیں حَبیبَات کو۔۔۔ یعنی وہ عورتیں ایسی ہوں گی جو خاوندوں کو بہت محبوب ہوں گی اور خاوند اُن کے ساتھ ٹوٹ کر دل بھر کر محبت کریں گے۔

صحیح منصب معلوم کرنے کا ذریعہ

قرآن کریم کے ان الفاظ کے ضمن میں عورت کو اپنا حقیقی منصب سمجھنا چاہئے۔ جہالت نے عورت کو بہت غلط راستے پہ ڈال دیا ہے۔ اُسے اپنے اصلی مقام سے ایک سازش کے تحت دور کر کے اللہ اور اُس کے رسول کا بخشا ہوا مقام اور مرتبہ چھین کر ذلت و پستی کے گڑھے میں دھکیلا جا رہا ہے۔۔۔

اللہ جزائے خیر دے اُمت کے اِن غمخواروں کو جو اُسے بچانے کیلئے عورتوں کی دینی تعلیم کے ادارے بنارہے ہیں ۔۔۔ جب اِن میں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوگی تو عورت کو اپنا صحیح منصب معلوم ہوگا ۔۔۔ اور جب عورت اپنا صحیح منصب جان لے گی تو اپنی فطرت کے مطابق اپنے اللہ کے احکام نبھائے گی ۔۔ جن کی بدولت اِس کو جنت میں اِسی طرح کی خوشحال زندگی ملے گی جس طرح کی خوشحال زندگی مرد کو ملے گی ۔۔۔ اِس طرح مرد کی فطرت کا تقاضا بھی پورا کیا جائے گا اور عورت کی فطرت کا تقاضا بھی پورا کیا جائے گا ۔۔۔ (سبحان اللہ)

عورتوں کو دعوتِ فکر

میں اپنی بہنوں اور اپنی بیٹیوں سے جو اِس وقت میری آواز سن رہی ہیں کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث کے اِس پہلو کو ضرور پیش نظر رکھو کہ قرآن اور حدیث نے تمہارے لئے پردے کا کتنا اہتمام کیا ہے؟؟ ۔ جبکہ کچھ بدخواہ تم سے اِس نعمت کو چھین کر تمہیں ایک بازاری جنس بنا کر لوگوں کی آنکھوں اور شہوت کا نشانہ بنانے کے درپے ہیں ۔۔ وہ تمہارے کھلے دشمن اور اللہ کے باغی ہیں ۔ قرآن وحدیث کی مخالفت اور بے پردگی میں تمہاری ہرگز عزت نہیں، بلکہ اِس میں تمہاری ذلت ہی ذلت ہے ۔۔۔ اگر ہم قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور اُن کے اوپر ایمان رکھتے ہیں تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ خواتین کی فطرت کا تقاضا سَتَرْ ہے کہ وہ مستورات بن کے رہیں مکشوفات بن کر نہیں ۔ وہ نمایاں ہونے کی چیز نہیں ہیں ۔ اور نہ ہی نمایاں کرنے کی چیز ہیں ۔

دورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ

اِس لئے آج کے فتنوں میں ایک بہت بڑا فتنہ، بے پردگی کا فتنہ ہے اور اِس کا مقابلہ تمہیں اِس طرح کرنا ہے ۔ کہ اپنے اِن دینی اِداروں میں اپنی صحیح حیثیت کو اور اپنی فطرت کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کرو ۔ یہ بہت بڑا فرض ہے جو تمہارے اوپر عائد ہوتا ہے ۔۔۔ اور پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آج کل عورتوں کے ذریعے گمراہی

بہت زور سے پھیلائی جا رہی ہے۔۔۔ گھر گھر جا کر بے دین عورتوں کے قافلے باطل پرست غلط مذاہب کا پرچار کرتے ہیں۔۔۔ لا مذہب عورتیں غلط تبلیغ کرتی پھرتی ہیں۔۔ گھروں میں لچر اور گمراہ کُن لٹریچر پھیلاتی پھرتی ہیں۔ غلط عقیدوں کی تلقین کرتی ہیں۔ اِن کا راستہ تم نے روکنا ہے ۔۔اِن کا مقابلہ مردوں کے جلسے نہیں کر سکتے۔۔۔کیونکہ مردوں کے سمجھنے سے گھروں میں عورتوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی ۔۔

بنات کے دینی مدارس

اِس لئے عورتوں کا تعلیم حاصل کرنا اِس دور میں زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔۔تا کہ جو فتنہ عورتوں کے ذریعے آ رہا ہے۔۔ ہماری بچیاں دین کو سمجھ کر اِس فتنے کا مقابلہ کر سکیں۔لہٰذا اِن کا تعلیم حاصل کرنا بہت ضروری ہے ۔۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہ جیسے جیسے گمراہی زور دے کر آ رہی ہے، اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توفیق دی کہ انہوں نے جہاں طلباء کے لئے مدرسے بنائے تھے وہاں طالبات کے لئے بھی مدرسے بنا لئے۔

ابھی ہمارے محترم بچیوں کی تعلیم و تربیت اور اُنکے اخلاق و کردار سنوارنے کی تفصیل بیان کر رہے تھے،۔۔یہ کتنی مبارک اور خوش آئند بات ہے۔اللہ نے چاہا تو اِس قسم کے ادارے مزید قائم ہوں گے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اپنی بچیوں کو بھیج کر انہیں حیا باختہ، بے غیرت بنانے کی بجائے ان مدرسوں میں بھیجیں تا کہ وہ اللہ کا دین سیکھ کر ایک پاکیزہ اور صالح معاشرے کی بنیاد بنیں جو قوم کی دینی اصلاح کا موجب ہو۔۔

آپ نے سنا پچھلے دنوں کیا ہوا، جب بچیوں کی دوڑیں لگنے لگی تھیں۔۔۔ پاکستانی قوم کی بچیوں کی ٹانگیں ننگی کرنے کا پروگرام غیر ملکی سطح پہ بنایا گیا۔اور کفر کے دیسی نمائندوں نے حقِ نمک ادا کرتے ہوئے اُسے روشن خیالی اور صحت مند تفریح کا نام دیا۔۔چاہئے تو یہ تھا کہ بچیوں والے سکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کر دیتے کہ اگر

ہماری بچیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہو گا تو ہم اپنی بچیاں کالجوں سکولوں میں نہیں بھیجیں گے۔لیکن ۔۔ ’’حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے‘‘

یہ آواز پھر اٹھائی تو مولوی نے اٹھائی، بچیاں قوم کی اور اُن کو اِس بے حیائی سے بچانے کے لئے چیختا پھرتا مولوی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بچیوں کو سکولوں اور کالجوں میں بھیجنے والے غیرت کرتے ۔۔۔وہ قومی سطح پر بائیکاٹ کرتے کہ ہم نے بچیوں کو علم حاصل کرنے کے لئے سکولوں اور کالجوں میں بھیجا ہے، ہم نے انہیں بے حیا بنانے کے لئے، گویا بنانے کے لئے، نچانے اور بازاروں میں بھگانے دوڑانے کے لئے نہیں بھیجا۔

یہ کام حیا کے خلاف ہے، غیرتِ ملی کے خلاف ہے ۔۔۔بائیکاٹ کر دو اِس تعلیم کا۔۔۔لیکن اِس تعلیم کا بائیکاٹ تو کیا کرنا تھا؟۔۔۔قوم کی اپنی بچیاں بھی تیار ہو گئیں اور اُن کے جاہل سرپرست بھی تیار ہو گئے۔۔۔پھر اِس بے غیرتی کو روکنے اور قوم کی معصوم بچیوں کے حیا کو بچانے کے لئے پیٹا ہے، چیخا ہے اور پریشان ہوا ہے تو صرف مولوی !!

لیکن یہ بند آخر کب تک باندھا جائے گا جب تک بچیوں کو کوئی شعور نہیں ہوگا اور بچیوں کے والدین باغیرت اور باشعور نہیں ہوں گے اُس وقت تک اِس بے حیائی کے سیلاب کو روکا نہیں جا سکتا۔

بے حیائی کے سیلاب کو روکنے کا طریقہ

اِس بے حیائی کے سیلاب کو روکنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ خود بچیوں کے اندر غیرت کو اُبھارا جائے اور بچیوں کے والدین کو غیرت مند بنایا جائے۔

اور اِسی طرح ہمارے گھروں میں اور خاندانوں میں بیشمار غلط رسم و رواج موجود ہیں جو ہمارے لئے تباہی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ان غلط رسموں ۔۔۔ غلط رواجوں۔۔۔کی کوئی مرد اصلاح چاہتا بھی ہے تو نہیں کر سکتا۔۔۔ کیونکہ جب تک گھر کی عورتیں اِس کام کو نہ چھوڑیں۔ اکیلے مرد کے بس کی بات نہیں۔۔۔گھر کے ماحول کو

صرف لڑکیاں بدل سکتی ہیں۔۔اور گھر کی عورتیں بدل سکتی ہیں۔۔۔

حضور ﷺ کے دو خطبے

ایک بات ہے تو لطیفے کی لیکن میں عرض کیے دیتا ہوں۔ عام طور پر طالبات کے مدرسے یا طالبات کے اجتماع میں روایت بیان کی جاتی ہے۔۔جو بالکل صحیح روایت ہے۔ اِس میں کسی قسم کی گڑ بڑ نہیں ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عورتوں کے مجمع میں وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ نے جہنم دکھائی۔۔ تو میں نے دیکھا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں میں اکثریت عورتوں کی ہے۔

اِسی طرح صلاۃ الکسوف کے موقع پر جب سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز (صلاۃ کسوف) پڑھائی تھی۔۔نماز پڑھانے کے بعد آپ ﷺ نے بیان فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آج مجھے مسجد کی اِس قبلہ والی دیوار پر جنت بھی دکھا دی اور دوزخ بھی دکھا دی۔۔۔ ہوسکتا ہے کہ پرانے زمانے میں لوگوں کو اِس پر اشکال ہو، لیکن قوتِ ایمان کی بناء پر لوگ مانتے تھے اشکال نہیں کرتے تھے۔۔کہ ادھر تو کہتے ہو کہ جنت زمین و آسمان سے زیادہ وسیع ہے تو قبلے والی دیوار پر کیسے دکھا دی؟۔۔۔ اِس وقت کوئی اشکال کرسکتا تھا، آج نہیں کرسکتا۔۔۔آج گھر گھر ٹیلی ویژن ہے۔۔ اور اِس کے چند انچوں کے شیشے میں آپ کو پہاڑ دکھا دیئے جاتے ہیں۔۔ سمندر دکھا دیئے جاتے ہیں۔۔ آپ کو زمین و آسمان دکھا دیئے جاتے ہیں۔۔ جہاز اڑتے ہوئے دکھا دیئے جاتے ہیں۔۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑی سے بڑی چیز کو چھوٹی جگہ پر بھی دکھایا جا سکتا ہے۔ آج یہ نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنےموجود ہے۔۔۔

حضور ﷺ کا جنت کو دیکھنا

تو اللہ تعالیٰ نے قبلہ والی دیوار پر جنت دکھا دی اور پوری طرح نمایاں کر کے

دکھائی، آپ نے سنا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے آگے کو بڑھے۔اور اُس کے بعد پیچھے کو ہٹے۔۔۔صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا بات تھی آپ آگے کیوں بڑھے تھے؟ اور پھر آپ پیچھے کیوں ہٹے تھے؟

فرمایا، جب میں کھڑا ہوا تو اللہ نے اِس دیوار پر میرے سامنے جنت نمایاں کردی، چنانچہ میں شوق کے ساتھ آگے کو بڑھتا گیا۔(اور اُس قدر قریب ہو گیا) کہ اگر میں چاہتا تو کوئی خوشہ اُس جنت کا توڑ کر لا سکتا تھا،لیکن پھر میں نے سوچا یہ عالمِ غیب کی چیز ہے۔۔عالمِ غیب میں ہی رہے تو بہتر ہے اِس وجہ سے میں نے اُس کو توڑنا مناسب نہیں جانا۔

اور جب تم نے مجھے دیکھا تھا کہ میں گھبرا کر پیچھے کو ہٹا ہوں تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اِسی دیوار پر میرے سامنے دوزخ نمایاں کردی،تو جیسے ایک آگ اور ہیبت ناک چیز سامنے آنے سے آدمی پیچھے ہٹتا ہے میں بھی پیچھے کو ہٹا تھا۔

یہ جنت اور دوزخ کی باتیں میرے اور آپ کے لئے غیب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھی ہوئی باتیں ہیں جو ہمیں بتاتے ہیں۔

اللہ کے نمائندوں کی خبریں

آج جب ساتوں سمندر پار سے کوئی عیسائی،کوئی یہودی خبر رساں ایجنسی خبر دیتی ہے۔۔آپ فوراً یقین کر لیتے ہیں۔۔۔کہتے ہیں جی ریڈیو میں آ گیا۔۔ٹی وی پہ آ گیا۔۔ جی بی بی سی کی خبر ہے۔۔ وہ چاہے کتنی ہی خلافِ عقل کیوں نہ ہو آپ کی طبیعت اُس کی تردید کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی لیکن انبیاؑ سے زیادہ سچی زبان کس کی ہو سکتی ہے؟۔ جو اللہ کے نمائندے ہیں، جب یہ اپنی دیکھی ہوئی باتیں ہمارے سامنے بیان کرتے ہیں تو ہم ان کی تصدیق کیوں نہ کریں؟۔۔۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب آنکھوں سے دیکھا ہے، دوزخ کو بھی دیکھا ہے جنت کو بھی دیکھا ہے اور دیکھ دیکھ کر بتایا ہے۔۔۔ دنیا میں کسی کی کوئی خبر اتنی یقینی نہیں ہوتی

جتنی اللہ کے نبی کی زبان کی خبر یقینی ہوتی ہے۔۔۔ ہماری آنکھ غلط دیکھ سکتی ہے لیکن نبی کی زبان سے نکلا ہوا لفظ غلط نہیں ہوسکتا۔۔۔

جہنم میں عورتوں کی کثرت کی وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عورتیں بہت کثرت سے جہنم میں جائیں گی، اکثریت میں نے عورتوں کی دیکھی۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! عورتیں کیوں زیادہ جہنم میں جائیں گی؟ فرمایا کہ:

تُكْثِرْنَ اللَّعْنَةَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْر (بخاری ۱/۴۴۔)......

''ایک تو یہ خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہیں اور ایک یہ لعنت پھٹکار بہت زیادہ کرتی ہیں۔''

اور لعنت پھٹکار بہت زیادہ کرنا اور خاوند کی ناشکری کرنا۔۔۔ یہ دو باتیں ہیں جو عورت کو کثرت کے ساتھ جہنم میں لے جائیں گی۔ اور عورت خاوند کی ناشکری کیسے کرتی ہے اِس کا ذکر باب صلاۃ الکسوف میں ہے۔

ابوسعید کی وہ روایت جو آپ نے کتاب الطہارت باب الحیض میں پڑھی ہے، یہ اِس میں نہیں ہے، صلاۃ الکسوف میں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّ هْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔(مشکوۃ ۱/۱۲۹۔ بخاری ۱/۹۔ مسلم ۱/۲۹۸)۔۔۔

کہتے ہیں کہ عورت کی فطرت یہ ہوتی ہے کہ ساری زندگی اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، ان کو اچھا کھلاؤ، اچھا پہناؤ، اُن کی ہر خواہش و آرزو پوری کرو۔۔۔

لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدهر......

- پورا زمانہ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔۔۔

ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا......

- پھر کوئی ایک چیز خلاف طبیعت تمہاری طرف سے دیکھ لیں، تو کہتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ......

❁ میں نے تو تیری طرف سے بھلائی کبھی دیکھی ہی نہیں۔ جب سے تیرے گھر میں آئی ہوں یہی حال ہے۔ پوری زندگی کا کھایا پیا، پہنا، عیش وعشرت ایک لفظ میں ختم کر کے رکھ دیتی ہیں۔۔۔

کہتی ہے جب سے آئی ہوں یہی حال ہے، میں نے تیری طرف سے کبھی خیر نہیں دیکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ یہ ناشکری عورت کو جہنم میں لے جانے والی ہے۔۔۔لیکن یہ بات تو ایسے ہی آ گئی درمیان میں، روایت کے سلسلے میں کہہ دی، فائدے سے یہ بھی خالی نہیں ہے۔۔۔

عورتوں کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد گرامی

لیکن اگلے جملے بہت توجہ کرنے کے قابل ہیں! بیٹیاں جتنی ہیں، بچیاں بیٹیاں ہیں، بہنیں ہیں، سب یہ بات توجہ سے سنیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ، اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاكُنَّ (بخاری ۱/۴۴۱۔)......

کہ تم ناقص العقل اور ناقص الدین ہو، تمہاری عقل بھی ناقص تمہارا دین بھی ناقص! لیکن میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جو خود ناقص العقل ہو لیکن ہوشیار آدمی کی عقل مار دے میں نے تمہارے مقابلے میں کسی کو نہیں دیکھا، کہ ناقص العقل ہو کر تم ہوشیار آدمی کی عقل مار دیتی ہو۔۔۔خود ناقصات العقل ہونے کے باوجود اُسے بے وقوف بنا لیتی ہو!!

ناقص العقل والدّین کی وجہ

جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ناقصات العقل و الدین ہو، تو اِس پر عورتیں بول پڑیں، کہنے لگیں:

وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَ عَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!؟......

یارسول اللہ! ہم ناقصات العقل کیوں ہیں؟ اور ناقصات الدین کیوں ہیں؟ یہ سوال تو عورتوں کی طرف سے اِس روایت میں ہے۔۔۔ اور آپ نے بتایا کہ دیکھو اللہ نے تمہارا منصب یہ رکھا ہے کہ تم دو کی گواہی کو ایک کے برابر ٹھہرایا۔۔۔ یہ تمہارے عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔۔۔اور کتنے دن زندگی میں تم پر آتے ہیں کہ تم نماز نہیں پڑھ سکتیں، روزہ نہیں رکھ سکتیں، اور مرد پر کوئی ایسا وقت نہیں آتا کہ وہ نماز روزہ نہ کرے۔۔۔ اِس لئے مرد کے مقابلے میں تمہارا دین ناقص ہے اِس کا جواب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیا۔۔۔

اگلا سوال کسی روایت میں نہیں ہے کہ عورتوں نے کہا ہو کہ یارسول اللہ! آپ نے یہ جو کہہ دیا کہ تم عقلمند آدمی کی عقل مار لیتی ہو، یہ کیا بات آپ نے کہہ دی؟؟ ہم کیسے عقل مار لیتی ہیں؟۔۔۔اس سوال کے نہ پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم مردوں کی عقل کیسے مار لیتی ہیں اور اُن کو بے وقوف کیسے بنا لیتی ہیں؟۔۔۔ یہ سب جانتی ہیں۔۔۔

بے وقوف ایسے بنا لیتی ہیں کہ کوئی مطالبہ کر دیا، خاوند بے چارہ روتا ہے کہ گنجائش نہیں لیکن وہ ایسے حیلے بہانے کریں گی کہ آخر کار قرض لے کر خاوند اُن کی خواہش پوری کرے گا۔۔۔اَب عقل کا تقاضا کچھ تھا، اُس عورت کا تقاضا کچھ تھا۔ عورت کا تقاضا پورا کرنے کے لئے خاوند نے عقل کا تقاضا چھوڑ دیا۔۔۔

دیکھئے ایک رسم ہے جس کے متعلق آدمی کو یقین ہے کہ یہ عقل کے خلاف ہے۔۔شریعت کے خلاف ہے۔۔نہیں کرنی چاہئے لیکن عورت اَڑ کے بیٹھ جاتی ہے اور عقل کے خلاف کام، عقل کے خلاف رسم، عقل کے خلاف سب کے سب کام ضد کر کے کروا لیتی ہے۔ یہ سب عورتوں کو پتہ ہے۔۔۔

عورتوں میں قوتِ تاثیر

اگرچہ اِس عنوان میں بظاہر عورت کی ایک چالاکی اور مکاری کو بیان کیا گیا

ہے، لیکن اِس کے ضمن میں مجھے عورت کی تعریف کا ایک پہلو بھی نظر آتا ہے جس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا مقصود ہے۔

اِس جملے کے ضمن میں تعریف کا پہلو کیا ہے؟؟۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت میں مرد کو متاثر کرنے کی تاثیر رکھی ہے۔ کتنا واضح مطلب ہے۔ یہ بات سمجھ رہے ہو کہ عورتوں میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو متاثر کرنے کی تاثیر رکھی ہے۔ یہ مرد کو جلد متاثر کر لیتی ہیں۔

تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم اپنی اِس قوتِ تاثیر سے مرد سے خلافِ عقل ۔۔خلافِ دین کام کروا لیتی ہو تو تم اپنی اِس قوتِ تاثیر کو صحیح اِستعمال کرنا کیوں نہیں سیکھتیں کہ مردوں کو سیدھے راستے پر لے آؤ۔۔۔ اپنی اِس قوتِ تاثیر سے کام لو۔ اور دین و دنیا کی بھلائی حاصل کرو۔۔

بات سمجھانے کے لئے ایک مثال

دیکھیں کہ آپ کے ہاں ایک چھری ہے اور تیز ہے، آپ اُس سے پھل فروٹ کاٹ لیں، آپ نے اُس سے ٹھیک کام لیا ہے، آپ اُس سے گوشت کاٹ لیں آپ نے اُس سے صحیح کام لیا ہے۔۔۔ آپ اُس سے اپنی ناک کاٹ لیں، اپنا گلہ کاٹ لیں، اپنا پیٹ پھاڑ لیں، آپ نے اُس سے غلط کام لیا ہے۔۔۔ تلوار تو دھار والی ہے، چھری دھار والی ہے، اُس کا غلط اِستعمال بھی ہو سکتا ہے اور صحیح اِستعمال بھی ہو سکتا ہے۔

اگر تم اپنی اِس قوتِ تاثیر کے ساتھ مردوں سے خلافِ عقل کام کروا سکتی ہو تو کیا تم اپنی اِس قوتِ تاثیر سے مردوں سے بُری عادتیں نہیں چھڑوا سکتیں؟ اور مردوں کو تم صحیح راستے پر نہیں لا سکتیں؟ تم ضد کر کے ایسی بات کیوں نہیں منواتیں جو عقل اور شرافت کے موافق ہے۔

غلط کاموں کی تردید کریں

تم اپنے خاوند سے کہو کہ خبردار رشوت کا مال گھر میں نہ آئے، میں گھر میں

رشوت کا مال نہیں آنے دوں گی۔ اور اگر وہ کوئی چیز رشوت کی لے کر آئے۔ تم اُٹھا کر نالی میں پھینک دو۔ دیکھو پھر تمہارا خاوند رشوت کس طرح لیتا ہے۔۔۔

اور اگر وہ گھر میں ٹی وی لا کر رکھ دیتا ہے، ہر وقت بچے ناچ گانے دیکھتے ہیں تو تم ضد کرو کہ میں ٹی وی گھر میں نہیں آنے دوں گی، میں اپنے بچوں کے اخلاق نہیں بگڑنے دوں گی، میں اپنی بچیوں کے اخلاق نہیں بگڑنے دوں گی، یہ بُرائی کا آلہ میں اسے اپنے گھر میں نہیں آنے دوں گی۔ اگر تم ضد کر کے ٹی وی منگوا سکتی ہو تو ضد کر کے کیا اُٹھوا نہیں سکتیں؟

اور اِسی طرح سے اگر تمہارا خاوند گھر میں بت لا کر رکھتا ہے، تصویریں لگاتا ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ جس گھر میں تصویریں ہوں وہاں اللہ کی لعنت برستی ہے، اللہ کی رحمت نہیں آتی۔۔۔ تو تم اِس زیب و زینت کو ختم کیوں نہیں کروا سکتیں؟۔۔۔ اور اپنے گھروں کو پاک صاف کیوں نہیں کر سکتیں؟۔۔۔ تم اپنے خاوند سے کیوں نہیں کہہ سکتیں کہ اگر نماز نہیں پڑھو گے تو میں روٹی نہیں پکاؤں گی۔ نماز پڑھ کر آؤ پھر میں روٹی پکا کے دیتی ہوں۔ اگر اور غلط کام کروا سکتی ہو تو کیا ضد کر کے اپنے خاوند کو نمازی نہیں بنا سکتیں؟۔۔۔

یقیناً اگر آپ اِس منصب کو سمجھ جائیں گی تو گھروں کی اصلاح ہو جائے گی۔ بچے سدھر جائیں گے، گھر کے ماحول بھی سدھر جائیں گے۔ تمہارا خاوند بھی صحیح راستے پہ آ جائے گا۔ اپنی اِس قوتِ تاثیر سے تم صحیح کام لو۔ غلط کام نہ لو۔

غلط رسموں کی نشان دہی

گھروں کے اندر انقلاب لاؤ۔۔۔ یہ رسمیں تب چھوٹیں گی۔ کیونکہ رسمیں کیا ہوتی ہیں کہ:

- اگر ہم نے یوں نہ کیا تو برادری کیا کہے گی؟۔۔۔
- اگر ہم نے یوں نہ کیا تو پڑوسی کیا کہیں گے؟۔۔۔

✽ اگر ہم نے یوں نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے؟۔۔۔

یہ ہے بڑی دلیل ۔۔جس کی بناء پر گھروں کے اندر بُری رسمیں ہوتی ہیں۔ اور یہ آپ جانتے ہیں کہ کتنی مہمل بات ہے۔ یہ دیکھا کرو کہ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ کیا کہتے ہیں۔ یہ نہ دیکھا کرو کہ لوگ کیا کہیں گے۔۔زیادہ تر یہی کہیں گے کہ تم نے یہ رسم نہیں کی، اور کیا کہیں گے؟۔۔۔کوئی ڈنڈا اُٹھا کر تو آئیں گے نہیں کہ تم نے فلاں کام نہیں کیا، ٹھیک ہے نہیں کیا، تو کیا ہو گیا؟۔۔۔لیکن یہ اتنا مضبوط ڈنڈا ہے ''لوگ کیا کہیں گے!'' کہ اِس ڈنڈے کی بناء پر بہت ساری غلط رسمیں ہم کرتے ہیں جو نہیں ہونی چاہئیں۔

خواتینکے ادارے

اِس لئے عورتوں کی اصلاح، بچیوں کی اصلاح اور گھر کی اصلاح کے لئے یہ تعلیم کے ادارے بہت ضروری اور قابلِ قدر ہیں ۔ ان کو آباد رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ باتیں تھیں جو میں نے اصلاح کے طور پر کہہ دیں۔

باقی رہی یہ روایت جس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے، یہ تبرکاً پڑھی جاتی ہے۔کیونکہ طالبات بخاری اوّل سے آخر تک نہیں پڑھتیں، ان کے لئے ایک خاص نصاب ہے۔اور برکت کے لئے آخری روایت پڑھ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو بہت محبوب ہیں اور زبان کے اوپر بڑے ہلکے پھلکے ہیں اور میزان میں بڑے بھاری ہوں گے۔ وہ کلمے **سبحان الله وبحمدهٖ سبحان الله العظيم** ہیں ان کی ایک تسبیح روز پڑھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

اور چونکہ مجھے جلدی جانا ہے اور گاڑی کا ٹکٹ بھی ہو چکا ہے۔اور وقت بھی ہونے والا ہے اِس لئے میں انہی کلمات پر اپنی معروضات کو ختم کرتا ہوں۔ موقع ملا تو پھر حاضری دوں گا۔

ان شاء اللہ۔

مبارکباد کے مستحقین

مبارک باد دیتا ہوں اِن بچیوں کو جنہوں نے اپنی تعلیم مکمل کی ہے۔۔ اب آگے وفاق کا امتحان آ رہا ہے، اللہ کریم اِس میں بھی اِن کو کامیابی دے اور اِسی طرح مبارکباد دیتا ہوں اِن بچیوں کے والدین کو اور سب سے زیادہ مبارکباد کے مستحق مدرسے والے اور ان کے منتظمین ہیں جو صبح و شام محنت کر کے، خون پسینہ ایک کر کے اِس قسم کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

سورج گرہن

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ۔

فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا یَنْخسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَأَیْتُمْ ذَالِکَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ ......

وفی روایۃٍ ...... اِذَا رَأَیْتُمْ ذَالِکَ فَادْعُوا اللّٰہَ وَکَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

’’اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی،

تمہید

آپ سب حضرات اِس بات سے واقف ہوں گے کہ کئی دنوں سے اخبارات میں آ رہا ہے۔اور آج بھی پوری تفصیل کے ساتھ اخبار میں آیا ہے کہ کل سورج گرہن ہوگا۔یعنی سورج تاریک ہو جائے گا۔۔کسی کسی جگہ بالکل تاریک ہو جائے گا اور رات کی طرح اندھیرا ہوگا۔اور کسی جگہ روشنی میں کمی آئے گی۔ چونکہ کل یہ واقعہ پیش آنے والا ہے اِس لئے خیال ہوا کہ اس سے متعلق آپ سے چند باتیں ہو جائیں۔ چھوٹے اور بڑے سب توجہ کے ساتھ بات سنیں۔

چاند اور سورج گرہن کیا ہے؟

عربی میں چاند اور سورج کے بے نور ہونے کیلئے **کُسُوف** اور **خُسُوف** کے الفاظ اِستعمال ہوتے ہیں۔۔۔جیسے "**خَسَفَ الْقَمَرُ**"......سورۃ القیامۃ میں یہ لفظ آیا ہے۔عام طور پر سورج کے بے نور ہونے کو کسوف کہتے ہیں۔(کاف ،سین اور فا کے ساتھ۔۔**کُسُوف**)اور چاند کے بے نور ہونے کو خسوف کہتے ہیں۔(خا،سین اور فا کے ساتھ۔۔**خُسُوف**) لیکن ایک دوسرے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

اور یہ روایت جو میں نے پڑھی ہے،اس میں چاند اور سورج دونوں کے لئے **خُسُوف** کا لفظ ہی آیا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ......

بے شک سورج اور چاند۔۔۔

اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ ......

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔۔۔

لَا یَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ ......

یہ نہ کسی کے مرنے پر بے نور ہوتے ہیں۔۔۔

وَلَا لِحَیَاتِہٖ......

اور نہ کسی کے پیدا ہونے اور زندہ ہونے پر بے نور ہوتے ہیں۔ جس وقت تم یہ دیکھو کہ سورج اور چاند بے نور ہو گئے ہیں، تو ایک روایت میں ہے ۔۔۔

فاذکروا اللّٰہ ......

اللہ کا ذکر کیا کرو۔۔۔ اور ایک روایت کے لفظ ہیں:

فَاِذَا رَأیْتُمُوْہُ فَادْعُوا اللّٰہَ وَکَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا......

کہ جب تم یہ دیکھو کہ سورج یا چاند بے نور ہو گیا ہے، تو اللہ سے دعا کیا کرو، اللہ کی تکبیر پڑھا کرو، نماز پڑھا کرو، صدقہ کیا کرو۔۔۔

تو اِس میں شمس و قمر دونوں کے لئے خُسُوف کا لفظ اِستعمال ہوا ہے۔ یعنی اِن کا بے نور ہونا۔ ویسے عام طور پر سورج کے لئے لفظ کُسُوف اور چاند کے لئے لفظ خُسُوف اِستعمال ہوتا ہے۔۔۔

شرعی طور پر اِس میں کیا اَحکام ہیں، اِس سے پہلے مختصر سی بات سمجھ لیں کہ

- یہ گرہن ہوتا کیا ہے؟۔۔۔
- یہ کیوں لگتا ہے؟۔۔۔
- سورج اور چاند بے نور کیوں ہو جاتے ہیں؟۔۔۔

اِس میں ایک ہے ظاہر کے متعلق بات اور ایک ہے باطن کے متعلق بات۔

علم ہیئت والے جو ستاروں، سورج اور چاند کی رفتار کے اوپر بحث کرتے ہیں وہ پیش گوئی کیا کرتے ہیں کہ 29 کو چاند نظر آ جائے گا 30 کو چاند نظر آ جائے گا، اتنے دنوں کے بعد یہ ہو گا، وہ ہو گا۔۔۔ آج کل علم ہیئت، علم نجوم بہت ترقی کر گیا ہے اور اکثر و بیشتر ان کے حساب ٹھیک نکلتے ہیں اور کبھی غلط بھی ہو جاتے ہیں۔۔۔

سیاروں کا نظام

تو علم نجوم کے حساب سے، علم ہیئت کے اعتبار سے اِس کی وجہ یہ ذکر کی جاتی

ہے کہ جو سیارے آپ کو نظر آتے ہیں۔ سیارے ان کو کہا جاتا ہے جو اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہیں، چلتے ہیں، سیارہ چلنے والے کو کہتے ہیں۔ سبعہ سیارات عام طور پر مشہور ہیں۔

- سورج کا ذکر ہے۔۔۔
- چاند کا ذکر ہے۔۔۔
- عطارد کا ذکر ہے۔۔۔
- مریخ کا ذکر ہے۔۔۔
- زہرہ کا ذکر ہے۔۔۔
- یہ سب گھومتے ہیں اور چلتے ہیں۔۔۔

اور آج کی تحقیق یہ ہے کہ زمین بھی اُن سیاروں میں سے ایک سیارہ ہے اور یہ بھی سورج کے گرد گھومتی ہے اور محور اِس کا سورج ہے۔

اور باقی چاند ہو گیا۔۔۔ زمین ہو گئی۔۔۔ مریخ ہو گیا۔۔۔ زہرہ ہو گیا۔۔۔ اِس قسم کے جتنے سیارے ہیں وہ سب اِس کے اردگرد گھومتے ہیں۔۔۔

اِسی طرح یہ سب کے سب خود اپنے طور پر بھی حرکت میں رہتے ہیں۔ جس سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں۔۔۔ جب اِن کا ایک رُخ سورج کی طرف ہوتا ہے تو دن ہو جاتا ہے۔ جب دوسرا رُخ ہوتا ہے تو رات ہو جاتی ہے۔۔ اور اِسی گھومنے کے ساتھ موسموں کا تغیر ہوتا ہے اور موسم بدلتے ہیں۔۔۔ کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی بہار اور کبھی خزاں آتی ہے۔۔۔ جب یہ سورج کے قریب ہوتے ہیں تو اثرات زیادہ ہوتے ہیں اور جب سورج سے دور ہو جاتے ہیں تو اثرات کم ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اِس شعبہ کے ماہرین نے علیحدہ علیحدہ اِن سب کے سالانہ چکروں کی مقدار اور رفتار کا حساب لگا کر اوقات کی تعیین کا نظام بنایا ہے۔ اِس سے حساب لگاتے ہیں کہ اتنے بجے سورج نکلے گا، اتنے بجے چھپے گا۔۔ یہ آئے دن آپ دیکھتے رہتے ہیں۔۔۔ ان کے یہ حسابات اکثر ٹھیک ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہو،

لیکن اکثر و بیشتر یہ حساب ٹھیک ہوتے ہیں۔ سورج کے طلوع کا حساب اور سورج کے غروب کا حساب۔

گرہن کیوں لگتا ہے؟

ماہرین یہ کہتے ہیں کہ یہ جو سیارے فضا میں گھوم رہے ہیں یہ کبھی کبھی گھومتے گھامتے ایسے مقام پر آ جاتے ہیں کہ سورج اور اُس کے سامنے والے سیارے کے درمیان میں آڑ بن جاتے ہیں۔۔ اور اُس آڑ کی وجہ سے سورج کی روشنی سامنے والے سیارے پر نہیں پڑتی۔۔۔ اَب اگر یہ سامنے والا سیارہ زمین ہے تو ایک آڑ آ جانے کی وجہ سے زمین پر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اِسی کو سُورج گرہن کہتے ہیں۔۔۔ یا اُس آڑ کے اُدھر جو انسان ہوتے ہیں اُن کو سورج نظر نہیں آتا۔۔۔ اِس طرح ایک دوسرے پر سایہ پڑ جانے کی وجہ سے اُن پر تاریکی آ جاتی ہے۔۔۔

تو کل کی تاریکی میں زمین اور سورج کے درمیان چاند حائل ہو جائے گا، اور جب چاند حائل ہو جائے گا تو پردہ ہو جائے گا۔۔۔ اور زمین والوں کو سورج نظر نہیں آئے گا۔۔۔ چاند کے حائل ہو جانے کی وجہ سے سورج کی روشنی براہِ راست زمین پر نہیں آئے گی۔۔۔ چاند رکاوٹ بن جائے گا۔۔۔

تو جیسے جیسے یہ اپنی اپنی حرکت سے آگے پیچھے ہوتے چلے جائیں گے، ویسے ویسے گرہن کھلتا چلا جائے گا۔۔۔ اور اگلے علاقوں میں منتقل ہوتا چلا جائے گا۔ اور جب پوری طرح ایک دوسرے کے مقابل سے ہٹ جائیں گے تو وہی کیفیت ہو جائے گی جو عام طور پر ہوتی ہے۔۔۔

ظاہر اور باطن کی اصطلاح

اخبارات میں جو چیز آ رہی ہے وہ یہی ہے۔۔۔ یہ بات آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے؟ اُن کے اِس طرح کہنے کی ہم تردید نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنی تحقیق اور ظاہر کے مطابق دُرست کہتے ہیں ہم اِس کی تردید ہرگز نہیں کرتے۔ لیکن یہ ضرور

کہتے ہیں کہ اُن کی تحقیق اوراُن کی نظر صرف ظاہر تک ہے۔ اندرونِ خانہ اَسباب وعلل تک صرف مالکِ کائنات کی رسائی ہے۔۔۔

یعلمون ظاھرًا من الحیٰوۃ الدنیا ۔(سورہ روم۔آیت ۷)

یہ دنیا کے ماہرین، تجربہ کار، صرف ظاہر کو جانتے ہیں۔ باقی اِس ظاہر کے اندر حقیقت کیا ہے؟ اور اِس کے باطنمیں بھی کچھ ہیکہ نہیں؟ اِس سے یہ غافل ہیں۔ ظاہر یہی ہے جو کچھ یہ سمجھتے ، دیکھتے اور جانتے ہیں، اِسی کی بات کرتے ہیں۔ ظاہراور باطن بچوں کوسمجھانے کیلیئے میں ایک مثال ذکر کرتا ہوں توجہ کریں۔

ایک شخص کو پھانسی کی سزاہوئی اور پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔۔ پھانسی کی صورت یہ ہوا کرتی ہے کہ۔۔۔ اُس کے گلے میں رسہ ڈال دیتے ہیں۔۔۔ اوراُس رسے کواُوپر کسی لکڑی یالوہے کے شہتیر سے باندھ دیتے ہیں۔۔۔ جبکہ نیچے ایسے پھٹے کے اُوپر اُسے کھڑا کر دیا جاتا ہے جونیچے کو کھلتا ہے۔۔۔ اوراُس کے پاؤں کے ساتھ ایک وزن باندھ دیتے ہیں۔۔۔ پھانسی دیتے وقت اُس کے نیچے سے وہ پھٹہ کھینچ دیا جاتا ہے جس پر وہ کھڑا ہوتا ہے۔۔۔ اِس طرح جھٹکا کھا کر جب وہ نیچے گرتا ہے تو اُس کا گلہ گھُٹ جاتا ہے اور گردن باہر نکل آتی ہے۔۔۔ گردن کے ٹوٹ جانے اور گلے کے گھُٹ جانے سے انسان مرجاتا ہے۔۔۔ اِسے پھانسی کہتے ہیں۔۔۔

تو ایک آدمی کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔۔ مثال دے رہا ہوں۔۔اُسے چار آدمی کھڑے دیکھ رہے تھے۔ جب وہ آدمی مرگیا۔۔۔ یہ آپس میں تبصرہ اور مکالمہ کرنے لگے کہ یہ آدمی کیوں مرگیا؟۔۔

اُن میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اِس کا گلہ گھُٹ گیا۔ اِس لئے مرگیا۔۔۔

دوسرے نے پوچھا: آخر اُس کا گلہ کیوں گھُٹ گیا؟۔۔۔

تیسرے نے کہا کہ ایک آدمی نے اُس کے گلے میں رسہ باندھ دیا تھا اور رسے کی وجہ سے اُس کا گلہ گھُٹ گیا۔۔۔

دوسرا کہنے لگا کہ یہ رسہ اُس نے اُس کے گلے میں کیوں باندھا تھا؟

چوتھے نے کہا اسلئے کہ حاکم نے لکھ دیا تھا کہ اِس کے گلے میں رسہ ڈالو، اور اِس کو یوں کر کے لٹکا دو۔۔۔

ایک اور نے پوچھا: حاکم نے ایسا کیوں لکھا تھا؟۔۔۔اگلا آدمی کہنے لگا کہ حاکم نے اِس لئے لکھا تھا کہ اِس شخص نے کسی دوسرے آدمی کو ظلماً قتل کر دیا تھا۔۔۔ اور اُس قتل کی وجہ سے جب یہ پکڑا گیا تو اُس کے کردار کی سزا کے طور پر حاکم نے فیصلہ لکھا۔۔۔ چونکہ یہ قاتل ہے اِس لئے اِس کو بھی قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حاکم کے فیصلے کے بعد نوکر نے اُس کے گلے میں رسہ ڈال دیا اور رسہ ڈالنے سے اُس کا گلہ گھُٹ گیا اور گلہ گھُٹنے سے مر گیا۔ آخر تفصیل یہی ہوگی نا؟

اب وہ آدمی جو یہ کہتا ہے کہ گلے میں رسے کی وجہ سے اُس کا گلہ گھٹ گیا اور وہ مر گیا، بالکل ٹھیک کہتا ہے۔۔ کیونکہ رسہ اُسے نظر آ رہا تھا۔ ہمیں اِس سے انکار کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اِس رسہ ڈالنے اور گلہ گھُٹنے کے پیچھے بھی تو کچھ ہے کہ نہیں؟؟۔۔۔ اِس کے پیچھے حاکم کا قلم ہے جس نے فیصلہ لکھا کہ۔۔۔ اِس کے گلے میں رسہ ڈالو اور اِس کو لا کر لٹکاؤ۔۔۔ اَب اگر اِس میں جھگڑنا شروع کر دیں کہ حاکم کے قلم سے یہ شخص کیسے مارا گیا؟ حاکم کا قلم کیسے چلا؟ نظر تو ہمیں آیا نہیں، کس نے دیکھا کہ حاکم کے قلم نے اِس کو قتل کیا؟ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ گلے میں رسہ تھا جس سے گلہ گھُٹ گیا اور مر گیا۔۔۔

اَب اِس پر ضد کرنا بے وقوفی ہے۔۔ ناواقفیت ہے۔۔ ورنہ دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔۔۔ رسہ واقعی گلے میں ڈالا گیا اور مرا بھی واقعی گلے میں رسہ ڈالنے کی وجہ سے ۔۔ اور یہ رسہ ڈالا گیا حاکم کے حکم سے۔۔ جو عام طور پر لوگوں کو نظر نہیں آتا۔۔ جن کو عدالتی کاروائی کا پتہ نہیں ہے وہ نہیں سمجھ سکتے کہ حاکم کا حکم لکھنے سے اِس کے گلے میں رسہ ڈالا گیا ہے۔۔۔ اگر حاکم حکم نہ لکھتا تو اِس کے گلے میں رسہ نہ ڈالا جاتا۔

اور پھر اگلی یہ حقیقت کہ حاکم نے حکم کیوں دیا؟۔۔۔ وہ اُس شخص کے کردار کا

نتیجہ ہے کہ اُس نے چونکہ کسی کو قتل کر دیا تھا قتل کرنے کے بعد جب پکڑا گیا اور جرم حاکم کے سامنے ثابت ہو گیا تو حاکم نے حکم دیا کہ اِس کے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے۔۔اِسے لٹکا دیا جائے۔۔اور جب ایسا کیا گیا تو اُس کا گلہ گھٹا اور مر گیا۔ یہ مثال سمجھ میں آ رہی ہے؟۔۔۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ سیارے آپس میں بالمقابل آ جانے کی وجہ سے گرہن لگتا ہے اور اُسی کی وجہ سے سایہ پڑ جاتا ہے۔۔۔اب چاند کا سایہ سورج پر پڑ گیا تو سورج کی روشنی رک گئی۔۔۔ لہٰذا زمین والے اِس کو دیکھ نہیں سکتے۔ سورج سیاہ نظر آتا ہے۔۔۔ تو ٹھیک ہے ہم کب انکار کرتے ہیں۔ لیکن اِس کے آگے بھی کچھ ہے کہ نہیں؟۔۔۔یقیناً ہے کہ:

- ان سیاروں کو چلاتا کون ہے؟۔۔۔
- ایک دوسرے کے بالمقابل لاتا کون ہے؟۔۔۔
- ان کی یہ رفتار کس نے رکھی ہے؟۔۔۔
- اور ان کی یہ صلاحیتیں کس نے بنائی ہیں؟؟۔ کہ یہ یوں چلتے چلتے ایک دوسرے کے بالمقابل آ جاتے ہیں جس کی وجہ سے کبھی چاند نظر نہیں آتا کبھی سورج نظر نہیں آتا؟۔۔۔

آخر اِن کو کوئی حرکت دینے والا، چلانے والا ہے یا نہیں؟۔۔۔

سائنسدان یا ماہرین فلکیات چونکہ "ظاهرًا من الحيٰوة الدنيا" کو جانتے ہیں تو ظاہری بات کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ بالکل ٹھیک ہے، لیکن اِس کے پیچھے کوئی اور بھی ہے وہ حُکمِ حاکم ہے جس کی بناء پر یہ نقل و حرکت ہوتی ہے اور اِس نقل و حرکت کی وجہ سے یہ صورتِ حال پیدا ہوتی ہے۔۔۔

بس اِس ظاہر کے ساتھ باطن کو بھی مان لیا جائے تو ظاہری تحقیق اور شریعت آپس میں جمع ہو جاتے ہیں۔۔۔ اِن کا آپس میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔ یہ کوئی لڑائی کی بات نہیں۔ وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ اللہ کے حکم کے ساتھ ایسا ہوتا

ہے۔۔اللہ اِن میں تصرف ایسا کرتے ہیں اور اِن کو حرکت ایسی دیتے ہیں جس کی بناء پر کبھی کبھی ان کے نتائج بدل جاتے ہیں۔۔اِس طرح اللہ کی قوت عیاں ہوتی ہے کہ یہ نورانی چیزیں بے نور ہو جاتی ہیں اور دن کی بجائے رات ہو جاتی ہے۔۔چاند بے نور ہو جاتا ہے، سورج بے نور ہو جاتا ہے۔

تو گرہن کا ظاہری سبب جو علم ہیئت والے نقل کرتے ہیں وہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔۔اور جو شریعت ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، وہ بھی میں نے ایک مثال کے ذریعے آپ کو سمجھایا ہے کہ اِن دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ظاہری اعتبار سے ظاہر بین ماہرین ٹھیک کہتے ہیں اور باطنی حال کے اعتبار سے شریعت کی بات بھی بالکل ٹھیک ہے۔۔۔

موجودہ محققین اور شریعت کے بیان کردہ ان نظریات کے علاوہ۔جاہلیت کے زمانے میں گرہن کے متعلق ایک نظریہ اور بھی تھا۔

نظریۂ جاہلیت

جس دن سرورِ کائنات ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم علیہ السلام فوت ہوئے تو اِتفاق سے اُسی دن سورج کو گرہن لگ گیا۔۔اور جاہلیت میں نظریہ تھا کہ سورج اور چاند کو گرہن کسی بڑے آدمی کے مرنے کی وجہ سے لگتا ہے، آج کوئی بڑا آدمی فوت ہوا ہے جس کی وجہ سے سورج کو گرہن لگ گیا، چاند کو گرہن لگ گیا، یا کوئی ستارہ ٹوٹا۔

ایک دفعہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا۔ اور ایک طرف سے دوسری طرف جاتا ہوا نظر آیا۔۔تو آپ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھےہوئے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا اِس بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ ستارے کیوں ٹوٹتے ہیں؟ ۔۔۔ بیٹھنے والوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جاہلیت میں تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ یہ کسی بڑے آدمی کے مرنے کی وجہ سے ٹوٹتے ہیں۔۔۔ یہ جاہلیت کا عقیدہ تھا جس کی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے تردید فرمائی۔ اور ستاروں کے

ٹوٹنے کے متعلق یہی فرمایا کہ یہ کسی کے مرنے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتے، کسی کی موت اِن پر اثر انداز نہیں ہوتی (بخاری ۱/۱۴۲۔ ۱/۱۴۵۔ مسلم ۱/۲۲۰)۔۔۔

اور اِسی طرح سورج اور چاند کے گرہن کے متعلق فرمایا کہ اِن کو گرہن لگنا کسی کی موت کی وجہ سے نہیں ہوتا۔۔۔اور چونکہ اُس دن اِتفاق ایسا ہو گیا تھا کہ اِدھر حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی اور اُدھر سُورج کو گرہن لگ گیا۔۔اِس لئے بظاہر جاہلیت کے عقیدے کی یہاں مطابقت تھی کہ دیکھو صاحبزادہ ابراہیم فوت ہوا تو سورج تاریک ہو گیا۔تو آپ ﷺ نے اس کا شدت کے ساتھ انکار فرمایا کہ یہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں، یہ کسی کے مرنے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتیں۔اور یہ جاہلیت والا نظریہ غلط ہے۔

جاہلانہ عقائد کی تردید

آپ بھی جب بوڑھوں اور بوڑھیوں کو، عام جاہلوں کو، اپنے بے علم گھر یا محلے کے افراد کو کبھی کہتے ہوئے سنیں کہ ''آج بہت بڑا ستارہ ٹوٹا، معلوم ہوتا ہے کوئی بڑا آدمی مرا ہے''۔۔فوراً تردید کریں کہ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔اور اُنہیں سمجھائیں کہ یہ جاہلانہ عقیدہ ہے۔اِسلام اِس کی تائید نہیں کرتا۔۔۔

سورج اور چاند کے گرہن کے وقت گھر میں کسی کو بات کرتے ہوئے سنیں کہ کسی کے مرنے جینے کی وجہ سے ایسے ہوتا ہے تو کہیں کہ بالکل غلط ہے۔یہ کسی کے مرنے جینے سے متاثر نہیں ہوتے، یہ بھی جاہلانہ عقیدہ ہے، اِس کی تردید کریں۔

سورج اور چاند آیات اللہ ہیں

تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، اللہ انمیں اپنا تصرف کر کے، ان نورانی چیزوں کو بے نور کر کے اپنی قدرت کو ظاہر کرتا ہے اور۔۔۔ ''وَيُخَوِّفُ بِهِمَا عِبَادَهٗ''......اور اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ اللہ کے تصرف کو دیکھو کہ کیسی کیسی نورانی چیز کو اُس نے سیاہ کر کے رکھ دیا، اور اِس سے

اللہ کا خوف پیدا ہونا چاہئے۔

تو حکمِ حاکم یہ ہے کہ یہ اللہ کے حکم کے تحت ہوتے ہیں۔ باقی اِس کا ظاہری سبب کیا ہے یہ ماہرین فلکیات بیان کرتے ہیں۔ جاہلیت والا عقیدہ بالکل غلط ہے۔ ظاہر کے مطابق یہ بات ٹھیک ہے کہ ستارے بالمقابل آ گئے، جس کی بناء پر ایک دوسرے پر سایہ پڑا اور سایہ پڑنے کے ساتھ یہ بے نور ہو جاتے ہیں،۔لیکن جاہلیت والا عقیدہ غلط ہے، کسی کی موت وحیات کا اِس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ظاہری اور باطنی اسباب

اَب کل جو گرہن لگے گا۔جس کے متعلق خبر آ رہی ہے۔۔۔تو اِس میں بھی کچھ ظاہری اَسباب کے تحت باتیں ہیں اور کچھ باطنی اَسباب کے تحت ہیں۔ ظاہری اسباب کے تحت سورج یا چاند کے گرہن کا وقت ۔۔یعنی گرہن کا دورانیہ۔۔۔سائنس دانوں کے نزدیک بھی انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔۔۔

اِس انتہائی خطرناک وقت بیشُمار آفات نازل ہوسکتی ہیں۔۔۔جیسے آج کے اخبار میں ہے۔۔۔

- زلزلے آ سکتے ہیں۔۔۔
- آندھیاں چل سکتی ہیں۔۔۔
- مختلف قسم کی مصیبتیں آ سکتی ہیں۔۔۔

ستارے اِس کے بالمقابل ہو جاتے ہیں کہ اگر ذرا بھی ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا جائیں تو قیامت برپا ہوسکتی ہے۔۔۔

ایسا نازک وقت ہوتا ہے، تو ایسے نازک وقت میں۔۔۔ اللہ کو یاد کرنا، اللہ کے سامنے توبہ و اِستغفار کرنا۔۔۔یہ شریعت کی تعلیم ہے، باطن کے اعتبار سے۔۔۔اور اِس خطرناک وقت میں ظاہر کی تعلیم کیا ہے۔؟؟ وہ آپ کے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ اعلان ہُوا ہے کہ کل چار سوا چار بجے کے قریب ملتان کے علاقہ میں سُورج گرہن نمایاں ہو گا۔۔۔اور سوا چار سے سوا چھ بجے تک تقریباً دو گھنٹے باقی رہے گا۔۔۔ اِس دوران اِس کے اثرات نمایاں ہوں گے۔۔۔ یہ وقت بہت نازک قسم کا ہوتا ہے۔ جس طرح میں نے عرض کیا کہ اِس میں مختلف قسم کے مصائب آ سکتے ہیں اور انسانی زندگی پر اِس کے مختلف اثرات واقع ہو سکتے ہیں۔

حفاظتی تدابیر

تو آپ حضرات نے سب سے زیادہ احتیاط اِس بات کی رکھنی ہے کہ کوئی شخص اُس وقت سورج کی طرف جھانکنے کی کوشش نہ کرے۔۔ کیونکہ ظاہری اَسباب والے کہتے ہیں کہ اِس سے انسان اَندھا بھی ہو سکتا ہے اور آنکھوں کی بیماریاں بھی ہو سکتی ہیں، اِس لئے سورج کو جھانکنے کی کوشش نہ کریں۔

آپ اخبارات میں کل سے نہیں کئی دنوں سے تصاویر دیکھ رہے ہیں کہ یورپ والے (چونکہ بالکل اندر سے غافل ہیں۔ باطن کے سبب کے قائل نہیں۔ اِس قسم کی نشانی جب پیش آتی ہے تو تماشہ بنا لیتے ہیں۔) جشن منانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔۔۔ وہ سورج کا نظارہ دیکھیں گے۔ آپ کے سامنے اخبارات میں تصاویر آ رہی ہیں کہ سب کالی عینکیں خرید رہے ہیں کہ کالی عینک آنکھ پر رکھ کر سورج کو دیکھیں گے تا کہ اِس کا اثر آنکھ پر نہ پڑے۔۔۔ دوسری عام عینک کے ساتھ سورج کو دیکھنا یا خالی آنکھ کے ساتھ سورج کو دیکھنا نہایت خطرناک ہے۔ اِس بارے میں احتیاط کریں۔

اور گرہن کے دوران آوارہ نہیں پھرنا، ادھر اُدھر نہیں جانا۔ اِس کی وجہ سے بھی آپ کی صحت پر کوئی بُرا اثر پڑ سکتا ہے۔۔ظاہر والے جدید ماہرین کا کہنا ہے کہ گرہن کا وقت صحت کے لحاظ سے انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ اِس سے کینسر بھی ہو سکتا ہے۔ اِس سے چمڑا اسکڑ کر چہرے کے اوپر جُھریاں بھی پڑ سکتی ہیں اور اِس کے ساتھ اور بھی مختلف قسم کی بیماریاں آ سکتی ہیں، اِس لئے گرہن کے وقت آپ لوگ باہر نہ نکلیں اور

سورج کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ تو ظاہر سبب والے صرف اتنا کہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ مزید اُن کے پاِس آپ کیلئے کوئی ہدایات نہیں ہیں۔۔۔

سورج گرہن کے وقت حضور ﷺ کا عمل

اور باطن والے ۔۔۔ جن کی نظر اللہ کی قدرت پر ہے ۔سرورِ کائنات ﷺ جن کو اللہ نے اپنا ترجمان بنا کر بھیجا۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ نشانی دیکھو کہ سورج کوگرہن لگ گیا ہے یا چاند کوگرہن لگ گیا ہے،تو۔۔۔

فاذکروا اللّٰہ۔

- اللہ کو یاد کیا کرو۔۔۔ اللہ کا ذکر کیا کرو۔ اور ایک روایت میں ہے:

فادعوا اللّٰہ وکبّروا وصلّوا وتصدّقوا۔

- اللہ کے سامنے دعا کرو، اور اللہ کی تکبیر بیان کرو، سبحان اللّٰہ الحمد لِلّٰہ کثرت کے ساتھ پڑھو، نماز پڑھو، صدقہ وخیرات کرو، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ چنانچہ جس وقت آپ ﷺ کے بیٹے فوت ہوئے اور یہ واقعہ پیش آیا تو آپ نے نماز پڑھائی ۔۔۔ جس کو صلوٰۃ الکسوف کہتے ہیں ۔۔۔ فقہ کی کتابوں میں اِس کا طریقہ اور جملہ اَحکام پوری تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔ حدیث میں باب صلوٰۃ الکسوف مستقل موجود ہے،
- جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔۔۔
- اللہ کے سامنے رونے اور دعا کرنے کا ذکر ہے۔۔۔
- آپ ﷺ کی الحاح وزاری کا ذکر ہے۔۔۔
- اور اِسی طرح آپ ﷺ نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔۔۔
- آپ ﷺ نے صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا۔۔۔

تاکہ ایسے وقت میں اللہ کی مخلوق اللہ کے غضب سے بچی رہے۔ یہ کوئی کھیل تماشے کا وقت نہیں ہے، یہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا وقت ہے۔ اللہ کے ذکر کا وقت

ہے، توبہ و اِستغفار کا وقت ہے، اور اِس طرح نماز پڑھنے کا وقت ہے، دعا کرنے کا وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو محفوظ رکھے اور اِس گرہن کی وجہ سے کوئی عذاب نہ آئے۔۔۔

جبکہ اخباروں والے خود لکھتے ہیں کہ سائنس دان کہتے ہیں کہ اِس موقع پر مصیبتیں آ سکتی ہیں، زلزلے آ سکتے ہیں، طوفان آ سکتے ہیں، آندھیاں آ سکتی ہیں، اور اِس طرح کی اور کئی مصیبتیں آ سکتی ہیں، تو اِس خوف و ہراس کی بناء پر اللہ کی طرف متوجہ رہیں، چلنا پھرنا تو کل بالکل نہ ہو۔۔۔

حضور ﷺ نے صلوٰۃ کسوف ادا فرمائی

اِس موقع پر چونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کی تلقین کی اور آپ ﷺ نے خود بھی نماز پڑھائی۔ اور بڑی لمبی نماز پڑھائی۔ بڑے لمبے لمبے رکوع۔ اور بڑے لمبے لمبے قیام فرمائے۔۔۔ حدیث میں پوری تفصیل موجود ہے۔

اب چونکہ یہاں وقت بتایا گیا ہے سوا چار بجے سے لے کر سوا چھ بجے تک، دو گھنٹے۔۔۔ اور ہماری عصر کی اذان ہوتی ہے سوا پانچ بجے۔ جبکہ ساڑھے پانچ بجے ہم عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔ اِس لئے تمام طلباء یاد رکھیں کل ظہر کے بعد سوا چار بجے تک پہلا سبق ہو جائے گا، اور آخری گھنٹے کی چھٹی ہو گی۔ آخری گھنٹے میں سبق نہیں ہو گا، سب طالب علم وضو کر کے سوا چار بجے کے بعد مسجد میں آ جائیں۔۔۔ میری بات سمجھ رہے ہیں آپ؟۔۔۔

سوا چار بجے وضو کر کے سب مسجد میں آ جائیں۔۔۔ مسجد میں ہم جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ تا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہو جائے۔۔۔ جو جمعہ کا امام ہے وہ ہی نماز پڑھائے گا۔ دو رکعتیں پڑھیں گے اور امام صاحب قرأت جھراً کریں گے، سرّاً بھی کر سکتے ہیں، دونوں قول ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف میں قرأت سرّاً ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ

باقی آئمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہرًا ہے۔۔۔ چونکہ دونوں اپنے ہی قول ہوئے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ۔ اِس لئے

- سرًّا قرأت بھی جائز ہے۔۔۔
- جہرًا قرأت بھی جائز ہے۔۔۔

سرًّا اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔لیکن خاموشی کے ساتھ ہاتھ باندھ کر اتنی دیر کھڑے رہنا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے، اِس لئے اگر قرأت جہری ہو تو اُدھر توجہ کے ساتھ کھڑے ہونے میں ذرا آسانی ہوتی ہے۔

اگر ہمارے امام صاحب ،قاری صاحب یہاں موجود ہیں تو ٹھیک۔۔نہیں ہیں تو اُن سے کہا جائے کہ وہ اِس کی تیاری کر کے آئیں۔۔۔سوا چار یا ساڑھے چار کے قریب نماز کھڑی ہو جائے۔۔۔ اور سوا پانچ تک پون گھنٹے میں یا گھنٹے میں وہ دو رکعت پڑھائیں اور اِس میں کم ازکم دو پارے تلاوت کریں۔۔۔ تیاری کر کے آئیں اور سوا پانچ کے قریب نماز ختم ہو۔

اِس کے بعد پھر عصر کی نماز ہو۔۔ ساڑھے پانچ بجے عصر کی نماز پڑھنے کے بعد بھی ہم مسجد میں ہی رہیں گے۔۔اور اپنے طور پر ذکر اَذکار اور دُعا میں مصروف رہیں گے،اور یہ معمول ہمارا سوا چھ بجے تک جاری رہے گا۔۔۔اِن شاءاللہ۔۔۔

صلوٰۃ کسوف میں نظارے

کل ہم گرہن کے وقت میں آوارہ نہیں پھریں گے۔اور باہر چلنا پھرنا ہمارا نہیں ہوگا۔۔۔اور ہمارے یہ دو گھنٹے مسجد میں گزریں گے۔ بات سمجھ رہے ہو؟ تا کہ اِس سنت پر عمل کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے ٹھیک توفیق ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گرہن کے وقت میں نماز پڑھی تھی اور اِس موقع پر جب آپ صلوٰۃ الکسوف پڑھا رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ نے عجیب وغریب واقعات ظاہر کیے۔

آپ ﷺ صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔۔اچانک صحابہ کرام نے دیکھا کہ آپ ﷺ آگے کو بڑھ رہے ہیں کہ جیسے کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں، پکڑنے کے انداز میں آگے کو بڑھ رہے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آگے کو بڑھے پھر پیچھے کو ہٹے۔۔۔۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوا؟۔۔۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں آگے کو بڑھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت دکھا دی مسجد کی دیوار پر، میرے سامنے جنت نمایاں کر دی اور ایسے طور پر جنت نمایاں ہوئی کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں اِس جنت میں سے کھجور کا ایک خوشہ توڑ لوں۔لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ ایسا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اگر میں وہ کھجور کا خوشہ توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک وہ کھجور کھاتے۔ (بخاری ۱/۱۶۱۔مسلم ۱/۲۹۶)

لیکن اُس عالم غیب کو عالم غیب ہی رہنے دیا اور باقی لوگوں کے لئے اُس کو عالم مشاہدہ نہیں بنایا۔لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان، جو پوری مخلوق میں سب سے سچی زبان ہے، ہم اُس پر اِس طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔۔۔تو جنت اور دوزخ آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز ہمارے سامنے بیان فرمائی۔ اب یہ چیز اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو صلوٰۃ کسوف میں دکھائی، فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو جنت سے کھجور کا خوشہ بھی توڑ سکتا تھا۔

اب بات کھل چکی

پرانے زمانے میں لوگ اعتراض کیا کرتے تھے کہ قرآن میں جنت کے متعلق تو آتا ہے، وہ اتنی بڑی ہے کہ اس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے تو جب اُس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے تو اُس کی لمبائی کتنی ہوگی؟؟۔ بھلا وہ مسجد کی ایک چھوٹی سی دیوار پر کیسے نظر آ گئی؟؟۔۔ پہلے زمانے کے لوگ یہ اعتراض کرتے تھے۔جس کا جواب ہم صرف یہی دیا کرتے تھے کہ یہ اللہ کی قدرت ہے۔۔۔اِس سے

زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔۔

لیکن آج ہم ٹی وی کے پردے پر پہاڑ دیکھتے ہیں تو پہاڑ اِسی طرح بڑے بڑے نظر آتے ہیں، لیکن نظر آتے ہیں چند انچ کی جگہ پر۔۔۔جہاز اِسی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، جس طرح اصل جہاز ہوتا ہے، لیکن نظر آتا ہے چھوٹی سی جگہ پر۔۔۔ جب اتنے بڑے بڑے پہاڑ اور اتنے بڑے بڑے شہر، سمندر اور میدان سب اتنی چھوٹی سی جگہ پر دکھائے جاسکتے ہیں۔تو جنت کو اللہ نے اگر مسجد کی دیوار پر نمایاں کر دیا ہو اور نظر ویسی آئی ہو جس طرح اصل ہے تو اِس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟؟۔۔۔جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے ایسا کرسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت تو بہت ہی بڑی ہے۔ وہ کیا نہیں کرسکتا۔؟ وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

اور فرمایا کہ جب میں پیچھے کو ہٹا تھا تو اُس وقت میرے سامنے جہنم نمایاں کی گئی اور مجھے اس مسجد کی دیوار پر جہنم دکھائی گئی تو میں نے اللہ تعالیٰ کا تعوذ کیا۔۔۔ گویا جنت اور دوزخ کی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے کرتے ہیں اور آنکھوں دیکھی کرتے ہیں، کہ جہنم کی بھی بعض چیزیں دیکھیں، جس کا ذکر حدیث شریف میں آتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں چیز دیکھی، فلاں چیز دیکھی، جنت بھی دیکھی۔۔۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں مصروف رہے۔۔۔اور تھوڑی دیر کے بعد پوچھتے رہے کہ سورج کی کیا کیفیت ہے؟؟۔جس وقت تک سورج صاف نہیں ہو گیا اُس وقت تک آپ ﷺ ذکر اذکار اور توبہ و اِستغفار میں لگے رہے۔۔۔

ہم اہلسنت ہیں، سنت پر چلیں گے

تو انشاء اللہ العزیز کل ہم اِس گرہن کے وقت کو سنت کے مطابق گزاریں گے۔۔آوارہ بالکل نہیں پھرنا۔۔سورج کی طرف بالکل نہیں دیکھنا۔۔سوا چار بجے وضو کر کے سب نے مسجد میں آنا ہے۔۔اخبار کی خبر ہے اصل واقعہ دیکھیں گے کیا ہوتا

ہے۔۔اگراُس وقت تاریکی کے آثار ہوئے تو سورج کی طرف جھانکنا نہیں۔۔اگرکسی کو بہت ہی شوق ہو جھانکنے کا تو کالی عینک خرید لے۔ ۔لیکن یہ رواج نہ ڈالیں، کوئی ضرورت نہیں ہے اپنی آنکھوں کا نقصان کرنے کی۔۔

اگر اِس طرح سورج کے دیکھنے سے جسم پرکوئی بُرا اثر پڑے۔۔۔کوئی بیماری لگ جائے۔۔۔ اِس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھیں۔۔۔سب مسجد میں آ جائیں اور اللہ کے سامنے توبہ و اِستغفار میں لگ جائیں۔۔۔اور اِس وقت کو ذکر و اذکار کے ساتھ گزار لیں۔۔۔ سنت پر عمل کرنے کے لئے ہمارے امام صاحب بھی تیار رہیں۔جبکہ خطبہ میں بھی یہ بات ذکر کر دی جائے گی۔

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَان مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لاَ یَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلاَ لِحَیَاتِہٖ، اِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ ......

وفی روایۃٍ اذا رأیتموہ فادعوا اللّٰہ و کبّروا وصلّوا و تصدّقوا......

نماز پڑھنے کا ذکر آ گیا، آگے صدقے کا ذکر ہے،تو صدقہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کسی کو دے دیں۔ حسبِ توفیق تھوڑے سے صدقے سے بھی سنّت کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔۔۔توفیق ہو تو کسی دوست کو چائے وغیرہ پلا دیں، یہ بھی صدقے میں آ جائے گی۔

باقی اصل اِس میں توبہ و اِستغفار ہے۔کل گرہن کا وقت سبکا سب سُنّت کے مطابق گزاریں ۔کل کے موقع کی مناسبت سے یہی چند باتیں تھیں جو تفصیلاً عرض کر دی ہیں۔ ان کا خیال رکھیں اور کل وقت پر وضو کر کے آ جائیں۔۔ ہم صلوٰت الکسوف ادا کریں گے۔ ان شاءاللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

اسلامی سال کا افتتاح

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

ان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ وخیر الھدی ھدی محمدٍ ﷺ وشر الامور محد ثا تُھا وکل محدثۃ بدعۃٍ وکل بدعۃٍ ضلالۃٌ (مسلم صحیح)

او کما قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

’’اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ‘‘۔

تمہید

اِسلامی سال کا اختتام ذی الحجہ پر ہو جاتا ہے۔ ذی الحجہ اِسلامی سال کا آخری مہینہ ہے اور محرم پہلا مہینہ ہے۔ اِس لئے یکم محرم سے 1420ھ کی بجائے ہم نے 1421ھ لکھنا شروع کر دیا ہے اور یہ نیا سال شروع ہو گیا ہے۔

ہجری سن کی ابتدا

اِسلامی سَن کی بنیاد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہے۔ اِس لئے ہم اِس سَن کو سَن ہجری کہتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں جو انگریزی سَن چلتا ہے یہ میلادی سَن کہلاتا ہے۔ مثلاً یہ 2000ء کے اپریل کا مہینہ چل رہا ہے۔ جنوری، فروری، مارچ اور اپریل ۔۔۔ یہ 2000ء سَن کے بعد چوتھا مہینہ چل رہا ہے۔ یہ میلادی سَن کہلاتا ہے۔ یعنی اِس کی ابتدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے اُن کے ماننے والوں نے کی ہے۔۔ جبکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد سے اِسلامی سال شروع نہیں کیا گیا۔۔۔ ہمارا سَن میلادی نہیں ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۔۔۔ اِس دنیا میں اتنا عظیم واقعہ ہے جس کے برابر کوئی دوسرا واقعہ نہیں۔ حضور ﷺ کی ولادت سے اللہ کی رحمت کا ظہور اَتم طریقے سے ہوا،، لیکن ہمارے سال کی ابتداء ولادت سے نہیں کی گئی۔۔۔

اور پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف 40 سال ہوئی۔۔ آپ پر وحی کا نزول ہوا اور جس نبوت کا فیصلہ آپ کیلئے ابتداءِ دنیا سے کیا گیا تھا۔۔ اُس کا ظہور ہوا تو یہ بھی بہت بڑا واقعہ تھا۔۔ لیکن اِس کو بھی بنیاد نہیں بنایا گیا۔۔۔ اِس لئے ہمارا سَن سنِ نبوی نہیں ہے۔۔۔

پھر وحی کے بعد بھی کئی عظیم واقعات پیش آئے۔۔ مثلاً معراج بہت بڑا واقعہ تھا بلکہ نزولِ قرآن کے بعد حضور ﷺ کو عطا کیا جانے والا سب سے بڑا معجزہ

تھا۔۔لیکن نزولِ قرآن یا معراج شریف کو بھی اِسلامی سَن کی ابتداء نہیں بنایا گیا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مکہ مکرمہ چھوڑا اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔۔اِس ہجرت کو اِسلامی **سَن** کی ابتداء بنایا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سَن کا شمار ربیع الاول سے تھا، لیکن اِس میں دِقت یہ پیش آتی تھی کہ ربیع الاول سال کے درمیان کا مہینہ تھا۔۔پہلا مہینہ محرم تھا۔۔کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہی مہینوں کی ترتیب یوں ہی چلی آ رہی تھی بلکہ قرآن کریم سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت زمین و آسمان کو پیدا کیا، سورج چاند کا نظام چلایا تو اِسی وقت سے 12 مہینے اسی ترتیب سے متعین کیئے۔

اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ 12 مہینے اُس وقت سے ہیں جبسے اللہ نے سورج چاند کا چکر چلایا ہے۔۔جس میں 4 مہینے **اشھُرِ حَرَام** کے ہیں۔۔حضور ﷺ نے اُن کے نام لیے۔معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے ہی اللہ کی حکمت کے ساتھ محرم سے سال شروع ہوتا تھا اور ذی الحجہ پر ختم ہوتا تھا۔

فاروقیؓ کارنامہ

اِس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیع الاوّل سے سن کی ابتداء کرنے کی بجائے حضور ﷺ کی **ھجرت** کو بنیاد بناتے ہُوئے ہجری سَن کا آغاز محرم سے ہی قرار دیا۔۔ورنہ ہجرت تو ربیع الاوّل میں واقع ہوئی تھی محرم میں نہیں۔جبکہ ربیع الاوّل کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے اِنتظامی طور پر مشکلات پیش آتی تھیں۔۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باہمی مشاورت سے تاریخ کے نظام کو آسان اور بہتر بنانے کیلئے ہجری سال کی ابتداء ربیع الاوّل کی بجائے محرم سے قرار دی۔یہ اِس کی حقیقت ہے۔

ہجری سن کی حکمت

ھجرت جس سے سَن کی ابتداء ہوئی۔۔اُس کے تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ہو گئی تھی۔۔۔مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے کافروں اور

مشرکوں کے مقابلے میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی، ظلم ہوئے۔۔۔سختی ہوئی۔۔۔ سب کچھ برداشت کیا گیا، ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔۔۔13 سال تک مکہ معظّمہ میں پٹتے رہے، کوئی جوابی کاروائی کرنے کی اجازت نہ ملی۔۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد جہاد کی اجازت ہوئی اور پھر جب جہاد شروع ہوا تو اِسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔۔۔ چونکہ کافروں کے مظالم سے نجات۔۔جہاد کی اجازت۔۔عمل کی آزادی ۔۔اِسلام کا پھیلاؤ اور اُس کی آبیاری۔۔یہ سب کی سب ہجرت ہی کی برکات تھیں۔ اِسلئے حضور ﷺ کی **ھجرت** کے عظیم واقعہ کو بنیاد بناتے ہُوئے ہجری سَن کا آغاز اِس سے کیا گیا۔۔۔ لہٰذا ہر مسلمان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہمارا سَن ہمیں ہجرت اور جہاد کی یاد دلاتا ہے۔۔۔

ہجرت اور جہاد کی حقیقت

ھجرت اور جہاد کی حقیقت پر غور کیجئے؟۔۔۔

- اللہ کے دین کیلئے، اللہ کی رضا کیلئے وطن کو قربان کر دینا۔۔۔
- جائیداد کو قربان کر دینا۔۔۔
- رشتہ داروں کو قربان کر دینا۔۔۔ اِس کا نام ہجرت ہے!!
- وطن چھوڑ دیا۔۔۔ خاندان چھوڑ دیا۔۔۔ اہل و عیال چھوڑ دیئے۔۔۔ کاروبار چھوڑ دیا۔۔۔ جائیداد چھوڑ دی۔۔۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے یہ ہجرت ہے۔۔۔
- اور جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے راستے میں نکلنا اور کفر کو مغلوب کرنے کے لئے کافروں کے ساتھ عملاً لڑنا یہ **جہاد** کہلاتا ہے۔۔۔

تو گویا جان و مال، وطن و جائیداد، اہل و عیال ہر چیز کی قربانی دینے کا نام ہے **ھجرت اور جہاد** اور یہی دو چیزیں اِسلام کی نشو و نما، اور پوری روئے زمین پر مسلمانوں کے غلبے کا ذریعہ بنیں۔۔۔

اِس لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زِرْوَۃُ سِنَامِہِ الْجِہَادُ (ترمذی ۲/۸۹۔ابن ماجہ ۱/۲۸۵)......

اِسلام کی شان وشوکت کا اظہار جہاد کے ذریعہ ہوتا ہے۔

تو ہجرت اور جہاد اِسلام میں دونوں بہت اہم چیزیں ہیں۔اور یہ سَن بھی اِسی بات کی یاد دہانی کراتا ہے۔مسلمانوں کی تاریخ شروع ہی **ھجرت** اور **جھاد** سے ہوتی ہے۔جو اللہ کے لئے ہر چیز کی قربانی دینے کا درس دیتے ہیں۔

اِسلام کی نشوونما کیسے ہوئی

یہ عنوان کہ جذبۂ ہجرت اور جذبۂ جہاد کن چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے؟۔یہ بات ذرا لمبی ہے اور اِن شاء اللہ العزیز مختلف اوقات میں ہوتی رہے گی۔اِس وقت محرم کے متعلق چند ایک ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اِس مہینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اِس میں کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔یہ جو ابتدائی بات میں نے ہجرت اور جہاد کے بارے میں کی ہے وہ صرف سَنِ ہجری کی ابتداء کا تذکرہ تھا۔کہ اسلام کی نشوونما،ہجرت اور جہاد سے ہوئی ہے۔۔اور آئندہ بھی جان و مال کی قربانیوں اور جہاد ہی سے ہوگی۔جب تک مسلمان بحیثیت قوم اِس بات کو یاد رکھیں گے کہ اللہ کے نام پر سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہے۔تب تک اِسلام غالب رہے گا۔

اور جب مسلمان وطن اور جائیداد کی محبت میں، اہل وعیال کی محبت میں، اپنی جان کی محبت میں مبتلا ہوجائیں اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیں گے تو ذلت وپستی کا شکار ہوجائیں گے اور بدنصیبی اُن کا مقدر ہوجائے گی۔۔اَب مَیں اِس عنوان کو یہیں چھوڑتا ہوں اور **محرم** کے متعلق دو چار باتیں عرض کرتا ہوں۔۔۔

واقعہ کربلا اور محرم

محرم کی فضیلت کے سلسلہ میں حدیث شریف میں دو باتیں آتی ہیں۔محرم کی فضیلت کو اپنے ذہن میں رکھیں۔۔محرم کی خصوصیت یا محرم کی فضیلت **واقعۂ کربلا** کی

وجہ سے نہیں ہے۔ یہ واقعہ تو 60 ہجری میں پیش آیا ہے، اُس وقت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو 50 سال ہو گئے تھے۔

جبکہ اِس مہینے کی فضیلت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بیان فرمائی۔ جب ابھی کربلا کا واقعہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ تو اِس مہینے کی فضیلت کا مدار اِس واقعہ پر نہیں ہے اور نہ ہی اِسلام کی نظر میں کوئی **شہادت** چاہے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، کسی دن کو کوئی خصوصیت عطا کرتی ہے۔۔۔

اِسلام کی تاریخ شہادتوں سے بھری ہوئی ہے

آپ اِس پر اگر غور فرمائیں گے تو آپ کو اِسلام کی تاریخ شہادتوں سے بھری ہوئی نظر آئے گی اور اِن شہادتوں کی وجہ سے اگر ہم دنوں کو محترم قرار دینا شروع کریں تو شاید سال کا کوئی مہینہ اور دن نہ بچے کہ جس کا ہمیں احترام نہ کرنا پڑے اور اُس دن کو منانا نہ پڑے۔۔ کیونکہ کوئی مہینہ، ہفتہ اور دن خالی نہیں ہے۔۔۔ جس میں کوئی بڑی سے بڑی شہادت پیش نہ آئی ہو، اَنبیاء علیہم السلام کی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے بڑے بڑے حضرات کی۔

اَنبیاء بھی شہید ہوتے رہے...... **یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَق**(سورہ بقرہ۔ آیت ۶۱)...... قرآن میں موجود ہے کہ یہودی اَنبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے، اور جب کسی کو ناحق قتل کیا جائے اُسے بھی **شہادت** کہتے ہیں۔ اس طرح اَنبیاء علیہ السلام کے قتل کے دن بھی یومِ شہادت ہیں اور نبی چونکہ پوری مخلوق سے اعلیٰ اور برتر ہوا کرتے ہیں۔ اِسلئے اُن کی شہادت کے دنوں کو لازماً عظمت کا دن قرار دینا ہوگا۔۔۔

اور پھر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جہاد شروع ہوا تو شہادتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا، جس میں 14 جلیل القدر صحابی شہید ہوئے۔۔۔ یہ واقعہ رمضان المبارک میں پیش آیا اور پھر اِس کے بعد غزوۂ اُحد واقع ہوا، جس میں 70 صحابہ شہید ہوئے۔۔۔ یہ واقعہ شوال میں پیش آیا،

اور اُن 70 شہداء میں سے ایک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔۔ جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔۔۔ جن کو سید الشہداء کا لقب دیا گیا۔ اُن کی شہادت اِسلام میں بہت بڑا سانحہ ہے۔ اُن کی لاش کی حد درجہ بے حرمتی کی گئی۔۔۔ پیٹ چاک کیا گیا۔۔۔ کلیجہ نکالا گیا۔۔۔ کلیجہ چبایا گیا۔۔۔ کان کاٹے گئے۔۔۔ اور بالکل شکل ہی بگاڑ دی گئی۔۔۔

سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی شہادت

معلوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس واقعہ نے کتنا رنجیدہ کیا اور کتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا؟؟۔۔۔ اِس کا اندازہ آپ یوں کر لیجئے کہ فتح مکہ کے موقع پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عام معافی کا اعلان کر دیا تھا تو صرف 8 مرد اور 4 عورتیں ایسی تھیں جن کے لئے معافی کا اعلان نہیں تھا۔۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جہاں پائے جائیں۔۔ جس حال میں پائے جائیں۔۔ اِن کو قتل کر دیا جائے۔۔ اِن میں ایک ابنِ خطل بھی تھا جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوا تھا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت میں شعر کہا کرتا تھا۔۔ اِن سب کا خون مباح کیا گیا۔۔۔ حتی کہ ابن خطل کے بارے میں آپ کو اطلاع دی گئی کہ وہ بیت اللہ کا غلاف پکڑے کھڑا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قتل کر دو۔ بیت اللہ کے پاس اور بیت اللہ کا غلاف پکڑنے کے باوجود بھی ابن خطل کو پناہ نہیں ملی۔ (الصارم المسلول۔ ۱/۲۳۳۔ زرقانی ۲/۳۱۴۔ بحوالہ سیرت مصطفیٰ ۳/۴۱)

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اور فرمانِ رسالت

تو جن کا خون مباح قرار دیا گیا تھا اور اُن کو معافی نہیں دی گئی تھی، اُن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل بھی تھا۔ جس کا نام وحشی تھا۔۔ جو فتح مکہ کے موقع پر مکہ معظّمہ سے بھاگ کر طائف کی طرف چلا گیا تھا۔۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ اگر کسی قوم کی طرف سے کوئی سفیر یا قاصد بن کر جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو قتل نہیں کرتے۔

چنانچہ یہ کسی قوم کا قاصد بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ چونکہ

کسی قوم کے قاصد اور رسول کو قتل نہ کرنے کا بین الاقوامی اُصول پہلے سے چلا آ رہا تھا۔ اِس طرح وحشی قتل ہونے سے بچ گیا۔لیکن جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا ہے اور آ کر اُس نے کلمہ پڑھا اور اِسلام کا اظہار کیا تو نبی رحمت ﷺ نے پوچھا تو وحشی ہے؟۔۔۔

اُس نے کہا، جی ہاں۔۔۔

حمزہ کا قاتل تو ہے؟۔۔۔حمزہ کو تو نے قتل کیا؟۔۔۔

تو اُس نے کہا کہ جیسا آپ نے سنا، مطلب تھا کہ بات صحیح ہے۔۔۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان تو تیرا قبول ہے لیکن اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کر، اپنے چہرے کو مجھ سے چھپا لے۔(بخاری ۵۸۲/۲)۔۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں: کیا تو اِس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ تُو اپنے چہرے کو مجھ سے چھپا لے؟۔۔۔مقصد یہ تھا کہ جب تو سامنے آتا ہے تو چچا کا حال یاد آ جاتا ہے اور پھر اُس سے تکلیف ہوتی ہے اور طبیعت میں تکدر آتا ہے اور نبی کے دل میں تکدر آ جانا اُمتی کے لئے اِنتہائی خطرناک ہے۔۔۔

اِس لئے یہ بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت تھی، اُسے کہہ دیا کہ سامنے نہ آنا۔۔ تاکہ مجھے وہ واقعہ یاد آ کر تکلیف نہ پہنچائے اور میرے دل کا یہ تکدر اور تکلیف تیرے لئے نقصان دہ نہ ہو۔۔۔ چنانچہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کے سامنے نہیں آئے۔صحابی ہو گئے، ایک ہی مجلس میں شریک ہونے کی وجہ سے صحابی ہو گئے اور اُن کو وہ مرتبہ بھی مل گیا جو صحابہ کا ہوتا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں آئے ۔ اِس سے آپ اندازہ کریں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حضور ﷺ کو کتنا دُکھ تھا۔

لیکن پوری تاریخ اِس بارے میں خاموش ہے۔۔قرآن میں کوئی اشارہ نہیں ۔۔حدیث میں کوئی اشارہ نہیں کہ سال کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تاریخوں میں ،جن میں یہ شہادتیں پیش آئی تھیں کوئی خاص بات کی ہو۔ بدر کے

شہداء کے دن آئے ہوں۔۔۔ اُحد کے شہداء کے دن آئے ہوں۔۔۔ اُس ہفتے میں۔۔ اُس مہینے میں۔۔اُس دن میں ۔۔رمضان میں ۔۔شوال میں ۔۔سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص اہتمام کیا ہو۔۔۔ نہ کوئی اشارہ قرآن میں ہے نہ کوئی اشارہ حدیث میں ہے۔۔۔ نہ صحابہ کی تاریخ میں ہے۔۔۔ جس سے معلوم ہوا کہ شہادتوں کے ساتھ دنوں کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی۔۔۔

اگر شہادتوں کی وجہ سے دنوں کو خصوصیت حاصل ہوتی تو اِسلام میں شہداء بدر، شہداء اُحد کی تاریخیں منائی جاتیں اور پھر اِس کے بعد جو غزوات پیش آئے، غزوۂ خندق پیش آیا۔۔۔غزوۂ خیبر پیش آیا۔۔۔ اِس میں صحابہ شہید ہوئے ہیں، لیکن کبھی کسی تاریخ میں کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ پوری تاریخ اِس بات پر خاموش ہے۔۔۔قرآن میں کوئی اشارہ نہیں۔۔۔ حدیث میں کوئی اشارہ نہیں کہ اِن شہداء کی شہادت کے دن کو اِسلام نے کوئی اہمیت دی ہو اور اُس دن اور مہینے کے واپس آنے پر کوئی اہتمام کیا ہو، قرآن و حدیث اس سلسلے میں خاموش ہیں۔۔۔

ہم حسینیؓ ہیں

تو کیا یہ اِس بات کی قطعی دلیل نہیں کہ کسی کی شہادت سے دن میں کوئی خصوصیت پیدا نہیں ہوتی؟؟۔۔۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہمارے عقیدے کے مطابق شہید ہیں، سَیِّدَ ا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّة ہیں۔ (ترمذی ۲/۲۱۷۔۲/۲۱۸۔ابن ماجہ ۱/۱۲)۔۔۔ جب یزید اور حسینؓ کا مقابلہ ہو تو ہم حسینیؓ ہیں، ہم یزیدی نہیں ہیں۔۔۔ یہ بات یاد رکھنا، چھوٹے بچے بھی اِس کو یاد رکھیں، ہم حسینیؓ ہیں۔ ہم اُن کو اپنا محبوب سمجھتے ہیں اور آلِ رسولؐ ہونے کی وجہ سے اُن سے محبت ہے۔۔ آج مختلف فرقے اور مختلف خیالات والے پیدا ہو گئے ہیں۔۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو یزید کو حق پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دیتے ہیں، حاشا و کلا، ہمارا اُن لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اِس کشمکش میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں، ہم یزید کے ساتھ نہیں ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے بُغض کفر کی دلیل ہے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اِن دونوں میں سے ایک کا قول مجھے یاد ہے، اِس وقت یہ معلوم نہیں کہ قول شاہ ولی اللہ کا ہے یا مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ہے، لیکن اِن دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کا ہے۔ غالب گمان میرا یہ ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کہ ''حُبِ اہلِ بیت تحفظِ ایمان کا ذریعہ ہے اور حسنِ خاتمہ کا باعث بنتی ہے۔'' اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت رکھنا یہ حسنِ خاتمہ کا باعث ہے اور اہل بیت کے ساتھ کسی قسم کی کدورت میں خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں ایمان ہی ضائع نہ ہو جائے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجات ہیں

ہم تو اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی محبت کو اپنے ایمان کے تحفظ کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ہم محبانِ اہل بیت رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں لیکن اِس بات کو بھی یاد رکھیں کہ ہم صحابہ کرام کے باہمی مراتب کو اِس طرح جانتے ہیں:

کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ تمام صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ۔۔۔ جو غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے ۔۔۔ جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے ۔۔۔ جو غزوۂ خندق میں شریک ہوئے ۔۔۔ اور جو صحابہ فتح مکہ میں شریک ہوئے ۔۔۔

یہاں تک یاد رکھیں کہ فتح مکہ تک جو صحابہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختلف غزوات میں شریک ہوئے یہ اُن سب سے افضل ہیں جو فتح مکہ پر مسلمان ہوئے یا فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ فتح مکہ درمیان میں ۔۔۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہو تو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں۔ یہ عقیدہ یاد رکھنا ۔۔۔ اور

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں بالیقین ۔۔۔

- حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے **افضل ہیں بالیقین ---**
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے **افضل ہیں بالیقین ---**

بات سمجھ رہے ہو؟---اور یہ جو بات میں کہہ رہا ہوں یہ کوئی بے بنیاد بات نہیں ہے۔ یہ حد فاصل قرآن نے قائم کی ہے۔ نص میں آئی ہے۔ جس سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔--سورۃ حدید کا پہلا رکوع پڑھ کر دیکھو۔--

لَا يَسْتَوِىْ مِنكُمْ مَّنْ اَنفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ج اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنفَقُوْا مِنْ م بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔

لفظی ترجمہ آپ سمجھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

لَا يَسْتَوِىْ مِنكُمْ مَّنْ اَنفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ......

یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے، فتح مکہ سے پہلے جو لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہے اور اللہ کے راستے میں لڑتے رہے--- **لَا يَسْتَوِىْ**--- یہ نہیں اُن کے برابر کہ جو فتح مکہ کے بعد لڑے ہوں اور فتح مکہ کے بعد خرچ کیا ہو۔--

اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا......

وہ درجے کے اعتبار سے بڑے ہیں اُن لوگوں کے مقابلے میں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور اللہ کے راستے میں لڑائیاں لڑیں ہیں۔ لہٰذا فتح مکہ سے پہلے والے لوگ **افضل** ہیں اُن لوگوں سے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے بعد اُنہوں نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور اللہ کے راستے میں لڑے۔--

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى......

اچھا وعدہ اللہ کا، سب کے ساتھ ہے۔--لیکن درجات کا فرق ہے۔ فتح مکہ سے پہلے والے "**اعظم درجۃً**"...... اُن کا درجہ اونچا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے ہیں۔-جبکہ حضرت حسن رض اور حضرت حسین رض پیدا تو فتح مکہ سے پہلے ہوئے لیکن ہم نہ اُن کو مہاجر کہہ سکتے ہیں،

نہ انصار۔۔۔ یہ مہاجرین کی اولاد میں سے ہیں اور فتح مکہ سے پہلے اُن کو کہیں لڑنے کی نوبت نہیں آئی۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اُن کی عمر 6 اور 7 یا 7 اور 8 سال کی تھی۔

اِس لیے ہمارے عقیدے کے مطابق خلفاء راشدینؓ اپنے بعد والے تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔۔۔ ذہن میں یہ بات راسخ کرلو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اُمت سے افضل ہیں، جن میں اہل بیتؓ کے افراد بھی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی گھر میں، اگرچہ اُن کی بھی سرّی شہادت ہے۔۔۔ اُس میں کرامت ہے کہ وہ جو غارِ ثور میں سانپ نے کاٹا تھا۔۔ اُسی زہر کی وجہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو یہ سری شہادت ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو باقاعدہ شہید ہوئے۔۔۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی باقاعدہ شہید ہوئے۔۔۔ یہ شہادتیں ان شہادتوں کے مقابلہ میں بہت افضل ہیں جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیش آئیں۔ شہادتیں وہ بھی ہیں لیکن اُن شہادتوں کے ساتھ اِن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اِس بات کو اپنے ذہن میں راسخ کرلیں۔ یہ شہادتیں سب افضل شہادتیں ہیں۔۔۔ اِس لئے

- شہداء کربلا کے مقابلہ میں شہداء بدر افضل ہیں۔۔۔
- شہداء کربلا کے مقابلہ میں شہداء اُحد افضل ہیں۔۔۔
- شہداء کربلا کے مقابلہ میں شہداء خیبر افضل ہیں۔۔۔
- اور جو لوگ غزوات میں شہید ہوئے ہیں اُن سب کے درجات شہداء کربلا کے مقابلہ میں افضل ہیں۔ ہم اہل سنت والجماعت ہونے کی حیثیت سے یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

شہادت نعمت ہے مصیبت نہیں

تو جب ہم اُن شہداء اور اُن کی شہادتوں کو افضل سمجھنے کے باوجود اُن دنوں

میں رونا دھونا نہیں کرتے۔۔۔ ماتم نہیں کرتے۔۔۔ غم نہیں کرتے۔۔۔ چار پائیاں نہیں اُلٹتے۔۔۔ کچھ نہیں کرتے، تو شھداء کربلا کے لئے کیوں کریں؟ اِس لئے یہ تو ہمارا مسلک نہیں ہے کہ شہادت پر ایسا غلط انداز اختیار کیا جائے۔ اگر یوں کرتے تو ہمارے پاس شہادتوں کی بڑی لمبی فہرست ہے۔۔۔ ہم کس کس شہید کا ماتم کریں، جبکہ یہ تمام شہداء شھداء کربلاسے افضل ہیں۔۔۔

ہم سمجھتے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے کسی دن کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی امتیاز حاصل ہوتا تو اُن شہداء کے دنوں کو امتیاز حاصل ہونا چاہئے تھا۔۔۔ اور اُس کی وجہ سے مسلمان سارا سال روتے رہتے، پیٹتے رہتے اور کوئی کام نہ کرتے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں شہادت کی بناء پر کسی دن اور کسی تاریخ پر کوئی اثرات مرتب نہیں ہوتے اور نہ فضیلت حاصلہوتی ہے۔۔۔ یہ سب بعد کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔

محرم کی فضیلت بزبانِ رسالت

ہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مہینے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے ابتداء میں اِس مہینے کی دسویں تاریخ کے روزے کو فرض قرار دیا۔ یعنی روزہ رکھنا فرض تھا۔ اور جب رمضان المبارک کی فرضیت آ گئی تو محرم کی فرضیت کو چھوڑ دیا گیا اور یہ کہہ دیا گیا کہ اگر رکھو گے تو ثواب ہے، نہیں رکھو گے تو کوئی گناہ نہیں۔۔۔ روزہ رکھنا ثواب ہے، 10 تاریخ کا رکھو، یا 10 ور 9 کا رکھو، یا 10 ور 11 کا رکھو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 کا روزہ رکھا تھا۔ اور پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اگلے سال مَیں زندہ رہا تو 9 کا روزہ بھی رکھوں گا تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ رہے۔ یہودی بھی اِس دن کی تعظیم کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے فرعون سے نجات دی تھی۔

حضور ﷺ نے ترغیب دی

لہٰذا ہم بھی اِس تاریخ کا احترام کرتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے روزہ

رکھا۔۔۔ روزہ رکھنے کی ترغیب دی۔۔۔ لیکن جب رمضان فرض ہو گیا تو اِس کی ترغیب چھوڑ دی اور فرق کرنے کے لئے 9 اور 10 کا روزہ قرار دیا کہ ایک نہ رکھو، دو رکھو! اِس میں صراحت دوسری بھی ہے 9 تاریخ کی، اگر روزہ رکھنا ہے تو 9 کو بھی رکھو اور 10 کو بھی رکھو، اور اگر 9 کو نہ رکھ سکو تو 10 ور 11 کا رکھ لو، اکیلا روزہ 10 تاریخ کا مناسب نہیں ہے۔ بہرحال روزہ رکھے تو ثواب، نہ رکھے تو گناہ کوئی نہیں۔ ایک تو حکم اِس کا آیا ہوا ہے حدیث میں۔۔۔

نسخۂ کیمیا

پھر ایک دوسری بات بھی حدیث میں آئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں صدقات کے باب میں یہ روایت موجود ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاشورہ میں جو شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کی وسعت کرے، اچھا کھلائے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں برکت دیتے ہیں اور سارا سال اُس کے رزق میں کشادگی رہتی ہے۔ (مشکوۃ ۱/۱۷۰) تو گویا 10 محرم کو عاشورہ کے دن اہل وعیال کیلئے باقی ایام کے مقابلہ میں اچھے کھانے کا اِنتظام کر دینا اور کھانے میں وسعت کر دینا حدیث سے ثابت ہے۔ یہ دو باتیں ہیں جو حدیث میں آئی ہیں۔ اِس کے علاوہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔۔۔ اِس کا کوئی ثبوت حدیث میں نہیں ہے۔

محرم کی مناسبت سے ہم لوگ۔۔۔ سنی کہلانے والے، اہلسنت والجماعت کہلانے والے۔۔۔ اہل بیت کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہم اپنی بات کرتے ہیں ہمیں دوسروں سے غرض نہیں۔۔۔ اِس کی ذرا تھوڑی سی وضاحت سن لیں۔

ایصالِ ثواب کا شرعی حکم:

جہاں تک ایصالِ ثواب کا تعلق ہے۔۔۔ ہم سب اِس کے قائل ہیں۔ ایصالِ ثواب کا منکر کوئی نہیں۔۔۔ بدنی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ قرآن پڑھ کر

بخشو، کلمہ شریف پڑھ کر بخشو، تسبیحات نوافل، یہ بدنی عبادتیں کہلاتی ہیں۔۔۔ یہ پڑھو اور پڑھنے کے بعد بخش دو، اپنے والدین کو، اساتذہ کو، بزرگوں کو، بھائیوں کو، اہل بیت کو، اولیاء اور صحابہ کو، فقہاء کو، محدثین کو، جس کو چاہو۔۔۔ اور بخشنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ پڑھیں، پڑھنے کے بعد یوں کہہ دیں کہ اے اللہ! میرا یہ پڑھا ہوا قبول فرما، اور اِس کا ثواب فلاں کو دے دے۔ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اِس کے نامۂ اعمال میں درج کر دے گا۔

بلکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ گئے ہوئے لوگ، جو وفات پا گئے ہیں وہ پچھلوں کی طرف سے اِن ہدیوں کے ملنے کا اِنتظار کرتے ہیں اور جب اُن کے پاس ثواب پہنچتا ہے تو وہ اِنتہائی خوش ہوتے ہیں۔ یہ حدیث شریف میں مضمون موجود ہے۔

- بدنی عبادت سے ثواب پہنچتا ہے۔۔۔
- مالی عبادت سے ثواب پہنچتا ہے۔۔۔
- آپ ایسے شخص کو جس کے پاس جوتی نہیں جوتی دے دو، کپڑے نہیں کپڑے دے دو، کوئی نقد پیسے دے دو، کھانا کھلا دو، اور اُس وقت نیت کرلو کہ میں فلاں کی طرف سے ایصالِ ثواب کیلئے کر رہا ہوں، ثواب پہنچتا ہے۔
- دعا سے فائدہ ہوتا ہے۔۔۔ مالی ثواب پہنچتا ہے۔۔۔ بدنی ثواب پہنچتا ہے۔۔۔ اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے۔

ایک غلط فہمی

لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ کسی کے لئے جب آپ ایصالِ ثواب کریں۔ یہ نکتہ یاد رکھنا۔۔۔ جو چیز آپ میت کو ثواب پہنچانے کیلئے دیتے ہیں وہ چیز بعینہٖ مردے کو نہیں پہنچتی۔ مثلاً کسی کے پاس جوتا نہیں تھا۔ آپ نے اللہ کے نام پر اُس کو جوتا دے دیا۔ اور نیت کر لی کہ اِس کا ثواب میرے والد کو پہنچ جائے تو قبر میں اُس کے پاس یہ جوتا نہیں جائے گا۔۔ اللہ تعالیٰ اِس کو قبول فرما کر اِس کا ثواب آخرت کی نعمتوں کی شکل میں اُس کو دیں گے۔ آپ نے کپڑا دے دیا، تو مرنے والے کے

پاس کپڑا نہیں جائے گا۔۔اللہ اِس کو قبول فرما کر اِس پر آخرت کی نعمتوں کی شکل میں ثواب دیں گے۔

- آپ نے دال روٹی دے دی،تو دال روٹی قبر میں نہیں جائے گی۔۔۔
- گوشت دے دیا گوشت قبر میں نہیں جائے گا۔۔۔
- کھیر دے دی کھیر قبر میں نہیں جائے گی۔۔۔

سب چھوٹے بڑے اس بات کو سمجھیں ۔یہ چیزیں جس شکل میں آپ دیں بعینہٖ وہ مردے کے پاس نہیں پہنچا کرتیں ۔تو پھر پیاسے کے لئے پانی خیرات کرنا۔۔یا یہ کہ فلاں شخص اپنی زندگی میں گوشت پسند کیا کرتا تھا اور ہم گوشت ہی خیرات کریں ۔۔یا فلاں اپنی زندگی میں پلاؤ پسند کیا کرتا تھا اور ہم پلاؤ ہی خیرات کریں، یہ نظریہ غلط ہے۔۔۔اگر وہی چیز پہنچتی تو ہم وہی چیز دیتے جو اُس کی پسند کی تھی۔اور جب وہ چیز تو پہنچتی ہی نہیں، آپ جس شکل میں بھی مال خرچ کریں گے وہ چیز اللہ قبول کرتا ہے اور آخرت کی نعمتوں کی شکل میں اُسے دیتا ہے۔۔

جہالت کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ شاید جو ہم دیتے ہیں وہی آگے پہنچتا ہے۔ اِس لئے شہداء کے لئے شکر کا شربت ضرور بھیجو۔۔۔ چاہے اللہ نے اُنہیں حوضِ کوثر سے پانی پلا دیا ہو اور آپ اُن کو شکر کا شربت ضرور پلائیں، اور وہ بھی سال کے بعد جبکہ گیارہ مہینے بیس دن خبر نہ ہو کہ پیاسے ہیں یا کیسے ہیں؟ تم اپنی پیاس بجھاؤ شکر کے شربت کے ساتھ۔اُنہیں بھیجنا حماقت اور بے وقوفی ہے۔

ثواب پہنچانے کے لئے واسطہ ضروری نہیں

اِسی طرح ثواب پہنچانے کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ براہِ راست اللہ سے رابطہ کر کے گھر میں چاہو تو گھر سے پہنچاؤ۔ایصالِ ثواب کے لئے کسی مولوی کو، کسی حافظ کو بلانا ضروری نہیں۔ یہ کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں جو حافظ اور مولوی کے بغیر حل نہ کیا جا سکے۔۔۔اور اگر ہم کہیں کہ مولوی کے بغیر نہیں پہنچتا تو اِس

میں ہمارا فائدہ ہے۔ وہ ہمیں بلائیں گے۔۔

کچھ مفاد پرست کہتے ہیں کہ جیسے ڈاک لیٹر بکس میں ڈال دی جاتی ہے۔ اِسی طرح لوگ ہمارے پیٹ میں ڈالیں تو آگے جائے گا۔لیکن ہم اپنے پیٹ پر لات مارتے ہوئے آپ سے کہتے ہیں کہ بھائی ہمیں کوئی مخصوص طریقہ نہیں آتا ثواب پہنچانے کا جو تم نہ اختیار کر سکو، ثواب پہنچانے کے لئے ہمارا واسطہ اختیار نہ کیا کرو۔ براہِ راست اللہ سے رابطہ کر کے کہو کہ یا اللہ میری یہ چیز قبول فرما، میرا کپڑا قبول فرما اور میرے ماں باپ کو اور فلاں کو ثواب پہنچا دے۔۔۔ بس ثواب پہنچ جائے گا۔ عام طور پر جاہلیت میں اِس قسم کی باتیں ہو جاتی ہیں، اِس سے پھر عجیب وغریب لطیفے بنتے ہیں۔

لطیفہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ بہت کیا کرتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ چھپے ہوئے ہیں اور اِن وعظوں میں عجیب وغریب قسم کے لطیفے آتے ہیں۔

ایک جگہ میں نے پڑھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میرے تعلق والے ایک تھانیدار نے بتایا کہ ایک دفعہ ایک شخص میرے پاس عجیب وغریب رَپٹ درج کرانے آیا۔ ۔۔ مجھے کہتا ہے تھانیدار صاحب میری فاتحہ چوری ہوگئی ہے۔ میں نے سوچا کہ فاتحہ کیا چیز ہے؟ کہ جسے چور اٹھا کر لے گیا اور یہ کیسے تلاش کی جائے گی؟ اور چوری کیسے ہوگئی۔؟ کہتا ہے میں عجیب شش و پنج میں پڑ گیا کہ یہ فاتحہ کیسے چوری ہوئی۔؟؟

تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے حلقے میں دو چار گاؤں ایسے ہیں جن میں پڑھا ہوا کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ سب اَن پڑھ اور بے چارے، سیدھے سادھے لوگ وہاں موجود تھے اور چار پانچ گاؤں میں ایک ہی ملّاں تھا جو سب کو کَوَر کرتا تھا۔ اب مختلف جگہوں پر دعوت ہو تو وہ اکیلا بے چارہ کہاں کہاں پہنچے۔ لہٰذا اُس نے متعدد نلکیاں

بنا رکھیں تھیں ۔۔اور فاتحہ پڑھ پڑھ کر اُن نلکیوں پر پھونک مار کر ڈھکن لگا دیا کرتا تھا اور اُس زمانے میں فی نلکی ایک روپے کی بیچا کرتا تھا۔۔اب اُس غریب کی کوئی فاتحہ والی نلکی چرا کر لے گیا تھا۔

اب جب کسی کو دعوت کرنی ہو وہاں مولوی صاحب نہ جا سکیں تو قائم مقام وہ نلکی ہوتی، اُس کا ڈھکن کھولتے اور متاثرہ مقام پر رکھتے، چلو فاتحہ ہو گئی۔ اور اُس زمانے کا ایک روپیہ آج کے سو روپے کے برابر تھا۔ دیکھئے لوگوں کی جہالت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے کیا کیا صورتیں پیدا کی جاتی ہیں۔

جاہل مولوی کی لُوٹ مار

جب آپ اپنے مولوی اور ملّاں کو واسطہ بنائیں گے تو وہ آپ کو لوٹنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کرے گا ۔۔ اِسلئے ہم یہ مسئلہ آپ کو بتا رہے ہیں کہ مولوی اور ملّاں کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ کا نام لو اور دعا کر دو کہ اللہ تعالیٰ اِس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔بس خود بخود پہنچ جائے گا۔۔

ایک اور جگہ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک ملّاں صاحب کسی مسجد میں تھے۔اور تھے بھی کافی پرانے۔جب کسی نے خیرات کرنی ہوتی وہ اُن کو لا کر دیتا تھا جو اُن کے تصرف میں آ جاتی، یوں اس کا گزارہ چلتا تھا۔لوگوں کو یہ بتا رکھا تھا کہ جو کچھ مردے کو پہنچانا ہے وہ ہمیں دیا کرو ہم پہنچا دیں گے۔۔۔

ایک دفعہ اتفاق سے مولوی صاحب مسجد میں موجود نہیں تھے اور ایک مسافر مسجد میں آ کر ٹھہر گیا۔اِس دوران ایک شخص آیا، جس نے مردوں کو ثواب پہنچانے کے لئے روٹی دینی تھی ۔ اُس نے دیکھا مولوی صاحب نہیں ہیں تو اُس نے روٹی مسافر کو دے دی جو مسافر نے کھا لی ۔۔۔جب مولوی صاحب آئے اور اُن کو پتہ چلا کہ مسافر جو کھانا کھا رہا ہے وہ فلاں کے گھر سے فلاں مردے کیلئے آیا تھا اور جو اِس مسافر کو دے دیا گیا۔۔مولوی صاحب نے سوچا کہ اگر لوگوں نے یوں دینا شروع کر دیا تو ہماری

روزی تو بند ہو جائے گی، روزی میں رکاوٹ پڑ جائے گی، جس کو دیکھیں گے دے دیں گے۔لہٰذا کچھ کرنا چاہیے۔اَب اُنہوں نے کیا کیا؟۔

ڈنڈا لے کر کبھی اِدھر، کبھی اُدھر کو بھاگے، کبھی گرے، کبھی اٹھے، کبھی چیخے، ایک شور برپا کر دیا۔۔۔شور سن کر لوگ جلدی اکٹھے ہوئے کہ مولوی صاحب کو کیا ہو گیا؟۔۔ پوچھا کیا ہوا۔؟ خیریت ہے؟۔۔کہا بس میں اَب یہاں سے جاتا ہوں، میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ بھائی ہوا کیا؟ کہنے لگے کہ میں تمہارا اور تمہارے مردوں کا پرانا خادم ہوں۔آپ میں سے جو کوئی جو کچھ مجھے لا کر دیتا ہے میں اُس کے مردے کو پہنچاتا ہوں۔ آج یہ مسافر آیا ہوا تھا،تم میں سے کوئی اِس کو کھانا دے گیا، اِس نے پتہ نہیں آگے کس کو دے دیا اَب یہ سارے مردے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ میں کس کس سے لڑوں روز روز مجھ سے لڑائی نہیں ہوتی، میں جاتا ہوں میں یہاں نہیں رہ سکتا۔۔۔

لوگوں نے سوچا بابا ہمارا پرانا خادم ہے۔۔یہ چلا گیا تو ہمارے مردوں کو کھانا کون پہنچائے گا؟ چنانچہ منت سماجت کر کے، پاؤں کو پکڑ کر عہد کیا کہ آئندہ آپ کے سوا کسی کو نہیں دیں گے۔ خدا کیلئے آپ نہ جائیں۔۔۔ یہ لطیفے نہیں ہیں واقعات ہیں اور جہالت میں ایسے بھی تماشے بنتے ہیں۔ جہالت اِنسان کو ایسی حرکتیں کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جس کا تعلق نہ علم سے ہوتا ہے نہ عقل سے ہوتا ہے۔

یہ میں کتاب سے پڑھی بات نقل کرتا ہوں، کوئی مذاق نہیں ہے۔۔جب لوگوں کا عقیدہ یہ ہو کہ مولوی سے ختم پڑھوا کر کوئی چیز دی جائے تو وہی چیز مردے کو پہنچ جاتی ہے۔تو یہ عقیدہ جہالت کا ہے یا علم کا؟ (جہالت کا)۔۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے میں کیا عرض کروں۔

فرمانِ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک وعظ میں پڑھا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے ایک طالب علم نے سنایا۔ایک شخص ایک طالب علم کو ختم پڑھوانے کے لئے

گھر لے گیا۔ بات سمجھ رہے ہو؟ گھر لے جا کر اُس کو چار پائی پر بٹھا دیا اور اُس کے سامنے مختلف قسم کے کھانے رکھ دیئے اور اُس کو ختم پڑھنے کے لئے کہا۔

چنانچہ جب وہ ختم پڑھ رہا تھا تو اُس کو چار پائی کے نیچے کوئی حرکت محسوس ہوئی ۔تو اُس نے چار پائی کے نیچے جھانک کر دیکھا تو ایک عورت لیٹی ہوئی تھی۔ اُس نے پوچھا یہ کیا؟ تم نیچے کیوں لیٹ گئی؟ ۔۔ کہنے لگی۔ اِس لئے لیٹی ہوں کہ سوچا جہاں خاوند کو کھانے پینے کا سامان بھیج رہی ہوں وہاں اپنا پیار بھی اُسے بھیج دوں۔ اِس پر بھی ختم ہو جائے۔ بات سمجھ گئے؟ تو یہ جہالتیں ہوتی ہیں، کہ جس چیز پر ختم پڑھاؤ وہ جائے گی۔

یہ نری جہالت ہے کہ آپ کو چائے سے پیار ہے اور جاتے ہوئے کہہ جاؤ کہ میرے لئے چائے بھیجنا۔ اور قبر میں گرم چائے پہنچ جائے، اور آپ پینے لگ جائیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ جو چیز بھی دی جائے، اللہ قبول کرتا ہے اور آخرت کی نعمت کی شکل میں مردے کو دے دیتا ہے۔ کپڑا دیں گے تو کپڑا نہیں پہنچے گا، جوتی دیں گے تو جوتی نہیں پہنچے گی آخرت کی نعمتیں پہنچیں گی۔ اِس لئے پیاسوں کیلئے پانی، بھوکوں کیلئے روٹی بھیجنا یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

اور درمیان میں کسی مولوی کا واسطہ لانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے طور پر خرچ کرو، اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو کہ یہ قبول کر کے اِس کا ثواب پہنچا دے، اللہ تعالیٰ وہ ثواب پہنچا دیتا ہے۔ ثواب کے پہنچانے میں کوئی اشکال نہیں۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے، ہمارے بزرگوں کا عقیدہ ہے، مالی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے، بدنی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے، دعا سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔

غلط باتوں سے بچو

لیکن ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اپنے طور پر کسی مہینے کو متعین کر لینا، کہ اس مہینے میں ثواب زیادہ ہو گا، فلاں تاریخ میں کریں گے تو ثواب زیادہ ہو گا، اور یہ

اِسلامی مسئلہ ہے۔۔۔ یہ چیزیں غلط ہیں۔ اِن کا کوئی ثبوت نہیں۔

بدعات سے بچو

ہم اہل بیت کے لئے 12 مہینے دعا کرتے ہیں۔کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ جس دن ہم نہ پڑھیں "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ"۔۔۔آلِ محمدؐ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، ازواجِ مطہرات بھی ہیں۔ جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے وہ سارا اہل بیت ہے۔ ہم تو صبح وشام اہل بیتؓ کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور اللہ کی رحمتیں مانگتے ہیں اور ان پر ثواب پہنچتا ہے۔

اب ایک محرم کے دن کو خاص کرلو، اہلبیت کے ثواب پہنچانے کیلئے اور گیارہ مہینے بیس دن نام نہ لو اور یہ محرم کے صرف 10 دن ہوں، ہم اِس کو جہالت قرار دیتے ہیں۔ یہ سنت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔۔!

یہ بات سمجھ رہے ہو؟۔۔۔

اب چونکہ ایک غلط بدعت کا شعار بن گیا،10 دنوں میں یہ بات کرتے ہیں۔ خالی ذہن آدمی اِن دنوں میں صدقہ خیرات کرے جائز ہے ناجائز نہیں، لیکن چونکہ اِن دنوں میں ایک خاص طبقے نے اپنا شعار بنا لیا ہے، اس لئے اِن دنوں میں احتیاط کرنی چاہئے۔تاکہ مشابہت سے بچا جائے۔

باقی 11 مہینے 20 دن جب چاہیں دن کو چاہیں، رات کو چاہیں، پیر منگل بدھ کوئی امتیاز نہیں، جب چاہو ثواب پہنچاؤ، ثواب پہنچتا ہے۔اپنے طور پر مہینہ متعین کرلینا، اپنے طور پر دن متعین کرلینا یہ غلط ہے۔ یہ کوئی اِسلامی طریقہ نہیں ہے۔

- نہ تیجا۔۔۔
- نہ پانچواں۔۔۔
- نہ ساتواں۔۔۔

- نہ تیسواں۔۔۔۔۔۔
- نہ چالیسواں۔۔۔
- نہ میلاد۔۔۔
- نہ برسی۔۔۔

جس وقت چاہو ثواب پہنچتا ہے۔ کسی تاریخ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، اوقات و ایام کی پابندیاں اور تعینات، گویا کہ یہ کوئی مذہبی مسئلہ ہے اِسی کو بدعت کہتے ہیں۔ ایسا کرنے کے ساتھ گناہ ہوتا ہے، عمل مردود ہو جاتا ہے۔ اِس کے ساتھ کوئی ثواب نہیں پہنچتا۔ لہٰذا اِن تاریخوں کو دعوت کے لئے خاص قرار دینا۔۔۔ یہ غلط بات ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی؟

زیارتِ قبور سنت ہے

اور یہی مسئلہ ہے زیارتِ قبور کا، ایک بات سمجھ لیں، قبروں کی زیارت کے لئے جانا مسنون ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ ۔۔۔

میں نے تمہیں پہلے قبور کی زیارت سے روکا تھا، اب میں کہتا ہوں:

فَزُوْرُوْهَا ......

زیارت کے لئے جایا کرو۔۔۔

فَاِنَّهَا تُزَهِّدُفِی الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ ...... (مشکوۃ ۱/۱۵۴۔ابن ماجہ ۱/۱۱۲)

یہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں اور آخرت یاد دلاتی ہیں!!

والدین کی قبور پر ہفتے میں ایک دفعہ جانا، اِس کی ترغیب حدیث میں موجود ہے۔ (مشکوۃ ۱/۱۵۴۔ولفظہ من زار قبر والدیہ او احدہما فی کل جمعۃ غفرلہ وکتب برًّا) سات دن میں ایک دفعہ والدین کی قبر کی زیارت کے لئے جاؤ، وہاں جا کر سلام کہو، وہاں جا کر پڑھو، ایصالِ ثواب کرو، سب درست ہے۔ سال کے دوران میں اگر آپ دیکھیں کہ قبر کی ڈھیری

خراب ہوگئی، مٹی خراب ہوگئی، گر گئی، اِس کو درست کر دو ٹھیک ہے۔۔۔ اُن کے اوپر کوئی اینٹ پتھر نشانی کے طور پر رکھ دو ٹھیک ہے۔۔۔ سال کے دوران اُن کو درست کرتے رہو کوئی کسی قسم کی ممانعت نہیں، لیکن 11 مہینے 20 دن تم یاد نہ کرو اور محرم کے پہلے عشرے کو متعین کر لو کہ اسی ہفتے قبروں پر جانا اور مٹی لے کر قبروں کو ٹھیک کرنا ہے، یہ تعیین غلط ہے۔ یہ جہالت شناسی ہے، یہ علم شناسی اور دلیل شناسی نہیں ہے۔ اِس لئے جاؤ۔۔۔

- ہر مہینے جاؤ قبروں کے پاس۔۔۔
- ہر ہفتے جاؤ قبروں کے پاس۔۔۔
- روز جاؤ قبروں کے پاس۔۔۔
- اپنے والدین کی قبروں کے پاس۔۔۔
- رشتہ داروں کی قبروں کے پاس۔۔۔
- اگر اُنہیں ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے تو ٹھیک کرو، مٹی اُس کی درست کر دو،

لیکن اِن تاریخوں میں قبرستان میں جانا اور یہ سمجھنا کہ یہ کوئی اِسلامی مسئلہ ہے یا یہ کوئی مسلمانوں کا طریقہ ہے۔۔۔ یہ نری جہالت ہے، علم کی بات نہیں ہے!!

رسومات پر وعید

اِس لئے اپنے گھر والوں کو، سب کو سمجھاؤ کہ سارا سال جب چاہو قبروں کو سنوارو، اور وہاں جا کر ایصالِ ثواب کرو، لیکن اِن دنوں کو خاص کر لینا چونکہ ایک جہالت کے طریقے کی تائید ہے لہٰذا اِن دنوں میں قبرستان نہ جائیں۔ باقی دنوں میں بے شک جائیں۔ اِن دنوں کی ممانعت ایک خاص فرقے کے ساتھ مشابہت سے بچنے کے لئے ہے کہ ہماری مشابہت اُن کے ساتھ نہ ہو جائے، اِس سے بھی احتیاط لازم ہے۔

اور پھر محرم میں قبروں پر مسور کی دال ڈالنے کا مسئلہ پتہ نہیں کہاں سے نکال

لیا، کہ دال ڈالتے ہیں وہ بھی مسور کی اور اُس کے علاوہ کوئی اور نہیں۔

اور اِسی طریقے سے کسی خاص چیز کے پکانے کو ثواب سمجھنا بھی درست نہیں۔ اِن دنوں میں اگر کوئی سویوں کو پکانا ثواب سمجھتا ہے تو ہم اِس سے بھی منع کرتے ہیں۔

شعبان کی 15 تاریخ کو حلوہ پکانا مسئلہ سمجھتے ہیں، ہم اِس سے بھی منع کرتے ہیں۔ حالانکہ حلوہ بھی حلال ہے اور سویّاں بھی حلال ہیں۔ لیکن اس کو اِسلامی طریقہ سمجھنا غلط ہے۔

اِسی طرح پتہ نہیں یہاں رواج ہے کہ نہیں کہ محرم کے دنوں میں کوئی کھچڑا پکاتے ہیں۔ یہ بات کتابوں میں لکھی ہوئی ہے، مختلف قسم کے غلے اکٹھے کر کے لوگ کھچڑا پکاتے ہیں اور پھر اِس کو بانٹتے پھرتے ہیں اور اِس کو باعثِ ثواب اور باعثِ برکت سمجھتے ہیں۔

محرم کی کھچڑی، عیدالفطر کی سویاں، اور شعبان کا حلوہ۔۔۔ یہ تعینات جتنی ہیں یہ ساری جہالت شناسی ہیں۔ یہ کوئی کسی قسم کی علمی دلیل نہیں ہے کہ شعبان میں حلوہ پکانا باعث ثواب، عیدالفطر کو سویاں پکانا باعث ثواب، اور محرم کو کھچڑا پکانا باعثِ ثواب یا باعثِ برکت ہے، یہ بات غلط ہے۔ ویسے سارا سال پکاؤ کھاؤ کوئی بات نہیں ہے۔ اِن دنوں میں چونکہ یہ اہل بدعت اور اہل تشیّع کا شعار ہو گیا اِس لئے اہل سُنّت یعنی اہلِ حق کو اِن باتوں سے بچنا چاہیئے۔

مسئلہ نذر و نیاز

اور اِسی طرح آپ یاد رکھیں کہ نذر ماننا بھی عبادت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا فلاں کام ہو گیا تو ہم اللہ کے نام پر 100 روپیہ خرچ کریں گے، خیرات کریں گے، اِس کو نذر ماننا کہتے ہیں۔ نذر عربی کا لفظ ہے، اور نیاز فارسی کا لفظ ہے۔ تو نذر و نیاز جو دو لفظ بولے جاتے ہیں دونوں مترادف ہیں۔

اور یہ مسئلہ یاد رکھنا جس طرح نذر اللہ کی، اِسی طرح نیاز بھی اللہ کی۔۔۔ نذر

کی نسبت کسی غیر کی طرف نہیں کی جا سکتی کہ میں نے فلاں بزرگ کے لئے نذر مانی ہے کہ میں اِس کی قبر پر فلاں چیز چھوڑ کر آؤں گا۔۔۔ یا میں نے فلاں بزرگ کے لئے نذر مانی ہے کہ میں اُس کے دربار پر بکرا دوں گا۔۔۔ یہ مالی عبادت ہونے کی وجہ سے شرک ہے۔۔۔

اِسی طرح نذر کے لفظ سے کسی عزیز کے نام پر بکرا نہیں دیا جا سکتا۔ نیاز کے طور پر بھی نہیں دیا جا سکتا۔۔۔ اور جو چیز بطور نذر کے دے دی گئی کسی بزرگ کی نذر کر دی گئی، کسی فرشتے کی کر دی گئی، کسی جِن کی کر دی گئی، وہ۔۔۔ ''وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ'' میں داخل ہے۔

اگر اِس نظریے سے توبہ نہ کی گئی، ذبح کرنے سے پہلے تو جانور حرام ہو جاتا ہے، اِس کا کھانا ٹھیک نہیں۔ ہاں البتہ اِس نظریے سے توبہ کر لو، اِس کو ذبح کرنے سے پہلے تو پھر ٹھیک ہے۔

اِس لئے نیازِ حسینؓ کے نام پر تقسیم کی گئی کوئی چیز لے کر کبھی مت کھاؤ۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ نذر و نیازِ حسینؓ کے طور پر اگر کوئی چیز بانٹتا ہے تو اِس کو لے کر ہرگز نہ کھاؤ۔

یہ ہمارے خیال کے مطابق ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ کے لئے دے، اور ثواب حسین رضی اللہ عنہ کو بھیجے یہ ٹھیک ہے، اور جب کہے کہ نیازِ حسینؓ ہے، نیازِ حسینؓ کے طور پر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ نذر و نیاز یہ اللہ کے لئے ہے غیر اللہ کے لئے نہیں ہے۔ نہ نذر غیر اللہ کے لئے نہ نیاز غیر اللہ کے لئے ہے۔

اِس لئے کہ جب اِس کو غیر کیلئے مخصوص کر کے تقسیم کیا جائے تو غلط ہے اور اِس چیز کا کھانا بھی ٹھیک نہیں۔ تو جو چیز چاہے وہ مٹھائی ہو، چاہے وہ ریوڑیاں ہوں، چاہے وہ پانی ہو، شربت ہو، چاہے کچھ ہو جس کو نیازِ حسینؓ قرار دے کر تقسیم کیا جائے، اِس سے احتیاط کیا کرو اور اِس کو اِستعمال نہ کیا کرو اور اپنے گھروں میں سب کو تلقین کرو کہ نذر و نیاز اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ ثواب جس کو چاہو دے دو، خیرات کرو اللہ کے نام

پر، اور ثواب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دو اور چاہے شہداء کربلا کو دو، کسی کو بھی دو، وہ ٹھیک ہے۔

لطیفہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ میں ہے کہ دہلی میں دو طالب علم تھے۔۔۔ ایک کہتا تھا کہ یہ لوگ جو پیر جی کی نیاز لاتے ہیں اصل کے اعتبار سے اِن کا مقصد اللہ کے نام پر دینا ہوتا ہے۔ پیر جی کے لئے صرف ثواب کی نیت کرتے ہیں۔۔ اور اگر یہ ہو تو پھر صحیح ہے۔ اللہ کے نام پر دینا اور ثواب پیر جی کے لئے ہونا۔۔۔ چاہے وہ اپنی جہالت کی بنا پر کہیں کہ یہ نیاز پیر جی کی ہے لیکن اِن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نیاز تو اللہ کی ہے، ثواب پیر جی کے لئے ہے۔

دوسرا طالب علم کہتا تھا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جسے وہ پیر جی کی نیاز کہیں اِس سے مقصد اللہ کی نیاز نہیں۔ بلکہ وہ پیر جی کے لئے ہی ہوتی ہے۔ اِس لئے یہ نسبت غیر اللہ کی طرف ہے، نسبت اللہ کی طرف نہیں ہے۔ تو دونوں کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔

ابھی اِس بارے میں جھگڑ ہی رہے تھے کہ ایک بُڑھیا نیاز پکا کر لائی اور بولی، حضرت یہ پیر جی کی نیاز ہے لے لو۔ جب اُس نے یہ لفظ بولا، تو جو کہتا تھا کہ اللہ کو دینا مقصود ہے، اُس نے پوچھا امّاں !! ذرا بتانا یہ نیاز آپ اللہ کے لئے دے رہی ہیں اور اس کا ثواب پیر جی کو دینا ہے یا یہ نیاز پیر جی کو دے رہی ہیں؟ وہ کہتی ہے نہیں نہیں، یہ میں اللہ کے لئے نہیں دے رہی، یہ تو پیر جی کی نیاز ہے۔ دوسرے نے کہا دیکھ لو۔۔ ابھی تم کہہ رہے تھے کہ یہ اللہ کے لئے ہے پیر جی کے لئے نہیں۔

پس اگر عقیدہ یہ ہو کہ نیاز اللہ کے لئے دے رہے ہیں، ثواب پیر جی کو، بالکل درست ۔۔۔ اور اگر نذر اور نیاز کی نسبت پیر جی کی طرف ہو تو یہ بات ۔۔۔ ''وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ'' میں داخل ہے۔ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اِن چیزوں کا بہت خیال رکھیں۔ اِن کا تعلق حلال اور حرام کے ساتھ ہے۔ ہم علماء دیوبند سے تعلق رکھنے والے ہیں ۔ اور علماء دیوبند کی خصوصیت ہے کہ یہ اشخاص متبع سنت ہیں اور بدعت سے بچتے

ہیں۔ غلط باتوں سے بچتے ہیں۔ یہ سب کے سب کام۔۔۔ **محرم کی اِن تاریخوں میں** قبروں پر جانا، قبروں پر جا کر مسور کی دال بکھیرنا۔۔۔ اِن تاریخوں میں قبور کو سنوارنا اور اُس کو ثواب سمجھنا۔۔۔ اِن تاریخوں میں اہل بیتؓ کے لئے دعوتیں کرنا۔۔۔ اِسلامی نقطۂ نظر سے یہ چیزیں ثابت نہیں ہیں۔

ایک اور جہالت کی بات

اور ایک بات ہم نے دو چار سال پہلے سنی تھی۔ ہمیں پہلے معلوم ہی نہیں تھا۔ کہ اِس علاقے میں لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ محرم کے پہلے عشرے میں خاوند بیوی بھی آپس میں احتیاط کرتے ہیں اور خاوند بیوی آپس میں تعلق نہیں رکھتے۔۔۔ یہ بات بھی نری جہالت کی ہے۔ جس طرح خاوند بیوی کا ملاپ سال کے باقی ایام میں جائز ہے اِسی طرح اِس عشرے میں بھی جائز ہے۔ خود بھی بدعات سے بچو اور اپنے والدین، اپنے بہن بھائیوں کو پیار اور محبت کے ساتھ سمجھاؤ کہ ان تاریخوں میں کسی قسم کا اہتمام کرنا درست نہیں ہے۔ یہ ہیں وہ چیزیں جن کو ہمارے اکابر **بدعاتِ محرم** کے عنوان سے ذکر کیا کرتے ہیں۔ یہ محرم کے غلط طریقے ہیں۔

روافض کی تشبیہ سے بچو

باقی رہ گیا شہادت کا تذکرہ، جو عام طور پر اِن دنوں میں ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی سن لیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو **دار العلوم دیوبند** اور علماء دیوبند کے اصل سرپرست ہیں، اور دیوبندی نسبت اصل کے اعتبار سے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کا ہی نام ہے، بڑے بڑے علماء حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔۔۔ آپؒ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اِن دنوں میں کربلا کا شہادت کا واقعہ پڑھنا یا بیان کرنا۔۔۔ **وَلَوْ بِرِوَایَۃٍ صَحِیْحَۃٍ**...... اگرچہ صحیح روایات کے ساتھ بھی ہو، جائز نہیں۔ یہ **تشبیہ بالروافض** ہے۔ اِس سے رافضیوں کے ساتھ تشبیہ پیدا

ہوتی ہے۔

اِس لئے کربلا کا واقعہ بیان کرنا ہو تو دوسری تاریخوں میں کریں، اِن تاریخوں میں شہادت کا واقعہ پڑھنا اور پڑھ کر رونا اور یہ سمجھنا کہ غمِ حسینؓ منانا عبادت ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا طریقہ نہیں یہ دوسرے فرقے کا طریقہ ہے۔ اِس لئے گھروں میں جو قصے کہانیاں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ اکثر و بیشتر جھوٹی ہوتی ہیں۔ لیکن اگر سچی بھی ہوں، تو اِن تاریخوں میں اُن کا پڑھنا ٹھیک نہیں۔ اِس کے ساتھ روافض سے تشبیہ ہوتی ہے۔ جس سے بچنا چاہئے۔

روافض کی مجالس میں جانے کا شرعی حکم

اور خصوصیت کے ساتھ دوسرے فرقہ کی مجالس میں جانا بالکل درست نہیں، کیونکہ وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کوئی اچھے الفاظ نہیں بولے جاتے۔ اگر آپ وہاں بولیں گے تو فساد ہوگا، چپ کر کے سنیں گے تو غیرت کا جنازہ نکلے گا۔۔۔

اب جس مجلس میں آپ کی ماں کو گالی دی جا رہی ہو، یا بُرا بھلا کہا جا رہا ہو، تو اِس مجلس میں بیٹھنا کوئی شرم و حیا کی بات ہے۔؟؟ یہ شرم و حیاء کے خلاف ہے۔ اِس لئے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں اور ایسی مجالس میں ہرگز نہ جائیں۔۔

اور اپنے گھر والوں کو، اپنے بھائیوں کو، بہنوں کو، دوسروں کو، سب کو اِس بارے میں منع کریں کہ یہ چیزیں درست نہیں ہیں۔ یہ دن ایسے گزاریں جس طرح باقی ایام سال کے گزارے جاتے ہیں۔

یہ دو باتیں میں نے آپ حضرات کے سامنے عرض کی ہیں۔ روزہ اور ایک دس محرم کو اچھا کھانا اور بچوں کو اچھا کھلانا، یہ دو باتیں تو حدیث سے ثابت ہیں، اِس کے علاوہ جو کچھ کیا جاتا ہے یہ سارے کا سارا بدعاتِ محرم میں شامل ہے۔

وآخر دعوانا اَن الحمد للّٰہ رب العالمین

ظالموں کی طرف میلان

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

وَلَا تَرْکَنُوْآ اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔(سورہ ھود۔آیت ۱۱۳)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

تمہید

عزیز طلبہ! آپ سے باتیں کرنے کو دل تو بہت چاہتا ہے لیکن اِن دنوں میں کچھ حال ایسا ہے کہ بولنے کی اور بیان کرنے کی ہمت نہیں۔ اگرچہ اپنے آپ کو بہت سمجھایا ہے اور اللہ کی مہربانی سے سمجھانے میں کامیاب بھی ہوا ہوں، کہ الحمد للہ میں بیمار نہیں ہوں۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی حالات غالب آ ہی جاتے ہیں۔

جب سے مستورات کیلئے مغرب کے بعد کا سبق شروع کیا ہے، مصروفیت زیادہ ہوگئی ہے، سبق سے فارغ ہو کر تھوڑا سا کھانا کھاتا ہوں اور پھر عشاء کی اذان ہو جاتی ہے۔۔۔کوئی ترتیب بھی ذہن میں نہیں آتی کہ اِس مسئلے کو کیسے حل کروں۔ دو گھنٹے مغرب کے بعد۔۔میرے لئے اِن کا برداشت کرنا کافی مشکل ہے۔ اِس وقت اِنتہائی تھکاوٹ اور دباؤ میں ہوں۔ اِس کے باوجود چھٹی کرنے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ پچھلا منگل بھی ایسے ہی گزر گیا تھا۔ سوچا دو چار باتیں عرض کر دوں، اللہ تعالیٰ ہمت اور توفیق دے گا۔

ظالموں کی طرف میلان نہ کرو

لَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا......

قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اِس کا ترجمہ ہے:

تر کنوا، رکون مائل ہونا۔۔۔ لا تر کنوا ...... مائل نہ ہو، الی الذین ظلموا...... جو لوگ ظالم ہیں اُن کی طرف میلان اختیار نہ کیا کرو۔۔۔ فتمسکم النار ......تو پھر تمہیں بھی آگ چھو لے گی۔ کہ جیسے ظالم جہنم میں جائیں گے، ظالموں کی طرف میلان رکھنے والے بھی اِسی طرح آگ میں جائیں گے۔ لہٰذا ظالموں کی طرف میلان نہ کیا کرو۔

آپ جانتے ہیں کہ میلان دل کے رجحان کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ تمہارے دل کا میلان ہدایت یافتہ لوگوں کی طرف ہونا چاہئے۔ اچھے لوگوں کی طرف ہونا چاہئے۔ بُرے لوگوں کی طرف تمہارے دل میں میلان نہ ہو۔

دلی کیفیت معلوم کرنے کا طریقہ

اب دل کا میلان کدھر ہے کدھر نہیں۔۔۔ اِس کا پتہ کیسے چلتا ہے؟ آپ کا یا میرا میلان ظالموں کی طرف ہے یا اچھے لوگوں کی طرف ہے۔۔۔ دل کی معلومات تو اللہ کے پاس ہیں، علیم بذات الصدور وہی ہے۔۔ لیکن کچھ آثار ہوا کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری طبیعت کا رجحان کن لوگوں کی طرف ہے اور اِسی سے اِنسان کے دل کا میلان اور جھکاؤ بھی معلوم ہوتا ہے۔۔ ان آثار میں ہمارے ظاہری اعمال، ہماری عادات، ہمارا اٹھنا بیٹھنا، ہمارا طرز گفتگو، ہمارا پہناوا، ہمارا کھانا، ہمارا پینا، ہماری مصاحبت اور دوستی وغیرہ شامل ہیں۔ جن سے دل کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔

یہ آثار اجتماعی سطح پر معاشرے کو دو جماعتوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ ایک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت رکھنے والی، سنت کے مطابق زندگی گزارنے والی جماعت۔۔ جس کو ہم نیک وفرماں بردار کہتے ہیں۔۔ اور دوسری فاسق و فاجر لوگوں کی جماعت۔۔ جن کو اطاعت کا پتہ نہیں، عبادت کا پتہ نہیں، اُن کا وقت نافرمانی میں گزرتا ہے۔

اور اگر عالمی سطح پر ہوں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک اہل اِسلام اور دوسرے کفار، یہود ونصاریٰ ہیں۔ یہ اوپر کی سطح کی بات ہے۔۔۔ اپنے ماحول میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی زندگی سنت کے مطابق ہے، علم والے ہیں، قرآن وحدیث کے اُصولوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے چلتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن وحدیث کے اُصولوں کے تارک ہیں اور اُن کی زندگی قرآن وسنت کے مطابق نہیں۔

بہرحال جس سطح پر ہوں آپ کو دو طبقے نظر آتے ہیں۔ اور اِن دونوں طبقوں کی ظاہری حیات اور اِن کے ظاہری اعمال بتاتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔۔۔ اِس طرح ایک آدمی کے سامنے دو نمونے آ گئے، ایک نمونہ نیک وصالح لوگوں کا۔۔ جن کو آپ کہیں کہ سنت کے متبع، اچھے لوگ ہیں۔ اور دوسرا نمونہ فاسق و فاجر اور بازاری لوگوں کا۔۔ اَب آپ نے کام کرنا ہے، یا اُس نمونے کے مطابق یا اِس نمونے کے مطابق۔ آپ درمیان میں کھڑے ہیں۔۔۔ یہ آپ پر ہے کہ کون سا نمونہ اختیار کرتے ہیں، صالحین کا نمونہ اِختیار کرتے ہیں یا فاسقین کا نمونہ اِختیار کرتے ہیں۔ اگر آپ نے فاسقین کا نمونہ اِختیار کرلیا تو پتہ چل گیا کہ آپ کا دل بُرائی کی طرف مائل ہے اور آپ کے دل کی پسندیدہ چیز فسق و فجور ہے۔

اور اگر آپ کا دل اُدھر ہو گیا تو یہ علامت ہو گی اِس بات کی کہ آپ کی طبیعت میں نیکی ہے، آپ نیکی کو پسند کرتے ہیں۔ شاید میرے اِن لفظوں سے بات آپ کے ذہن میں پوری طرح نہ آئی ہو، تو میں ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

مثلاً آپ ایک میدان میں بیٹھے ہیں اور ہوا کا رُخ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہوا کا رُخ کدھر ہے۔۔۔ آپ خاک کی ایک چٹکی بھر لیں، چٹکی بھرنے کے بعد اُس کو اُوپر سے نیچے بکھیریں۔۔ آپ کو ہوا کا رُخ معلوم ہو جائے گا۔۔ غور کریں کہ خاک کی چٹکی بذاتِ خود کوئی اَہم چیز نہیں۔۔ بہت ہی معمولی چیز ہے لیکن ہوا کا رُخ بتا دیتی ہے کہ ہوا کدھر سے آ رہی ہے اور کدھر کو جا رہی ہے۔ بذاتِ خود فی حدّ ذاتہ اِس چٹکی خاک کی کوئی حیثیت نہیں لیکن ہوا کا رُخ بتانے کیلئے خاک کی وہ ایک چٹکی بھی کافی ہے۔۔۔

سنت پر عمل کریں

بالکل اِسی طرح آپ سمجھیں کہ بعض لوگ بحث کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ:

- ...... اگر لباس ایسا ہو تو کیا حرج ہے؟ ایسا نہ ہو تو کیا حرج ہے؟۔۔۔

- ...... بالوں کی بناوٹ ایسی ہو تو کیا حرج ہے، ایسی نہ ہو تو کیا حرج ہے؟۔
- ...... ایمان داڑھی میں تو نہیں رکھا ہوا، رکھ لیں تو کیا حرج ہے، نہ رکھیں تو کیا حرج ہے؟۔۔۔
- ...... کھڑے ہو کر جانوروں کی طرح کھا لیا تو کیا فرق پڑتا ہے، پیٹ بھرنا ہے بیٹھ کر کھا لیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟۔۔۔
- ...... پانی پیتے ہوئے گلاس بائیں ہاتھ میں لے لیا تو کیا فرق پڑتا ہے، دائیں ہاتھ میں لے لیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟۔۔۔

لیکن دیکھو معمولی معمولی عادتیں ہیں۔ آپ اِن کو سمجھتے ہیں کہ کچھ نہیں ہے صرف معمولی سی بات ہے۔ کھاتے وقت آپ نے پانی کا گلاس بائیں ہاتھ میں پکڑا تو بھی پانی پی لیا، دائیں ہاتھ میں پکڑا تو بھی پانی پی لیا۔۔۔ آپ کے نزدیک اِس کی کوئی حیثیت نہیں!

- ...... دائیں ہاتھ سے لقمہ منہ میں ڈال لیا تو کیا فرق پڑتا ہے، بائیں سے ڈال لیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟۔۔۔
- ...... بال یوں رکھ لئے تو کیا فرق پڑتا ہے، یوں رکھ لئے تو کیا فرق پڑتا ہے؟۔۔۔
- ...... ایمان اِن چیزوں میں تو نہیں رکھا ہوا۔۔۔

جب گفتگو ہو تو لوگ اِس طرح کا انداز اختیار کر لیتے ہیں، لیکن بات وہی ہے کہ یہ اعمال آپ کے خیال کے مطابق چاہے خاک کی چٹکی کی طرح بے حیثیت ہیں لیکن ہوا کا رُخ بتا دیتے ہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دائیں ہاتھ سے کھانا کھایا کرو، دائیں ہاتھ سے پینے کی چیز پیا کرو۔۔۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَأْکُلُ بِشِمَالِہٖ وَیَشْرَبُ بِشِمَالِہٖ (مشکوۃ ۱/۳۶۳۔ مسلم ۲/۱۷۱۔ ترمذی ۲/۲) ......

بائیں ہاتھ سے کھانا، پینا، شیطانوں کا کام ہے۔ اَب اگر آپ نے لاپرواہی کے ساتھ بائیں ہاتھ سے پانی پی لیا، تو آپ نے اپنا رُخ متعین کر دیا کہ آپ کا رُخ سرورِ کائنات ﷺ کی سنت کی بجائے شیطانوں کی طرف ہے۔۔۔

یہود سے مشابہت نہ کرو

آپ ﷺ نے فرمایا یہود کے ساتھ مشابہت اِختیار نہ کرو، نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اِختیار نہ کرو، تفصیل کا موقعہ نہیں بہت کثرت سے اِس کی ممانعت آئی ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اِختیار نہ کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ اُمت میں بگاڑ کا زمانہ ہوگا، جب لوگ عیسائیوں اور یہودیوں کی مشابہت اِختیار کریں گے۔ جس طرح یہودیوں، عیسائیوں کو کرتا ہوا دیکھیں گے، اُنہی کی نقالی کرنے لگیں گے۔ (رواہ الترمذی۔۲/۹۳)

پچھلا ایک دور آیا تھا کہ جس میں ہمارے نوجوانوں نے بدتمیزی سے بہت بڑے بڑے بال رکھنے شروع کر دیئے تھے، پھر نہ اِس کو کنگھی کرنی ہے نہ اِس میں چیر نکالنا ہے، نہ اِس کو تیل لگانا ہے۔ جانوروں کی طرح کے بال کھڑے ہوتے تھے۔ اِس کو بھینسی فیشن قرار دے دیا تھا۔ شاید وہ دور آپ نہ دیکھ پائے ہوں۔ اصل میں یہودیوں نے یہ بھینسی فیشن شروع کیا تھا۔

لوگوں کی عادت ہے کہ دیکھا دیکھی نیا فیشن اپنا لیتے ہیں۔ لوگ فلموں میں دیکھ کر، ٹی وی میں دیکھ کر، اخبارات میں دیکھ کر اپنی شکل ویسی ہی بنا لیتے ہیں۔ یہ بالوں کے نئے نئے اَنداز یہ کپڑوں کی بناوٹ کے نت نئے نمونے، کبھی کس طرح کے، کبھی کس طرح کے۔ سب دوسروں کی نقالی ہی تو ہے۔

لوگ جب کھلاڑیوں کو دیکھتے ہیں، کہ اُنہوں نے ایک خاص طرز کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، فلموں میں دیکھتے ہیں کہ اداکاروں نے کسی منفرد قسم کا لباس پہن رکھا ہے۔۔ اَگلے دن درزی کے پاس نمونہ لے کر پہنچ جاتے ہیں۔

اَب کپڑے سے آپ نے صرف بدن ڈھانپنا ہے۔۔ بناوٹ اِس کی ایسی ہوگئی تو کیا ہوا ؟ویسی ہوگئی تو کیا ہوا؟۔لیکن بات وہی ہے کہ جس وقت آپ کپڑا سلاتے ہوئے نمونہ ساتھ رکھیں اچھے لوگوں کا ۔۔۔تو آپ کا میلان اچھے لوگوں کی طرف ہے۔اور اگر آپ کپڑا بناتے وقت نمونہ رکھیں اُن لوگوں کا جو۔۔۔

- ...... اللہ سے غافل ہیں۔۔۔
- ...... اللہ کے نافرمان ہیں۔۔۔
- ...... فجار میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔۔۔
- ...... اللہ کے باغی ہیں۔۔۔

تو اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دل فسق و فجور سے مانوس ہے۔آپ کا دل ہدایت سے مانوس نہیں ہے۔

ہماری نسبت علماء دیوبند سے ہے

بظاہر یہ چھوٹے چھوٹے اَعمال ہیں ۔لیکن اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے نزدیک اِن سے آپ کے باطن کا تعین ہوتا ہے۔اور پھر جس جماعت سے اِنسان تعلق رکھتا ہو اُس جماعت کے اَدب آداب کی رعایت بھی رکھتا ہے۔خوش قسمتی سے ہم علماء دیوبند میں شامل ہوگئے ۔۔۔اور ہماری نسبت علماء دیوبند کی طرف ہوگئی،۔صبح و شام علماء دیوبند کے گن گاتے ہیں،تعریفیں کرتے ہیں۔۔۔اپنی اِس نسبت پر فخر کرتے ہیں

نسبت ہماری اُدھر ہو، کہلائیں ہم اُن کے خادم۔لیکن عادات ہماری اُن لوگوں کی ہوں جن کے خلاف علماء دیوبند ساری زندگی جہاد کرتے رہے۔۔ عادتیں ہم اُن کی اختیار کرلیں،طرزِ عمل ہم اُن کا اختیار کرلیں تو یہ باعثِ ندامت چیز ہے۔جس پر جتنا افسوس کیا جائے اُتنا کم ہے۔۔۔جس جماعت سے اِنسان نسبت رکھتا ہو، اُس کی خصوصیات اور اُس کے مزاج کی رعایت رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

ایک عجیب واقعہ

اِس پر ایک عجیب واقعہ آپ کو سنا دوں جس سے بات سمجھنی آسان ہو جاتی ہے۔ **اورنگ زیب عالم گیر** مغلیہ دور کے بہت بڑے بادشاہ گزرے ہیں۔ ہندوستان پورا، بنگال، برما، کشمیر اور افغانستان اُن کی قلمرو میں شامل تھے۔ اورنگ زیب عالم گیر اِس عظیم الشان سلطنت کے اَکلوتے بادشاہ تھے۔ برِصغیر میں اتنی بڑی مملکت اِس سے پہلے کسی بادشاہ کو نہیں ملی تھی۔ لیکن اُن کے جانشین اِس شاندار مملکت کو سنبھال نہ سکے اور پھر اِس پر زوال آ گیا۔۔۔ اورنگ زیب بہت بڑے بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ درویش بھی تھے۔ سلسلہ مجددیہ میں صوفی بھی تھے، ذکر واَذکار والے آدمی تھے۔

بلکہ میں نے تو بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ اورنگ زیب کو اپنے پیر اور شیخ کی طرف سے، (جو غالباً مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے، اور میری یادداشت کے مطابق اُن کا نام سیف الدین تھا۔) بیعت کی اجازت بھی تھی۔ یعنی اورنگ زیب بادشاہ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ طریقت بھی تھے۔۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث شریف کی پندرہ یا بارہ ہزار روایات زبانی یاد تھیں، اور قرآن کریم اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔

خزانے سے ایک پیسہ لے کر کبھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، بلکہ اپنے ہاتھ سے تھوڑا بہت کام کر کے جو کماتے تھے اِسی سے کھاتے تھے۔ خزانے سے باقی تمام سلطنت کا نظام چلتا تھا۔ لیکن اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں لیتے تھے، بہت بڑے درویش بادشاہ تھے۔

پہلے زمانے میں دستور تھا کہ بادشاہوں کو تخت نشینی کی مبارک باد دینے کیلئے شاعر، بھانڈ، میراثی، گویّے، ہر قسم کے لوگ آتے تھے جو مبارک باد دیتے اور اِنعام لے کر لوٹتے۔۔ یہ دستور زمانہ قدیم سے چلا آ رہا تھا۔ اورنگ زیب چونکہ مذہبی آدمی تھے جو اِس قسم کے آدمیوں کو، میراثیوں کو، بھانڈوں کو دینا فضول خرچی سمجھتے تھے۔۔۔

چنانچہ اورنگ زیب عالم گیر جب بادشاہ بنے، توحسبِ عادت تختِ نشینی کی تقریب ہوئی۔۔۔اِتفاق سے اُس میں ایک بہروپیا بھی آ گیا۔۔(یہ جو بہروپ لگا کر گداگری کرتے ہیں۔ بہروپ کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔۔ ظاہر کچھ اور کیا جاتا ہے۔۔بہروپئے ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔کھیل تماشہ کرتے رہتے ہیں اور اِس طرح سے روٹی پانی چلاتے ہیں۔) اورنگ زیب اِس بہروپیے کو پہچانتے تھے۔ جب وہ دربار میں اپنا بہروپ دکھا چکا توبادشاہ نے اُسے ٹالتے ہوئے کہا کہ ہم نے تجھے پہچان لیا ہے۔ تیرا بہروپ آج ناکام رہا۔تو کبھی کوئی ایسا بہروپ لگا کر دکھا کہ ہم تجھے پہچان نہ سکیں۔ پھر تو اِنعام کا حقدار بنے گا اور ہم تجھے اِنعام دیں گے۔ یہ کہہ کر اُس کو بغیر کسی اِنعام کے ٹال دیا۔اَب بہروپیا چلا گیا۔

وہاں سے جانے کے بعد اُس نے ایک علاقے میں جا کر پیر بننے کا رُوپ دھار لیا اور پیر بن گیا۔۔ بزرگ کی شکل بنالی۔۔تسبیح ہاتھ میں پکڑ لی اور جنگل میں ڈیرہ لگا لیا۔۔علاقے میں مشہور ہوگیا کہ کوئی اللہ والا آ کر بیٹھا ہے، اُس کا کافی شہرہ ہوگیا۔

ایک مرتبہ اورنگ زیب عالمگیر کسی سفر کے لئے روانہ ہوئے اور جنگل میں سے گزرتے ہوئے اُس کا شہرہ سنا کہ ایک اللہ والا جنگل میں بیٹھا ہوا ہے۔۔۔اورنگ زیب چونکہ علماء اور اَولیاء اللہ کے معتقد اور خدمت گزار تھے، اُن کی قدر کیا کرتے تھے، حاضر خدمت ہوئے اور دعاؤں کی درخواست کی۔اور اُٹھتے وقت اپنی عادت کے مطابق ایک تھیلی دیناروں یا اشرفیوں کی (اُس زمانے میں اشرفی ہوتی تھی سونے کی) اُس کے سامنے بطور نذرانے کے پیش کی۔ اُس نے وہ حقارت سے ٹھکرا دی اور کہا لے جاؤ اِسے۔ ہم کوئی سونے چاندی کے محتاج ہیں؟۔۔۔ہمیں کوئی شوق اور ضرورت نہیں اَشرفیوں کی۔۔۔کسی اور جگہ جا کر دے دینا۔جب اُس نے بہت اِستغناء سے یہ تھیلی ٹھکرا دی تو بادشاہ کے دل میں مزید عقیدت آ گئی کہ یہ تو واقعی بہت بڑا ولی ہے، پیسے بھی نہیں لیتا۔نذرانہ بھی نہیں لیتا۔تو وہ شکریہ ادا کر کے اَدب سے پیچھے کو ہٹتا ہوا وہاں سے چل نکلا۔

جب اورنگ زیب وہاں سے چل نکلا تو یہ جعلی پیر (بہروپیا) وہاں سے اٹھا اور دوسرے راستے سے ہوتا ہُوا بادشاہ کے سامنے چلا گیا۔ جا کر کہتا ہے السلام علیکم، میرا اِنعام دیجئے۔ جب اورنگ زیب نے اُسے دیکھا تو حیران رہ گیا کہ یہ تو واقعی وہی بہروپیا ہے۔۔۔

اِس قصّے میں جو کام کی اصل بات ہے وہ اگلی ہے۔۔۔ بادشاہ نے اُسے کہا کہ اللہ کے بندے میں نے تیرے سامنے اتنی بڑی تھیلی پیش کی تھی تو اُسے لے لیتا۔ میں نے واپس تھوڑی لینی تھی۔تُو نے اشرفیوں سے بھری تھیلی واپس کر کے حماقت کی۔۔اَب تو تُجھے اتنا بڑا اِنعام نہیں مل سکے گا۔۔۔یہ ہے بات سننے کی، سوال سمجھ گئے؟۔۔کہ میں نے تجھے اتنی بڑی تھیلی دی تھی تو نے وہ واپس کر دی۔اب تو اِنعام مانگتا ہےجو اُس سے بہت تھوڑا ہوگا۔۔بھلاتُو نے وہ کیوں نہ لی؟۔۔۔

اب اُس بہروپیے کا جواب سُنیئے جو آبِ زَر سے لکھنے کے قابل ہے۔۔۔ کہنے لگا بادشاہ سلامت۔۔اُس طرح نقل مکمل نہ ہوتی۔ ذرا سوچو اِس بات کو۔۔۔۔ کیونکہ شکل بنائی تھی ولیوں کی، اُس پاکیزہ شکل میں اشرفیوں کی تھیلی لے لیتا تو یہ نقل مکمل نہ ہوتی۔۔بہروپ ناقص رہ جاتا۔۔اَب جو آپ دیں گے وہ میرے فن کا کمال ہوگا۔اُس وقت جو آپ دیتے بزرگوں کی شکل وصورت کی وجہ سے دیتے۔ جب کہ میں اُس شکل وصورت کو بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔

اب بات سمجھے کہ نہیں؟۔۔۔یہ تو فن کی بات ہے کہ جب نقل اتارنی ہے تو مکمل اتارو۔ اَب ہم نقل تو اُتاریں علماء دیوبند کی کہ ہم علماء دیوبند میں سے ہیں۔۔ہم اُن کے شاگرد ہیں۔۔اُن کی طرف ہماری نسبت ہے لیکن کردار ہم اُس قسم کا اختیار نہ کریں تو یوں سمجھو کہ ہم تو نقال بھی کامل درجے کے نہ ہوئے۔۔نقل بھی ہماری ناقص ہے۔

علماءِ حق کا کردار اپناؤ

اِس لئے علماء دیوبند کے مزاج کو سمجھیں کہ علماء دیوبند کبھی بھی ظالموں کا ساتھ نہیں دیتے، ہمیشہ ظالموں سے ٹکراتے ہیں۔

- ...... جان جاتی ہے تو جائے۔۔۔
- ...... مال جاتا ہے تو جائے۔۔۔
- ...... اولاد جاتی ہے تو جائے۔۔۔ظالموں کا ساتھ نہیں دیتے۔۔۔
- ...... ظالموں سے ٹکراتے ہیں ۔۔۔ٹکرا جانا ظالم سے ۔۔۔یہ فطرت ہے علماء دیوبند کی۔۔۔

ظالموں سے کسی قسم کی موافقت کرنا، یا اُن کی طرف کسی قسم کا میلان رکھنا۔۔۔ یہ دیوبندی نسبت کے خلاف ہے۔۔۔

اب بات سمجھیں۔۔ دیوبندی ہواور نسبت علماء دیوبند کی رکھتا ہو۔۔اُس کا کوئی تعلق یارانہ کوئی معاونت ظالموں سے ہو، یہ بہت بری بات ہے۔

یوں سمجھو کہ اُس کی نسبت صحیح نہیں اور اُس نے جو ظاہری شکل بنا کر اُس طرف نسبت قائم کی ہوئی ہے یہ سارے کا سارا دھوکہ ہے۔۔یہ سبق آپ حضرات کو پڑھ کر رکھنا چاہئے۔۔۔

علماءِ دیوبند ظلم کے خلاف ننگی تلوار

اَب جب سے یہ نئی حکومت قائم ہوئی ہے۔۔ہوتا تو پہلے بھی تھا لیکن اِن دنوں میں زیادہ چرچا ہو رہا ہے کہ مدارس میں کچھ طلباء ایسے ہیں جن کے حکومت سے رابطے ہیں اور وہ حکومت کے لئے جاسوسی کرتے ہیں۔تجسس کرتے ہیں اور مدرسوں کے حالات اُن تک پہنچاتے ہیں۔ اِردگرد سے یہ خبریں آ رہی ہیں۔

میری بات کو ذرا توجہ سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ مسجد میں بیٹھا ہوں۔۔ **الحمد لله** باوضو ہوں۔کوئی بات بناوٹ کے طور پر نہیں کہہ رہا۔۔۔ مجھے کسی لمحے میں

بھی، دن کو یا رات کو، کبھی یہ خوف محسوس نہیں ہوتا کہ کوئی محاسبہ کرنے والا ہمارے پاس نہ آ جائے۔ ہرگز کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔۔۔ آج نہیں پچھلے دور میں کتنے سنگین حالات گزرے ہیں۔ دہشت گردی کے۔۔آپ میں سے جو طالب علم یہاں چار پانچ سال سے موجود ہیں۔اُنہوں نے مجھے کسی حالت میں گھبرایا ہوا نہیں دیکھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اِس کی وجہ یہ ہے کہ۔۔۔

آں را کہ حساب پاک است

از محاسبہ چہ باک است

جس کا حساب کتاب ٹھیک ہو اُس کو حساب لینے والوں سے کیا خطرہ ہے؟ آج آ جائیں، اِس وقت آ جائیں اور آ کر کہیں کہ حساب دکھاؤ، آؤ آ کر حساب دیکھو، اور آج کا نہیں تیس سال کا حساب لے لو۔

الحمد لله اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم پوری طرح مطمئن ہیں۔۔ہمارا ضمیر مطمئن ہے۔۔نہ ہم کوئی خفیہ کاروائی کرتے ہیں نہ ہمارا کسی خفیہ تنظیم سے کوئی تعلق ہے۔۔ نہ ہمارے ہاں کوئی خفیہ اڈے ہیں اور نہ ہمارے ہاں کوئی خفیہ چیزیں ہیں کہ ہمیں کسی نشان دہی کا کوئی خطرہ ہو۔۔۔کسی خفیہ ڈائری کا کوئی خوف ہو۔۔۔

اللہ کے کرم سے ہمارے دن رات برابر ہیں۔۔۔ ہماری خَلوتوں اور جَلوتوں میں کوئی فرق نہیں۔۔۔ دوستی ہے کسی سے تو علی الاعلان ہے۔۔مخالفت ہے تو علی الاعلان ہے۔۔چھُپ چھُپا کر بزدلانہ کارروائی کرنے کا ہمارے ہاں کوئی معمول نہیں۔

ہمارے ہاں سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ ہیں۔۔۔صبح و شام کتابیں دیکھتے ہیں۔۔۔ سیکھتے ہیں سکھاتے ہیں۔۔۔ہمارے شب وروز کے معاملات کو کوئی خوردبین سے بھی دیکھے تو ایسے جراثیم نہیں ملیں گے جو ہمارے لئے خطرناک ہوں۔۔یا ہمیں خطرہ ہو کہ اگر نشان دہی ہوگئی تو حکومت ہمیں دہشت گرد قرار دے دے گی۔اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ اِنہوں نے ہر داڑھی والے کو دہشت گرد قرار دے دینا ہے۔ یہ اِن کے آقاؤں کا حکم اور معمول ہے۔البتہ ہم اپنے طور پر مطمئن ہیں کہ ہم نہ

دہشت گرد ہیں اور نہ ہی دہشت گردی کو پسند کرتے ہیں۔۔

سب گواہ ہیں کہ میں کوئی ایسی بات نہیں کر رہا ہوں جو آپ حضرات کو معلوم نہ ہو۔آپ صبح شام، رات دن ہمارے پاس رہتے ہیں۔۔ ہماری رات کیسے گزرتی ہے۔۔ہمارا دن کیسے گزرتا ہے۔ یہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔۔ دن سارا کتابیں پڑھتے پڑھاتے گزار دیتے ہیں۔ ۔رات کو اللہ کی توفیق سے کوئی کتاب دیکھ لیتے ہیں یا مالک کون ومکاں کو سجدہ کر لیتے ہیں۔۔ نہ ہم نے کسی سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق رکھا ہوا ہے نہ کسی سے دوستی ہے نہ کسی سے دشمنی، ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اِس لئے کسی کا کوئی ڈر نہیں ہے۔۔۔

اِس لئے میرے عزیزو اگر تم سب ہی جاسوس ہو جاؤ پھر بھی مجھے کوئی ڈر نہیں۔ بالکل صاف ستھری بات ہے۔۔۔ باقی یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں ۔۔یہ اردگرد کے حالات سننے کے بعد آپ حضرات کی ہمدردی میں کہہ رہا ہوں کہ کبھی بھول کر بھی ایسی حرکت نہ کرنا کہ حکومت آپ لوگوں سے فائدہ اٹھا کر آپ کے کسی بھائی کو کوئی نقصان پہنچائے۔۔۔کبھی بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔۔۔ یہ میری نصیحت ہے۔۔ اگر ایسا کرو گے تو یوں سمجھو کہ تمہارا نسب نامہ ٹھیک نہیں ہے علماء دیوبند سے۔۔۔علماء دیوبند کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو۔۔۔

- ...... علماء دیوبند جاسوس نہیں ہوتے
- ...... علماء دیوبند کسی کے عیب تلاش کر کے ظالموں کو نہیں پہنچاتے۔۔۔
- ...... ظالموں کو ظلم کرنے کا موقع محل نہیں دیتے۔۔۔

علماء دیوبند کی یہ خصوصیت نہیں ہے۔ وہ تو مظلوموں کے ساتھ ہوتے ہیں، ظالموں کے ساتھ نہیں ہوتے۔۔۔

چونکہ اردگرد سے اِس قسم کی خبریں ملتی ہیں کہ حکومت نے مسجدوں اور مدرسوں میں ہر جگہ اِس قسم کے جاسوسی کے جال بچھا دیئے ہیں۔مبادا تم میں سے کوئی مال کی طمع میں آ کر یا کسی لالچ اور حرص میں آ کر اِس قسم کا معاملہ اختیار نہ کرے کہ اُس کی

معاونت ظالموں سے ہو جائے، واشگاف الفاظ میں بار بار الفاظ دہرا کر کہہ رہا ہوں کہ یہ آپ حضرات کا منصب نہیں۔۔۔ آپ نے جو رُوپ دھارا ہوا ہے اور جو شکل اِختیار کی ہوئی ہے علماء دیوبند سے ظاہری نسبت کی۔۔ اِس کی لاج رکھیں۔۔۔ یہ تو ہو گئی عمومی نصیحت۔

بدگمانی سے بچو

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ اِن باتوں کے سننے کے بعد ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی بھی نہ کریں۔۔۔ بدگمانی کرنا بھی کسی شریف آدمی کا کام نہیں ہے کہ میں کہوں کہ یہ ایسا ہے، یہ ویسا ہے۔ اگر بدگمانی کرنی شروع کر دیں گے تو کسی کی پیشانی پر نہیں لکھا ہوا کہ یہ پاک صاف ہے اور یہ جاسوس ہے۔

آپس میں بدگمانی کر کے اپنے تعلقات خراب کرو گے۔ لڑو گے بھڑو گے، ایک دوسرے پر تہمتیں لگاؤ گے، اور اِن تہمتوں میں سچ کم ہوگا، جھوٹ زیادہ ہو گا۔۔۔ لہٰذا یہ غلطی آپ کبھی نہ کریں۔ کسی کے متعلق کوئی بدگمانی کرنے کی ضرورت نہیں۔ سارے بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی کے متعلق کوئی ایسا خیال دل میں نہ لاؤ کہ شاید یہ حکومت کا آدمی ہو، شاید وہ حکومت کا آدمی ہو۔ اِن باتوں سے اپنے ذہن خراب نہ کریں۔

میرے علم میں یہ بات لائی گئی کہ بعض لڑکے، بعض لڑکوں کے متعلق اِس قسم کا گمان رکھتے اور باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ وقت کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہُوئے میں نے اپنے طور پر پورا اطمینان کر لیا ہے جن لڑکوں کے متعلق ایسی غلط فہمی پھیلائی گئی تھی وہ بالکل ایسے نہیں ہیں۔ مَیں اُن کے آگے پیچھے کو جانتا ہوں، اور جہاں تک مجھے تفتیش کی ضرورت تھی میں نے کر لی۔ میں اِس ادارے میں متعین طور پر کسی لڑکے کے متعلق بدگمانی کی اجازت نہیں دیتا۔ میں نے جو نصیحت کی ہے وہ ایک عمومی نصیحت ہے تا کہ

آپ قبل از وقت خبردار ہو جائیں اور کوئی شخص آپ کو خریدنے کی کوشش نہ کرے۔ ورنہ ہمارے اِس ادارے میں اِس وقت تک کوئی لڑکا ایسا نہیں کہ جس کے متعلق مَیں بدگمانی کی اجازت دوں۔ ہمیں اپنے بچوں پر پوری طرح اعتماد ہے۔

آپ کو نصیحت کر رہا ہوں کہ آئندہ کیلئے محتاط رہیں۔ کسی کو موقع نہ دیں کہ وہ تمہارا خریدار بن کر آئے اور تمہیں کسی غلط راستہ پر چلا دے۔ ہوشیار رہو۔۔۔ تمہارا رہنا سہنا اِس طرح ہونا چاہیئے کہ کسی کو کوئی تہمت لگانے کا موقع ہی نہ ملے، بدگمانی کے حالات پیدا کرنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہوتی۔

دیکھو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کے بعد اِس کائنات میں سب سے بزرگ ترین ہستی ہے۔

حدیث شریف میں، صحاح ستہ میں، حتیٰ کہ بخاری میں یہی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی اہلیہ محترمہ مسجد میں تشریف لائیں، صحابہ کرامؓ نے بھی دیکھا، رات کا وقت تھا، جب وہ واپس تشریف لے جانے لگیں تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ کسی بدگمانی کا شکار نہ ہونا، یہ میری اہلیہ ہے، اور آپ (لوگوں) کی ماں ہے۔

یعنی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بدگمانی کی اِس انداز سے جڑیں کاٹیں۔ اِس لئے میں عمومی نصیحت کر رہا ہوں کہ کسی کے بارے میں بدگمانی نہ کریں۔ یہ چند ضروری گذارشات تھیں جو میں نے عرض کرنی تھیں۔

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

قیام پاکستان

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

تمہید

آپ کو معلوم ہے کہ آج 15 اگست ہے اور کل 14 اگست کی تاریخ تھی ، 14 اگست کو پاکستان کی عمر کے 53 سال پورے ہو گئے۔۔ جب پاکستان کا اعلان ہوا تھا تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور ستائیسویں کی رات تھی۔ چونکہ آپ سبھی تقریباً چھوٹی عمر کے ہیں۔ اِس لیے بعض دوستوں کے مطالبے سے خیال آیا کہ پاکستان کی مختصر سی تاریخ آپ کے سامنے بیان کر دی جائے۔ جو آپ کی معلومات میں اِضافے کا باعث ہوگی ۔۔ اِن شاء اللہ۔۔ چنانچہ آج کا بیان پاکستان کی تاریخ پر ہی مشتمل ہو گا۔

نعمت پر شکرانہ کے فوائد

میں نے جو آیت پڑھی وہ اِس تقریر کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ ....

''اگر تم شکر کرو''۔۔۔

لَاَزِيْدَنَّكُمْ ....

''تو میں زیادہ دوں گا''۔۔۔

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ ....

''اور اگر تم ناشکری کرو گے۔۔۔ تو پھر یہ یاد رکھو:

اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ....

''تو میرا عذاب بڑا سخت ہے''۔۔۔!

گو نعمت کا شکریہ نعمت میں زیادتی کا ذریعہ ہوتا ہے اور نعمت کی نا قدری اور ناشکری نعمت کے سلب ہو جانے ، نعمت کے چھن جانے ، زوال پذیر ہو جانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔۔ اِس نقطے کے تحت ہم نے غور کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شخصی بھی ہیں،

اورقومی بھی ہیں۔ میں اِس کی زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا تاکہ وقت زیادہ نہ ہوجائے۔مختصر عرض کرتا ہوں۔۔۔

سب سے بڑی نعمت

شخصی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اورسب سے بڑا انعام ایمان ہے، سونے کے پہاڑوں اور دنیا کی ساری کی ساری دولت کے مقابلے میں سب سے زیادہ قیمتی ہے۔اگر اللہ کسی کونصیب فرما دے۔۔۔اللہ کریم کا احسان کہ اُس نے یہ نعمت ہمیں نصیب فرما دی ہے۔اللہ اِس کی قدر کرنے اور اِس نعمت کی حفاظت کرنے کی توفیق دے(آمین)

اور کہتے ہیں کہ تندرستی ہزار نعمت ہے اِس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ہزاروں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بھی ہے، ورنہ جیسے جیسے انسان بیمار ہوتا جاتا ہے بہت ساری نعمتیں چھوٹتی چلی جاتی ہیں۔۔۔

- اب اگر شوگر ہےتو ساری میٹھی چیزیں چھڑوا دیں گے۔۔۔
- بلڈ پریشر والوں سے ساری نمکین چیزیں چھڑوا دیں گے۔۔۔
- السر والوں سے ساری مصالحہ دار چیزیں چھڑوا دیں گے۔۔۔

یوں کرتے کرتے ساری نعمتوں سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔۔۔

پیٹ کا مریض ہوتو کئی نعمتیں چھوٹ جاتی ہیں۔۔۔اور جب پرہیز شروع ہوتا ہےتو نعمتیں چھوٹتی چلی جاتی ہیں۔۔۔

تو اللہ کی ایک نعمت تندرستی ہزاروں نعمتوں پر مشتمل ہے کہ اللہ کی ہزار نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے یہ شخصی نعمتیں ہیں شخصی اِحسانات ہیں۔

قومی نعمت

اور ایک قومی نعمت ہوتی ہے جس میں سرِ فہرست آزاد اور پُر اَمن وطن ہے۔ جو کسی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے، آزاد وطن مل جائے جس میں

قوم کو آزادی ہو غلام نہ ہو، اور پرامن ہو، جان کو، مال کو، عزت کو خطرہ نہ ہو تو ایسے وطن کا مل جانا ایسی مملکت کا مل جانا بہت بڑی نعمت ہے۔

تو میں بنیاد اِسی پر رکھ رہا ہوں کہ ہماری قوم کو اللہ تعالیٰ نے جو پاکستان دیا تھا یہ بہت قیمتی نعمت تھی، بہت قیمتی چیز کہہ لو۔۔اور نعمت قیمتی ہو تو اُس کی حفاظت کے لئے اہتمام بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے۔

ایک مثال

ایک بچے کے ہاتھ پر اُس کی ماں پانچ روپے کی کھلونا گھڑی باندھ دیتی ہے۔۔ پھر ماں کو فکر ہوتا ہے کہ بچہ کہیں گھڑی گم نہ کردے۔۔۔وہ بچے کو بار بار تاکید کرتی ہے۔۔ بیٹا دیکھنا کہیں یہ گھڑی گم نہ کر دینا۔ حالانکہ معمولی چیز ہے، کھلونا ہے، پانچ روپے کی چیز ہے، گم بھی ہو گئی تو کیا ہوا؟ ۔۔لیکن اگر یہی بچہ ضد کر کے کوئی قیمتی گھڑی اپنے ہاتھ پر باندھ لے جو ہزاروں روپے کی ہو۔۔۔تو وہ گھر سے نکلنا چاہے گا تو اُسے روکا جائے گا، اِصرار کیا جائے گا کہ وہ گھڑی اُتار کے جائے۔ کیونکہ باہر گھڑی کے گم ہونے کا خدشہ ہے۔۔۔لیکن اگر وہ پھر بھی ضد کرے تو بار بار تاکید ہو گی کہ دیکھو اِس کو اُتار کر نہ رکھنا۔۔ کسی کو دے نہ دینا۔۔ کہیں گر نہ جائے۔۔کوئی چھین نہ لے۔۔ بار بار تاکید کی جاتی ہے۔۔اور جب تک واپس نہیں آتا ایک مسلسل پریشانی رہتی ہے کہ گھڑی لے گیا ہے کہیں گم نہ کر آئے؟۔۔ بات ایسے ہوتی ہے کہ نہیں؟ ۔۔۔میں نے یہ بات چھوٹے بچوں کو سمجھانے کیلئے کی ہے۔۔ اِس مثال سے معلوم ہوا کہ کوئی نعمت جتنی قیمتی ہوتی ہے اُتنی ہی اُس کی حفاظت کی فکر ہوتی ہے اور ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔

پاکستان ایک عظیم نعمت

تو پاکستان ایک بہت بڑی اور بہت قیمتی نعمت تھی ۔۔کیونکہ اِس کی ہم نے بہت بڑی قیمت ادا کی ۔ اَب جب پاکستان بن گیا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو ماشاء اللہ بڑے بڑے لوگ پاکستان میں تشریف لے آئے، ۔آپ کی تشریف آوری

بھی بنے بنائے پاکستان میں ہوئی ہے۔

پاکستان کے لئے قربانیاں

میں نے اِس پاکستان کو بنتے دیکھا ہے کہ پاکستان کس طرح بنا؟ اور اِس وقت بھی آپ کے شہر میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے پاکستان کو بنتے دیکھا ہوگا۔وہ جانتے ہیں کہ پاکستان کی کتنی قیمت اَدا کی گئی تھی؟ پنجاب دوحصوں میں تقسیم ہوا۔۔آدھا پاکستان میں آیا اور آدھا ہندوستان میں رہ گیا۔ میں اُس پنجاب کا رہنے والا ہوں جو ہندوستان میں رہ گیا۔۔۔آدھا پنجاب اُدھر آدھا پنجاب اِدھر۔اَب آپ ذرا اُس آدھے پنجاب پر نظر ڈالیں کہ اُس میں کتنی مسجدیں ہوں گی۔؟ اگر بہت زیادہ نہیں ہوں گی تو بہت کم بھی نہیں ہوں گی۔۔تم تو آج ایک بابری **مسجد** کو روتے ہو۔۔آج اُس آدھے پنجاب میں سینکڑوں نہیں ہزاروں مسجدیں ایسی ہیں جو گدھوں کے اَصطبل ہیں۔۔۔گدھے باندھے جاتے ہیں اُن مسجدوں میں،سینکڑوں کے حساب سے نہیں ہزاروں کے حساب سے۔یعنی آپ اُس آدھے پنجاب میں حساب لگا لیں۔

- ہزاروں مسجدیں تھیں جو ویران ہُوئیں۔۔۔
- قرآن کریم کے بیشمار مدرسے تھے جو اُجڑ گئے۔۔۔
- دینی تعلیم کے لاتعداد ادارے تھے جو بند ہو گئے۔۔۔
- خیرالمدارس جالندھر میں تھا،وہ چھوڑ آئے۔۔۔
- جامعہ اشرفیہ امرتسر میں تھا، وہ چھوڑ آئے۔۔۔
- جامعہ رشیدیہ رائے پور میں تھا وہ چھوڑ آئے۔۔۔

یہ اُن مدرسوں کی بات کر رہا ہوں جو جانے پہچانے تھے۔جامعہ اشرفیہ امرتسر میں تھا، خیر المدارس جالندھر میں تھا اور جامعہ رشیدیہ رائے پور میں تھا۔ یہ سب بڑے بڑے مدرسے تھے۔۔۔

ان کے علاوہ کتب خانوں کے کتب خانے جلا دیئے گئے۔۔۔

یہ سب چیزیں بھی قابل برداشت ہیں۔۔۔

پاکستان بننے کے بعد ایک دو سال میں جو اخباری رپورٹیں شائع ہوئیں اُن کے مطابق کم از کم 75 ہزار مسلمان لڑکیاں سکھوں نے اُٹھالیں۔۔جن میں سے 50 ہزار درآمد ہوئیں اور 25 ہزار اُدھر ہی رہ گئیں۔ یہ وہ بات تھی جو حکومت کے نوٹس میں آئی ۔اور جو عزت مند ماں باپ نے بتائی اور اُس کی رپورٹیں درج کروائیں۔باقی تعداد اس کے علاوہ ہے

گزشتہ یا پیوستہ سال میں نے اِس بارے میں ایک تفصیلی بیان دیا تھا۔جس میں پاکستانی اور ہندوستانی اخبارات کے حوالوں سے ذکر کیا تھا کہ اِس ملک کی تقسیم کے موقع پر کتنا جانی نقصان ہوا ہے۔۔ پاکستانی رپورٹ میں یہ تعداد تقریباً 10 لاکھ تھی۔ جبکہ ہندوستانی رپورٹ تقریباً 6 لاکھ کی تھی۔ دونوں باتیں میں نے ذکر کی تھیں کہ انڈیا کے اخباروں نے لکھا ہے کہ تقسیم کے موقع پر 6 لاکھ انسان قتل ہوئے اور پاکستان کے اخباروں میں آیا ہے کہ تقریباً 10 لاکھ آدمی قتل ہوئے۔۔۔ اندازہ کریں۔۔ 10 لاکھ جانوں کی قربانی۔۔۔75 ہزار عزتوں کی قربانی۔۔۔ ہزاروں مسجدیں۔۔۔ لاکھوں قرآن کریم اور دینی کتب۔۔۔بے شمار مدرسے اِس پاکستان کی قیمت میں اَدا ہوئے ہیں۔۔۔تو بتائیے کہ ہمارا اور آپ کا یہ پاکستان قیمتی ہوا کہ نہ ہوا؟۔

اِس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ اِس ملک کی بہت قیمت اَدا کی گئی ہے، یہ نعمت بہت قیمتی نعمت ہے۔۔۔جانیں کتنی گئیں۔۔عزتیں کتنی لٹیں۔۔جائیدادیں کتنی برباد ہوئیں۔۔کتب خانے کتنے جلے۔۔مدرسے کتنے برباد ہوئے۔۔اور مسجدیں کتنی ویران ہوئیں؟۔اگر آپ اِس کا حساب لگائیں گے تو آپ کو اِس ملک کی قیمت کا اندازہ ہو گا۔۔

مسلمانوں بچیوں کی فریاد پر حجاج بن یوسف کا لشکر بھیجنا

عزت و ناموس کی قربانیوں کے ذکر سے بات ذہن میں آ گئی ۔آپ کو پتہ

ہے کہ مسلمانوں کا ایک جہاز کئی صدیاں پہلے سمندر میں سے گزر رہا تھا تو کراچی کے قریب راجہ داہر کی فوج نے وہ جہاز لوٹ لیا تھا۔۔ اُس جہاز میں مسلمانوں کی 6 لڑکیاں بھی تھیں جو راجہ داہر کی فوج نے پکڑ لیں تھیں ۔۔۔ یہ عبدالملک بن مروان کا زمانہ تھا۔اُس نے عراق اور اُس سے ملحقہ علاقے کا وزیر حجاج بن یوسف کو بنا رکھا تھا۔۔آپ جانتے ہیں یہ **حجاج بن یوسف** کون تھا۔؟؟

حجاج بن یوسف دنیا کا ظالم ترین انسان شمار ہوتا تھا۔۔اُس سے بڑا ظالم انسان دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر ساری دنیا کے ظالم ایک پلڑے میں ڈال دیئے جائیں۔ اور ہماری اُمت کا ظالم حجاج بن یوسف دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو شاید یہ اکیلا سب پر بھاری ہو، اتنا بڑا ظالم انسان تھا۔ یہ تیرہ سو سال پہلے کی بات ہے

چنانچہ راجہ داہر کی فوج میں قید مسلمان لڑکیوں کا ایک پیغام کسی ذریعہ سے حجاج بن یوسف تک پہنچ گیا۔۔لڑکیوں کا پیغام یہ تھا کہ کیا حجاج کی رگوں میں عربی خون نہیں رہا؟ کہ ہم یہاں دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوگئیں اور ہمارے چھڑوانے کی کوئی فکر نہیں ہو رہی۔ تاریخ نے لکھا ہے کہ جب یہ پیغام حجاج کو پہنچا تو حجاج پاگل ہو گیا۔اُس پیغام کو سن کر بے ساختہ اُٹھا اور دیوانوں کی طرح چکر کاٹنے لگا۔۔۔اُسی وقت اپنے داماد اور بھتیجے محمد بن قاسم کو بلایا ،اور کہا کہ لشکر مرتب کرو ۔۔ راجہ داہر سے بچیوں کا انتقام لینا ہے۔۔

محمد بن قاسم اٹھارہ سال کا پُر جوش نوجوان تھا۔وہ اپنے جذبۂ ایمانی اور مرتب کردہ لشکر کے ساتھ سندھ سے داخل ہوا۔۔راجہ داہر کی فوج کو عبرت ناک شکست دی اور راجہ کو قتل کر کے مسلمان بچیوں کا انتقام لیا، تب جا کر اُن کو سکون آیا۔ نیز اِسلام کی دھاک

بٹھانے اور کفر کی طاقتوں کو مغلوب کرنے کیلئے ملتان تک آ پہنچا۔۔ یہ سارا سندھ پہلی صدی ہجری میں فتح ہوا ہے۔ اِس لئے اِس کو باب الاسلام کہتے ہیں۔گویا ملتان تک

مسلمانوں کی حکومت پہلی صدی ہجری میں آ گئی تھی۔۔۔

غور کیجئے ان 6 بچیوں کا انتقام لینے کے لئے حجاج بن یوسف نے کیا کیا اوراَب ہم 75 ہزار مسلمان بچیاں سکھوں کے حوالے کر کے جشنوں پہ جشن منا رہے ہیں۔۔۔ کیونکہ پاکستان بننے کے بعد عیش و عشرت کے زمانے شروع ہو گئے، جشن شروع ہو گئے، وہاں آزادی کا جشن منایا جا رہا ہے، یہاں آزادی کا جشن منایا جا رہا ہے، اور یہ احساس بھی نہیں ہے کہ ہم کیا دے کر آئے ہیں، کیا لٹا کر آئے ہیں، ذہن میں بھی نہیں رہا۔ اِسے کہتے ہیں بے حسی۔۔۔

غیرت کرو

مجھے اِن دنوں رہ رہ کر قلندرِ زمانہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ فقرہ بڑی شدت سے یاد آتا ہے، مولانا مرحوم کا نام آپ نے سنا ہوگا، بعضوں نے شاید دیکھا بھی ہو، درویش مجاہد تھے۔ انہوں نے اُن دنوں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا پاکستان کے بے غیرت حکمرانو! غیرت کرو۔ وہ کہتے تھے پاکستان کے حکمران دیوث ہیں۔ اِن کو یہ اِحساس نہیں ہے کہ ہم کتنی بہنیں دیے بیٹھے ہیں۔۔۔ یہ یہاں پر جشن منا رہے ہیں، اگر یہ اُس وقت بے غیرتی کے جشن نہ مناتے اور اِس قوم کو جہاد کے لئے برانگیختہ کرتے تو جیسے صرف 6 بچیوں کے لئے سندھ فتح ہو گیا تھا کچھ بعید نہیں تھا کہ اُس وقت مسلمان جذبات میں تھے۔ یہ مسلمان نوجوان اپنی بہنوں کے لئے یا تو مر جاتے یا اِسلام کا جھنڈا لال قلعے پر گاڑ دیتے۔۔

نعمت کی ناشکری کا نتیجہ

لال قلعہ جانتے ہو لال قلعہ دہلی میں ہے، آج جہاں سے اُنہوں نے جشن آزادی کا آغاز کیا ہے۔۔۔ یہ لال قلعہ اسلام کے پرچم سے سرفراز ہوتا، مسلمان لال قلعہ پر اِسلام کا جھنڈا گاڑ دیتے۔ اگر اِس غیرت کے مسئلے کو سامنے رکھ کر مسلمانوں سے کہا جاتا کہ ہم عیش نہیں کریں گے، عشرت نہیں کریں گے، اچھا نہیں کھائیں گے، اچھا

نہیں پہنیں گے۔ جب تک ہم اپنی بہنوں کا انتقام نہیں لے لیتے۔ یہ عنوان دیا جاتا تو پوری کی پوری قوم جہاد کے لئے تیار ہو جاتی، تو پھر انشاء اللہ العزیز آپ دیکھتے کہ یا مر جاتے اور وہ موت عزت کی موت ہوتی اور یا پھر لال قلعے پر جھنڈا گاڑ دیتے۔ اِس لئے میں نے کہا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے اِس کی حفاظت بھی اتنی ہی کرنی چاہیے تھی، لیکن ہم نے شکر گزاری کی بجائے ناشکری کا راستہ اختیار کیا، اِس ناشکری کی وجہ سے ہم برباد ہوئے اور برباد ہوتے جا رہے ہیں۔۔قوم اگر شکر گزار ہوتی تو شاید آج حالات کچھ اور ہوتے۔ آج بڑے درد دل سے کہتے ہیں کہ بہت کچھ گنوایا اور پایا کچھ بھی نہیں۔

ہماری منزل کیا ہے؟

اِس نظریہ سے جشن منانے والے ہمارے بچوں کو کچھ نہیں بتاتے کہ ہم کہاں سے چلے تھے، ہماری منزل کیا تھی اور ہم کہاں پہنچ گئے۔ آج ہمیں صرف ایک ہی پہلو دکھایا جاتا ہے کہ آؤ آزادی کا جشن مناؤ۔ چنانچہ:

- آج نئی فلمیں چلی ہوں گی۔۔۔
- نئے نئے ناچ ہوئے ہوں گے۔۔۔
- نئے نئے جشن ہوئے ہوں گے۔۔۔
- نئے نئے کھانوں کی دعوتیں اُڑی ہوں گی۔۔۔
- پینے پلانے کے پروگرام ہوئے ہوں گے
- یہ پاکستان کی نعمت کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔۔۔

ہر سال 14 اگست کو یومِ آزادی پر نئی فلموں، نئے جشنوں، ناچ گانے، کھانے پینے اور عیش وعشرت سے پاکستان کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔

پاکستان بنا کیسے تھا؟ تھوڑی سی تاریخ آپ کو بتا دوں۔۔۔ ہندوستان پر انگریز حاکم تھا اور اُس کے خلاف ملک میں تحریک چلی ہوئی تھی۔۔۔ جنگ عظیم دوئم کے خاتمے پر انگریز عالمی سطح پر اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ وہ ہندوستان تو کیا دنیا بھر میں کہیں بھی

اپنا کنٹرول باقی رکھنے کی قوت میں نہیں تھا۔وہ اقتصادی بدحالی کی بنا پر ہر جگہ سے راہ فِرار چاہنے لگا تھا۔ ہندوستان پر بھی اُس کی گرفت روز بروز ڈھیلی ہو رہی تھی، لٰہذا وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گیا اور ہندوستان سے بھاگنے کے منصوبے بنانے لگا۔۔۔ اِدھر ملک کی آزادی کی تحریک تو چل ہی رہی تھی جو اُسے آبرومندانہ طریقے سے اپنے ساز وسامان کے ساتھ فرار ہونے کا موقع فراہم کررہی تھی۔

دوقومی نظریہ

اِن حالات میں کچھ لوگوں نے ہندوستان میں ایک شوشہ چھوڑا ۔۔جس کو ”دو قومی نظریہ“ کہتے ہیں۔۔۔کہ ہندوستان میں دوقومیں ہیں ایک قوم کافر اور ایک مسلمان ہے۔ یہ دونوں اَکٹھے نہیں رہ سکتے، مسلمانوں کو علیحدہ ہونا چاہیے اور کافروں کو علیحدہ ہونا چاہیے۔ اِس کو نیا شوشہ میں اِس لئے کہہ رہا ہوں کہ روئے زمین پر ہر ملک میں مسلمان بھی ہیں کافر بھی ہیں، چاہے وہاں بادشاہت ہے چاہے جمہوریت ہے۔ اِس وقت بھی کوئی ملک ایسا نہیں ہے کہ جس میں کافر اور مسلمان اَکٹھے نہ رہتے ہوں۔ اُس وقت بھی ایسے ہی تھا۔چاہے اقلیت میں تھے، چاہے اکثریت میں تھے۔

پوری دنیا میں مختلف مذاہب کے لوگ ملے جُلے رہتے ہیں۔۔۔امریکہ میں بھی ہیں، افریقہ میں بھی ہیں۔اِسلامی مما لک میں بھی ہیں۔غیر اِسلامی مما لک میں بھی ہیں۔۔۔اپنے پاکستان میں دیکھیں ۔مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو بھی ہیں، سکھ بھی ہیں۔ یہی حال مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں ہے وہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو بھی ہیں، سکھ بھی ہیں۔لیکن کہا گیا کہ ہندوستان میں دوقومیں اکٹھی نہیں رہ سکتی ہیں۔

قیام پاکستان میں علماء کا کردار

ہم مسلمان علیحدہ ملک بنائیں گے ۔۔۔اُس میں خلافت راشدہ کا دستور

لائیں گے۔ قرآن کی حکومت ہوگی ۔۔۔ وہاں ہم آزادی سے اپنے دین پر چلیں گے ۔۔۔ یہ نعرہ لگ گیا۔ بہت سارے واقعات درمیان میں چھوڑ کر موٹی موٹی باتیں عرض کرتا ہوں۔

تقسیم ہند کے لئے جو الیکشن ہوا تھا غالباً وہ سن 1946ء میں ہوا ہے، کیونکہ 47ء میں ملک کی تقسیم کا اعلان ہوگیا،تو اُس وقت **مسلم لیگ** جو ملک کی تقسیم کے لئے کام کر رہی تھی۔ اُس کا مؤقف تھا کہ مسلمان اور کافر ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ اُس کی قیادت جناب محمد علی جناح کر رہے تھے اور لیاقت علی خان ،نواب سلیم اللہ، بہادر یار جنگ ، خواجہ ناظم الدین وغیرہ اُس کے بڑے لیڈروں میں سے تھے۔۔۔اور کانگریس جو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ جماعت تھی ، وہ اِس تقسیم کی مخالفت کر رہی تھی، اُس کا کہنا تھا کہ دونوں کو اکٹھے رہنا چاہیے۔۔۔ **جمعیت علماء ہند**، ہندوستان کے علماء کی جماعت تھی، اُس کا نظریہ تھا کہ ملک متحد رہنا چاہیے، تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔

ہم اِس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے تمام اَساتذہ، ہمارے سب بزرگ سوائے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کا نظریہ اُن کے خلاف تھا۔ دیوبند سے تعلق رکھنے والے سب علماء اِس حق میں تھے کہ ملک متحد رہنا چاہیے تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔

تحریک پاکستان کی قیادت اُس وقت مسلم لیگ کر رہی تھی ۔ چنانچہ مسلم لیگ کا ایک وفد مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں ... مت میں تھانہ بھون گیا۔۔۔مولانا شبیر علی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اکبر علی کے بیٹے تھے اوراُن دنوں **تھانہ بھون** کی خانقاہ کے منتظم تھے۔

یہ بات جو میں عرض کر رہا ہوں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قلم سے لکھی ہوئی میرے پاس موجود ہیں۔

تو مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں کہ مولانا شبیر علی اِس وفد کو لے کر میرے پاس آئے۔ اُس وفد میں شامل اشخاص کے کچھ نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔ اِس

وقت مجھے یاد نہیں اور آ کر کہا کہ بھائی ظفر آپ کا کیا خیال ہے پاکستان بننا چاہیے؟۔۔۔ میں نے کہا کہ ہاں بننا چاہیے۔۔۔ مولانا شبیر علی کہنے لگے۔۔۔ اگر پاکستان بننا چاہیے تو آپ لوگوں کو میدان میں نکلنا پڑے گا۔۔۔ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پوچھا۔ کیوں بھائی؟ ہمیں کیوں نکلنا پڑے گا۔؟ مولانا شبیر علی نے کہا۔ اِس لئے کہ یہ لیگ والے جہاں جلسہ کرنے جاتے ہیں تو لوگ اِن کی بات کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے ۔۔۔ اور کہتے ہیں کہ تم کیا پاکستان بناؤ گے؟ تمہاری تو شکل بھی مسلمانوں جیسی نہیں۔۔ تمہارے پاس علم نہیں۔۔

اور دوسری طرف مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جو لوگوں کو یہ کہہ رہے ہیں کہ ملک تقسیم نہیں ہونا چاہیے، ملک کو اکٹھا رہنا چاہیے، متحد رہنا چاہیے تو مولانا مدنی کے مقابلے میں اِن کی بات کا اثر نہیں ہو رہا۔۔۔ اور لوگ اِن سے کہہ رہے ہیں کہ تم بناؤ گے پاکستان جن کی اپنی شکل مسلمانوں جیسی نہیں ہے۔ اِس لئے آپ حضرات کو باہر نکلنا پڑے گا ورنہ پاکستان نہیں بن سکے گا۔

تو پھر مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ میں **بسم اللہ** پڑھ کر نکل پڑا۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی عالم آدمی تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے حقیقی بھانجے تھے، مشرقی پاکستان کے شیخ الاسلام تھے ۔ قیامِ پاکستان کے موقع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ڈھاکہ میں پہلی بار پاکستانی پرچم لہرایا تھا۔۔۔ اِسی طرح اِس سلسلے کے مزید لوگ بھی بسم اللہ پڑھتے گئے اور ملتے گئے۔۔۔ چنانچہ آگے نورانی چہرے لگا لیے گئے اور جن کی شکلیں مسلمانوں جیسی نہیں تھیں وہ پیچھے ہو گئے۔ تاکہ کوئی اعتراض نہ کر سکے کہ تم کیا پاکستان بناؤ گے، تمہاری تو شکل ہی مسلمانوں جیسی نہیں ہے۔

یہ وہ اولین موڑ تھا جو کٹا اور قوم کو بتایا جانے لگا کہ پاکستان قائم ہوگا تو اپنی سرزمین ہوگی، اپنی حکومت ہو گی، آزادی سے اپنے دین پر عمل کریں گے۔ **خلفاءِ راشدین** کا نظام آئے گا، قرآن کریم کی حکومت ہو گی، مسلمانوں کی حکومت ہو گی، اِسلامی حکومت ہو گی، پھر کون مسلمان تھا جو اِس بات کو سن کر متاثر نہ ہوتا، جاہل سے

جاہل، اَن پڑھ مسلمان بھی اِس فقرے پر مرمٹتا، اور نعرہ لگتا تھا جسے ہم بھی سنتے تھے۔ اگرچہ ہمارا گھرانہ ہمارے دوست اَحباب اُس وقت بھی جمعیت علماء ہند اور اَحرار کے ساتھ تھے لیکن یہ نعرہ ہم بھی سنتے تھے اور جلوس نکلتے تھے۔گلیوں میں نعرے لگتے تھے:

پاکستان کا مطلب کیا
لا الٰہ الا اللّٰہ
لے کے رہیں گے پاکستان
بٹ کے رہے گا ہندوستان

فرمانِ حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

بیچ میں ایک جملہ عرض کر دوں حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کرتے تھے کہ پاکستان کے حالات درست کیسے ہوتے؟ اِن اللہ کے بندوں نے کلمہ تو پورا پڑھا ہی نہیں تھا، صرف ''لا الہ الا اللہ'' کہا تھا ''محمد رسول اللہ'' تو کہا ہی نہیں تھا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ '' لا الٰہ الا اللّٰہ''تو عیسائی بھی پڑھتے ہیں۔۔یہودی بھی پڑھتے ہیں۔۔فرق تو ''محمد رسول اللہ'' سے پڑتا ہے۔ ''محمد رسول اللّٰہ''تو وہ کہتے ہی نہیں تھے۔۔کہتے یہ تھے

پاکستان کا مطلب کیا
لا الٰہ الا اللہ

آدھا کلمہ پڑھا، آدھا چھوڑ دیا تو حالات کیسے درست ہوں۔ بہر حال اِس نعرے پر قوم فریفتہ ہوگئی۔جبکہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور اُن کی جماعت نے قوم کو سمجھانے کے لئے صبح وشام، رات دن ایک کر دیا کیونکہ اُس وقت پاکستان کے لئے الیکشن ہونا تھا کہ پاکستان بننا چاہیے کہ نہیں؟ اور ملک تقسیم ہونا چاہیے کہ نہیں؟؟

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال

اور مسلم لیگ کے نوجوانوں کے واقعات پڑھیں تو رونگٹے کھڑے ہوتے

ہیں۔ اِن سیاہ بختوں نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی بڑی بے عزتی کی، شراب اُن پر ڈالی، پگڑی اُن کی اچھال دی، ہر طرح سے اُن کو بے عزت کیا، لیکن اپنی بات سے وہ باز نہیں آئے پھر بھی اِس نادان قوم کو سمجھاتے رہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سہارنپور جلسہ تھا۔۔ مولانا رائے پوری صاحب (رحمۃ اللہ علیہ رائے پور، ضلع سہارن پور ہی میں ہے) نے اپنے رفقاء کو جلسہ میں بھیجا۔ جب واپس آئے تو پوچھا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کہا؟ تو نقل کرنے والوں نے عرض کیا کہ مولانا حسین احمد صاحب فرما رہے تھے۔۔"میں نے تمہیں بہت سمجھایا، تمہاری سمجھ میں بات نہیں آئی۔ اَب میں کہتا ہوں کہ پاکستان بنے گا۔ تم بھگتو گے پاکستان کو"۔

کہتے ہیں کہ مولانا رائے پوری نے جب یہ الفاظ سُنے تو پریشان ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ ھَیں؟؟ حضرت نے ایسے فرمایا ہے کہ "تم بھگتو گے"؟ اور تھوڑی دیر کے بعد پھر فرمایا۔ حضرت نے فرمایا کہ "تم بھگتو گے"؟ اِس لفظ کا پس منظر کیا ہے۔۔ایک صاحبِ دل کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں اور دوسرا صاحبِ دل اِن کو سمجھ رہا ہے۔ کہ پاکستان کو بھگتنے کا کیا مطلب ہے؟ آج 53 سال ہو گئے بھگتتے ہوئے اور پتہ نہیں کب تک مزید بھگتنا پڑیگا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں مظفر نگر کی ایک تقریر چھپ کر آئی ہے۔ اِس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ ملک آزاد ہوا، ہمارے کہنے کے مطابق۔ اور یہ ملک متحد رہ گیا ہمارے کہنے کے مطابق تو اتنا بڑا اور اتنی قوت والا ملک ہو گا کہ یورپ اِس کے سامنے جھکے گا۔۔۔ اور اگر ملک اُس طرح بن گیا جس طرح سے یہ چاہتے ہیں تو میری بات یاد رکھو کہ پاکستان سمیت پورا مشرق وسطیٰ یہود کے پنجے میں آجائے گا ۔۔۔ پھر یہ روئیں گے، چیخیں گے اور اِن کی چیخیں سننے والا کوئی نہیں ہو گا۔۔ اس طرح یہود اِس پر قبضہ پا جائیں گے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

آج یہود کے ہاتھ میں جکڑا ہوا مسلمان کس طرح چیخ رہا ہے لیکن واقعتاً اِس کی چیخیں سننے والا کوئی نہیں ہے، پورا مشرقِ وسطیٰ یہود کے پنجے میں آ گیا ہے اور اس طرح اِس کا محاصرہ کئے بیٹھا ہے، کہ کسی وقت بھی حرمین شریفین پر بھی ہاتھ ڈال سکتا ہے۔۔۔اِس سلسلے میں ضربِ مومن نے جو نقشے شائع کئے ہیں وہ آپ نے دیکھے ہوں گے کہ کس طرح وہ یہود کے پنجے میں آیا ہوا ہے۔۔۔حضرت مدنی کے الفاظ ہیں ۔۔۔کہ پاکستان سمیت پورا مشرق وسطیٰ یہود کے پنجے میں آجائے گا۔ ۔ پھر یہ روئیں گے، چیخیں گے اور اِن کی چیخیں سننے والا کوئی نہیں ہوگا۔

بہر حال انہوں نے اختلاف کیا اور خلوص سے کیا، اللہ تعالیٰ اُن کو جزا دے گا، اور دوسرے حضرات نے پاکستان کے لئے کوشش کی، اپنے خلوص سے اللہ اُن کو بھی جزا دے گا، لیکن یہ قوم کے لئے ایک اِمتحان تھا۔کہ پاکستان بن گیا اور ایک مستقل ملک آدھا بنگال ،آدھا پنجاب، سندھ، بلوچستان، اورسرحد یہ تھا اصل کے اعتبار سے پاکستان۔

پاکستان میں کیا کیا ہوگا

جب یہ نقشہ سامنے آیا اور ابھی بٹوارہ ہوا نہیں تھا تو حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی میں تقریر ہوئی، وہ غالباً آپ رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تقریر تھی اور لاکھوں کا مجمع تھا۔۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھو یہ ہے پاکستان کا نقشہ۔۔۔آپ نے نقشہ مجمع کو دکھایا کہ ایک حصے اور دوسرے کے درمیان ہزاروں میل پہ ہندو کی حکومت ہوگی اور یہ کسی صورت میں تمہیں جڑا ہوا نہیں رہنے دے گا اور تمہیں جدا جدا کر دے گا، ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، تم کسی صورت میں اکٹھے نہیں رہ سکتے ۔۔۔لیکن اُس وقت کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

آج جس کو آپ بنگلہ دیش کہتے ہیں یہ پاکستان کی ٹانگ تھی، جو ہندوں نے

وارکر کے 24 یا25 سال ہوئے توڑ دی تھی۔اَب آپ لنگڑے ہیں۔اَب وہ پاکستان موجودنہیں ہے جومسٹر جناح کی قیادت میں 53 سال پہلے بنا تھا۔اُس میں سے آدھا آپ دے چکے ہیں۔۔۔53 سال پہلے کا پاکستان بہت بڑی قیمت لے کرروئے زمین پر نمایاں ہوا تھا۔جس کی ایک جھلک میں پیش کر چکا ہوں۔

اَب چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اِس کی قدر کرتے۔۔شکرگزاری کرتے۔۔اللہ سے کئے گئے وعدے پورے کرتے کہ قرآن کی حکومت ہوگی۔۔خلافت راشدہ کا قانون ہوگا۔۔ اِسلامی قانون نافذ کرتے۔۔۔ جب ہم اُس کے شکرگزار ہوتے، تو اللہ تعالیٰ اِس ملک کو ترقی دیتا اور آپ کو ہر طرح کی خوشحالی نصیب ہوتی۔۔لیکن ہم نے جو ناقدری کی وہ آپ کے سامنے ہے، پاکستان بنتے وقت قائداعظم پاکستان میں تشریف لائے تو حالات انتہائی اَبتر تھے، چونکہ جو علاقہ پاکستان بنایا گیا تھا اِس کا اکثر و بیشتر حصہ ویران تھا۔

اَب بھی آپ جائزہ لے لیں کہ یہ سڑکیں یہ یونیورسٹیاں اور کالج، یہ بڑے بڑے ہسپتال، یہ دینی مدارس، جتنے آپ کونظر آتے ہیں یہ سب پاکستان بننے کے بعد بنے ہیں۔ پہلے اِس علاقہ میں بہت کم تعلیم تھی، بہت کم مدرسے تھے، بہت کم سڑکیں تھیں، یہ بڑی بڑی نہریں، سب پاکستان بننے کے بعد نکلی ہیں، اِن میں بہت سے ویران علاقے پاکستان بننے کے بعد آباد ہوئے، پہلے یہ چیزیں نہیں تھیں۔

کچھ باتیں تاریخ پاکستان کے حوالے سے

پاکستان کے وجود میں آتے ہی آپس کے اختلافات شروع ہو گئے، 14 اگست 1947ء کو پاکستان کا اعلان ہُوا اور 11 ستمبر 1949ء کو یعنی دو سال ایک مہینے کے بعد جناح صاحب فوت ہو گئے۔۔صرف 21 مہینوں میں لیاقت علی خان سے اُن کے اختلافات تقریباً نمایاں ہو گئے تھے۔۔ پھر ایک دو سال کے بعد لیاقت علی صاحب کمپنی باغ راولپنڈی کے ایک جلسہ میں گولی کا نشانہ بن گئے۔

اَب اِس باغ کا نام لیاقت باغ ہے آپ اگر کبھی راولپنڈی جائیں تو لیاقت باغ دیکھ سکتے ہیں۔۔ وہاں بہت بڑا جلسہ تھا۔لیاقت علی خاں تقریر کرنے آئے اور ابھی اتنا ہی کہا تھا ''برادرانِ اِسلام۔'' کہ گولی لگی اور وہیں اِسٹیج پر گر گئے۔جس نے گولی ماری تھی اُسے بھی منصوبے کے تحت اُسی وقت قتل کر دیا گیا، تا کہ سازش نمایاں نہ ہو، وہیں سے قتل وخون کا قصہ شروع ہوا جو پھر نہیں رُکا۔

اِس کے بعد بڑے بڑے لیڈروں نے بندر بانٹ شروع کی اور باری باری اپنے حصے وصول کرتے رہے۔۔۔ ناظم الدین بنگالی، گورنر جنرل بنا۔۔ غلام محمد گورنر جنرل بنا۔۔سہروردی وزیراعظم بنا۔۔ فیروز خان نون وزیرخارجہ بنا۔۔ملک بنتے ہی پہلا وزیرخارجہ ظفراللہ قادیانی کو بنایا گیا۔۔ اِس طرح چار پانچ سال گزرے۔۔۔آخر سن 57ء یا 58ء میں غالباً اکتوبر 58ء میں ایوب خان نے مارشل لاء لگا دیا اور ساری وزارتیں ختم کر دیں۔

اور پاکستان بنانے والی قابلِ فخر مسلم لیگ کے پانچ چھ ٹکڑے ہو گئے۔۔ممدوٹ کی علیحدہ۔۔فلاں کی علیحدہ۔۔فلاں کی علیحدہ۔۔کوئی عوامی لیگ تھی تو کوئی اِسلامی لیگ تھی۔۔کوئی مسلم لیگ تھی تو کوئی ممدوٹ لیگ۔۔ اِس طرح مسلم لیگ کے پانچ چھ ٹکڑے ہو گئے۔ پھر مسلم لیگ نے ری پبلکن پارٹی کی صُورت میں ایک اور بچہ جنا۔۔ ولی خان کا ایک بھائی قتل کر دیا گیا۔۔ اِس سے حکومتی سطح پر افراتفری مچی، جس کے نتیجے میں ایوب خان نے مارشل لاء لگا کر ساری وزارتیں ختم کر دیں۔ اَب یہاں سے میرا اور آپ کا پیارا پاکستان ایک نئے دور میں داخل ہوا۔

علماء کا مخالف کہاں مرا؟

اِس دوران ایک اور بڑی خبِیث رُوح پاکستان پر مسلط ہوئی، جس کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ سکندر مرزا یہ پکا رافضی تھا اور دین داروں خاص طور پر علماء کرام سے انتہائی بغض رکھتا تھا۔۔ ایک مرتبہ اُس کی زبان سے یہ بات نکلی کہ میں

چاندی کی کشتی بنا رہا ہوں جس میں مولویوں کو بٹھا کر سمندر میں غرق کر دوں گا۔۔ ذہنی اعتبار سے تو گورے آقا کا پسِ خوردہ کھانے والے سب ہی تیار تھے کہ اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے علماء کو چھوڑنا نہیں تھا۔ لیکن آپس کی کھینچا تانی میں فرصت نہ پا سکے ۔۔ یوں اللہ نے علماء کو اپنے حفظ و اَمان میں رکھا اور دوسروں کی کشتی ڈبونے والوں کا اپنا بیڑہ غرق ہوگیا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو ہمیں سمندر میں غرق کرنا چاہتا تھا۔۔ اُس کا اپنا انجام کیا ہُوا؟ وہ پاکستان سے بھاگ کر انگلینڈ پہنچا اور انگلینڈ میں ایک ہوٹل کی ملازمت کرتا ہوا ذلت کی موت مرا۔ یوں اُسے پاکستان میں دفن ہونا بھی نصیب نہیں ہوا ۔ جو پاکستان کے علماء کو چاندی کی کشتی میں بٹھا کر سمندر میں غرق کرنا چاہتا تھا ۔۔ **فا عتبروا یا اولی الابصار۔**

ایوب خان کے مارشل لاء کے بعد بھی سیاسی افراتفری میں کمی نہیں ہوئی بلکہ پاکستان پر طلوع ہونے والا ہر دن اُسے عدمِ اِستحکام کی طرف دھکیلتا رہا۔۔ 56 کا آئین ایوب خان نے منسوخ کر دیا،۔۔ پھر اُس نے اپنی مرضی کا آئین بنایا۔۔ جسے آگے چل کر بھٹو نے منسوخ کر دیا۔

پھر بھٹو نے ایک متفقہ آئین بنایا، وہ چلتا رہا۔۔ اور اَب جو کیفیت ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ ہر نیا آنے والا آئین میں اپنے مفاد کی ترمیم کر لیتا ہے۔ حکمران من چاہی ترمیموں کے باوجود اُسے چلنے نہیں دیتے۔ ابھی تک پاکستان کو آئینی اِستحکام نہیں ملا۔ ایسا نہیں کہ کوئی مستقل اور متفقہ آئین ہو اور آئینی حکومت بن جائے، یہ ابھی تک نصیب نہیں ہوا۔ اِس سے بڑھ کر اِس نعمت کی ناقدری کیا ہوگی۔

بنگلہ دیش کا قیام

پھر یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ایوب خان جاتے ہوئے حکومت ایک انتہائی بدکردار شخص یحیٰی خان کے حوالے کر گیا، یحیٰی خان جاتے ہوئے بھٹو صاحب کے سپرد

کرگئے اور بھٹو صاحب نے مشرقی پاکستان کا اقتدار ماننے سے انکار کرتے ہوئے:

اُدھر تم اِدھر ہم

کا نعرہ لگایا۔ یوں مشرقی پاکستان ٹوٹ کر بنگلہ دیش بن گیا۔۔اَب رہ گیا مغربی پاکستان۔یعنی بھٹو کا پاکستان۔۔۔ کیونکہ جناح صاحب کا پاکستان تو ٹوٹ گیا تھا۔۔ پھر بھٹو صاحب کے خلاف تحریک چلی تو صوفی ضیاء الحق صاحب پیارے پاکستان کو بچانے کیلئے تشریف لائے۔۔۔صوفی ضیاء الحق صاحب 11 سال تک اسلامی نظام کے نفاذ کی جھوٹی لوریاں دیتے ہوئے بالآخر جیسے کیسے رخصت ہوئے۔ پھر اُن کے بعد کا دور تو آپ نے دیکھا ہی ہے کہ نواز شریف صاحب اور بے نظیر صاحبہ باری باری بچے کھچے پاکستان سے کھیل رہے ہیں!!۔۔۔ اِس وقت جو کیفیت ہے وہ لائق اطمینان ہرگز نہیں۔۔ پوری کی پوری قوم بے یقینی کی صورت حال سے دوچار ہے، پورے کا پورا ملک لاوارث ہے۔آیے! ہم سب مل کر اِس ملک کے لئے دعا کریں کہ اللہ کریم اِس کو قائم رکھے۔ اِسے ہر طرح کا اِستحکام دے۔

کفر کی سوچ

ہماری سب کی سب قیادتیں امریکہ کی سرپرستی میں آتی ہیں۔ اِس لئے ہر آنے والا جتنا زور مدارس کے خلاف لگاتا ہے اتنا زور کسی اور کام پر نہیں لگاتا۔۔۔ یہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ نوجوان طبقہ سارا دن تاش کھیلے حکومت کو کوئی فکر نہیں۔۔سارا دن بلیئرڈ کے ڈنڈے چلائے کوئی فکر نہیں۔۔سارا دن بھیڑیں چرائے کوئی فکر نہیں۔۔ آوارہ بیٹھیں اور آوارہ گردی کریں کوئی فکر نہیں۔۔لیکن چند نوجوان مل کر جہادی تیاری شروع کر دیں ۔۔حکومت حرکت میں آجائے گی۔۔ دہشت گرد۔۔ دہشت گرد۔۔ کا واویلا شروع ہو جائے گا۔ جہاد کی تیاری پر دہشت گردی کا الزام اور دیگر تمام خرافات اَمن پسند ہونے کی علامت!! جو چاہو کرو۔

تم سب کے سب مدرسے چھوڑ کر بھیڑیں چرانی شروع کر دو۔۔کسی کو فکر نہیں ہو گا کہ جاہل پھر رہے ہیں پھرتے رہو کوئی نہیں پوچھے گا۔۔آج گلیوں ،سڑکوں میں بچے آوارہ نہیں پھر رہے؟۔۔دوکانوں، ہوٹلوں اور ورکشاپوں پر چھوٹے چھوٹے بچے کام نہیں کر رہے؟، وہ آوارہ پھرتے ہیں، سارا دن گلی ڈنڈا کھیلتے ہیں، کرکٹ کھیلتے ہیں، سکول نہیں جاتے ۔۔اِس کے باوجود حکومت کے کان پر جُوں نہیں رینگتی کہ یہ نسل آدم سب کی سب بے کار پڑی ہے اِس کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے؟۔۔اِن کی تربیت کا انتظام ہونا چاہیے۔؟ کوئی نہیں پوچھتا۔

اور جہاں چند بچے قرآن پڑھنے کے لئے مسجد میں اکٹھے ہوں۔۔یہ چیخنے لگتے ہیں۔۔ اِن کو ضائع کیا جا رہا ہے۔۔اِن کی عمریں برباد ہو رہی ہیں۔۔اِن کو انگریزی پڑھاؤ۔۔اِن کو یہ کرو اِن کو وہ کرو۔۔ایک ہنگامہ برپا ہوجاتا ہے۔یعنی دینی تعلیم برداشت نہیں۔۔تم تعلیم چھوڑ کر بھیڑیں چرانی شروع کر دو، یہ برداشت ہے۔۔کچھ نہیں بگڑے گا ۔۔یہ کتنی اَحمقانہ سوچ ہے۔ اور اِس سوچ نے ہم سے اِس نعمت کی بے قدری کروائی، یہ ملک قرآن اور اِسلام کے نام پر لیا گیا تھا، یہ اِس کی نا قدری کروانے کا نتیجہ ہے کہ ہم سب کے سب دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔

علماء پاکستان کے مخالف نہیں:

یہ سیاسی سطح کا ایک مختصر سا خاکہ تھا جو میں نے آپ حضرات کے سامنے ذکر کیا ہے۔۔۔باقی آج ایک دوست کہہ رہے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ جب مولوی پاکستان کی مخالفت کرتے تھے،تو پھر یہ پاکستان میں آئے کیوں؟ اِن کو پاکستان میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔۔یہ غدار ہیں۔۔ ہندوؤں کے ہاتھوں بکے ہوئے تھے۔۔یہ فلاں تھے ۔۔یہ فلاں تھے َیہ باتیں نوجوانوں میں پھیلائی جاتی ہیں، پڑھائی جاتی ہیں۔۔میں اِس کے جواب میں کیا کہوں؟

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بوستان میں بات سمجھانے کے لئے ایک مثال دی ہے۔۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں رواج تھا کہ عام حماموں اور غسل خانوں میں شیطان کی بہت ڈراؤنی اور بدی سی شکلیں بناتے تھے۔۔۔ کالا رنگ، ڈراؤنی آنکھیں ، موٹی ناک ، لٹکے ہوئے کان ، بڑے بڑے ناخن ، بکھرے ہوئے بال ، غرض بڑی ڈراؤنی اور خوفناک شکلیں بنانے کا رواج تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص کو شیطان خواب میں ملا جو بڑا ہی خوبصورت تھا۔ کیونکہ شیطان خواب میں اکثر بڑی خوبصورت شکل میں آتا ہے۔۔ اُس شخص نے شیطان سے پوچھا کہ ہم نے تو غسل خانوں اور حماموں میں تیری بڑی بدی اور بیہودہ شکل دیکھی ہے۔ جبکہ تُو تو بہت ہی خوبصورت ہے؟ اُس نے کہا:

بخندید و گفت آں نہ شکل منست

وہ ہنسا اور بولا وہ بنی ہوئی شکل میری نہیں (ہوتی)۔

ولیکن قلم در کف دشمنست

لیکن (کیا کروں کہ) قلم دشمن کے ہاتھ میں ہے (وہ جو چاہتا ہے، بنا دیتا ہے۔)

جس کے ہاتھ میں قلم ہے وہ شکل بگاڑ دے تو دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ شاید یہ شکل ہی ایسی ہے ۔۔۔ یہ اعتراض وہ شخص کرسکتا ہے جس کے دل میں ایمان اور علم کی کوئی قدر نہیں ہے۔۔۔ یقین کریں کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک تکوینی راز تھا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے علماء پاکستان میں آئیں اور وہ جیسے بھی ہیں اُن کو برداشت کرنا پڑے ۔۔ اگر یہ علماء نہ آتے ۔۔، تو میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ شاید آج آپ قادیان جاتے ، مدینہ منورہ نہ جاتے ۔۔۔

علماء کا کردار

پاکستان بنتے ہی ایک پلان کے تحت گمراہ فرقوں نے اِس پر یلغار کردی وہ

غالبًا یہ سمجھ رہے تھے کہ باطل کے خلاف آواز اُٹھانے اور اُس کو کیفِر کردار تک پہنچانے والے سرفروش یہاں اُن کا تعاقب نہیں کریں گے لیکن۔۔۔ ''اے بسا آرزو کہ خاک شُد'' کے مصداق اُن کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

ذرا نظر دوڑائیے۔ منکرینِ حدیث، حدیث کا انکار کرنے والا طبقہ پاکستان میں۔۔۔قادیانی ،ختم نبوت کا انکار کرنے والا طبقہ پاکستان میں۔۔۔رافضی ،صحابہ پر تبرا کرنے والا طبقہ پاکستان میں ۔۔۔ آغا خانی پاکستان میں ۔۔۔ یہ جتنے مشرک تھے وہ تمام کے تمام یہاں اکٹھے ہو گئے۔

بتائیے؟ اگر ان سازشی عناصر کو کوئی نہ پوچھتا اور اُن کے مکر وفریب سے اہل وطن کو آگاہ نہ کرتا تو یہ بھُولے بھالے پاکستانی مرزائی ہو جاتے یا رافضی ہو جاتے یا آغا خانی وسائل کے زور پر انہیں اپنا بنا لیتے، اھلِ سُنَّت میں سے آپ کو کوئی نہ ملتا۔ یہ تو اللہ کا اِحسان ہے کہ اُس نے ان بیباک ونڈر علماء کو بھیج کر لوگوں کا ایمان بچایا ہے۔

جیلوں میں یہ گئے اور دین تمہارا بچایا۔۔گداگر یہ بنے، ظلم وستم انہوں نے برداشت کیے اور تمہیں دین پڑھایا۔۔یہ سب ان کی برکت ہے، کہ آج ہم اپنے آپ کو پاکستان میں مسلمان سمجھ رہے ہیں اور ہماری حالت کسی قدر بہتر ہے۔ ورنہ حالات بہت مختلف ہوتے۔

یہ اُسی حُسینی قافلہ کے علماء کے آنے کی وجہ سے ہوا ہے۔۔جسے حق کو غالب کرنے اور کفر و باطل سے ٹکرانے کی ایک عادت سی پڑی ہوئی ہے ۔۔یہ باطل کو برداشت نہیں کر سکتے اور حق بات کہنے سے رکتے نہیں ہیں۔۔ اِنھی کے دم سے آج پاکستان میں حق قائم ہے۔۔میں اور آپ قرآن پڑھتے ہیں، فقہ جانتے ہیں اور ہمارا کلمہ محفوظ ہے۔اگر یہ طبقہ نہ آتا تو شاید ہمیں یہ چیز نصیب ہی نہ ہوتی۔

سن 53ء میں مرزائیت کے خلاف تحریک چلی تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ختم نبوت کی خاطر اندازاً 10 ہزار نوجوانوں نے جان دی۔۔ جب جزوی مارشل لاء لگا اور گولی چلی تو نوجوانوں نے اپنے سینے پر گولیاں کھائیں اور یہ نعرہ نہیں چھوڑا۔۔اِسی

مسئلے پر سن 74ء میں پھر تحریک چلی جس کے نتیجے میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔۔۔اِس کے علاوہ مختلف محاذوں پر یہ مجاہد ہمیشہ سینہ سُپر نظر آتے ہیں۔۔کبھی ایوب کی آمریت کے خلاف ڈٹ گئے تو کبھی بھٹو کے جبر و بے دینی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ ہر باطل سے دیوانہ وار ٹکرا جانا اور دین کا مطالبہ کرنا ،حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی وارثوں کا کام اور مشن ہے۔۔اِنہی سے کفر پریشان اور باطل لرزہ بر اندام رہتا ہے۔۔یہی ہیں جنکی وجہ سے پاکستان میں حقیقی دین کا تعارف موجود ہے اور اُس کی آبرُو باقی ہے۔فالحمدُللہ علیٰ ذالک

آئیں اب بھی توبہ کرلیں

ناشکریاں تو ہم نے بہت کرلیں۔۔صنعت ہماری تباہ ہوتی چلی گئی۔۔املاک ہماری تباہ ہوتی چلی گئیں۔۔تعلیم ہماری تباہ ہوتی چلی گئی۔۔ ابھی تک ہمارے بنیادی مسئلوں کے فیصلے نہیں ہوئے۔۔۔آج بھی ہم اگر سچی توبہ کرلیں اور ہمارے حکمرانوں کو اللہ توفیق دے دے اپنے راستے پر چلنے کی۔۔جن کیلئے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔آج بھی اگر اللہ سے توبہ کرلیں تو آج بھی ہماری حالت سدھر سکتی ہے اور ہماری افراتفری ختم ہوسکتی ہے۔۔اگر نیک نیتی سے ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے مخلص ہو جائیں تو ہمارے مسئلے ختم ہو جائیں۔۔۔چونکہ قلم اُن کے ہاتھ میں ہے۔۔اور اقتدار کی قوت اُن کے بازو میں ہے۔لہٰذا وہ آئے دن علماء کو بدنام کررہے ہیں اور مدارس کو بدنام کررہے ہیں۔۔یہ بھی ناشکری کی ایک قسم ہے۔

آپ مساجد مدارس کی بات کرتے ہو۔زیادہ نہیں صرف تین چار سال کا ریکارڈ لے لیں۔آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ کوئی طبقہ پاکستان میں ایسا نہیں کہ جس کے متعلق اخبارات میں نہ آیا ہو کہ اُس نے سینکڑوں نہیں، لاکھوں نہیں، کروڑوں کا غبن کیا ہے۔۔یہاں ریلوے کا محکمہ، بجلی ،گیس کا محکمہ ہو، کوئی ادارہ، کوئی محکمہ، کوئی کارپوریشن، کوئی وزارت ،کوئی صدارت ایسی ہے اور نہ ایسی تھی جو بدعنوانی سے پاک ہو۔۔ بڑی

ڈھٹائی اور بڑی بیدردی سے اِس ملک کو لوٹا گیا ہے

اِس لئے میں نے یہ بات کہی اور بعض رسالوں میں بھی آئی کہ اَب مدرسوں کو بند کرنے کی مت سوچو، بلکہ ہمارے ساتھ ایک معاہدہ کر لو۔۔۔ہم یہ معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہیں کہ جس مدرسے کا طالب علم دہشت گردی کرتے ہوئے پکڑا جائے وہ مدرسہ بند کر دو۔۔اور جو اَفسر رشوت لیتا ہوا پکڑا جائے اُس کو بھی بند کر دو۔۔جس سکول کالج کا وہ پڑھا ہوا ہے اُس کو بھی بند کر دو، بات صحیح ہے کہ نہیں؟

- یعنی جو رشوت لیتا ہوا پکڑا جائے۔۔۔
- بددیانتی کرتا ہوا پکڑا جائے۔۔۔

جو آج جیلوں میں دھکے کھا رہے ہیں۔۔۔کسی دین کے لئے نہیں کھا رہے۔۔۔اپنی بددیانتی کے لئے دھکے کھا رہے ہیں۔۔۔

- جس شخص کی بددیانتی پکڑی جائے۔۔۔
- جس کا تھیلا پکڑا جائے۔۔۔
- جس کی خیانت پکڑی جائے۔اُسے بند کر دو۔

اُسے ملازمت سے فارغ کر دو۔۔۔

وہ کالج بند کر دو۔جس میں وہ پڑھا ہے۔۔۔

- اور اگر کسی مدرسے کا طالب علم دہشت گردی کرتا ہے تو وہ مدرسہ بند کر دو۔ ہمیں منظور ہے یہ سودا مہنگا ہے؟۔۔۔

تو کون سا سکول ہے۔۔کون سا کالج ہے۔۔کون سی یونیورسٹی ہے۔۔جس کا پڑھا ہوا پارسا ہے اور اُس نے نہیں کھایا؟؟

ہمارا پیارا ملک جو اَربوں کھربوں کا مقروض ہوا ہے۔ آپ کے اخبارات بولتے ہیں کہ یہ یہی کھانے والے ہیں، جو سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلے ہیں۔اور یہی کاروباری ہیں جن کے بنک بھر گئے پیٹ نہیں بھرے، اور یہ سلسلہ یوں ہی چل رہا ہے۔اور معلوم نہیں مزید کب تک چلتا رہے گا۔۔اِس ملک کو برباد کسی مولوی

نے نہیں کیا خود اِنہوں نے کیا ہے۔

اِس لئے اِس نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔ہم حکام کے لئے بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ اُنہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔۔۔ہمیں یہی چاہیے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اِس خطے کے لئے جو جتنا بھی باقی رہ گیا ہے۔۔ پوری دیانت داری سے اِس کے لئے کوشش کریں، اللہ تعالیٰ اِس ملک کو اَمن کا گہوارہ بنا دے اور یہاں رہنے والوں کو اللہ عزت کی زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ابھی بھی قدر کرلیں گے تو کچھ بعید نہیں کہ بہتری ہوسکتی ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

ملا عمر کے نقش قدم پر چلو

اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ اُس وقت تو نعرہ تھا کہ ہم اِسلام نافذ کریں گے۔ جو اَب قصہ ٔ پارینہ بنتا جا رہا ہے۔۔۔لیکن افغانستان میں ایک درویش نے اِسلام نافذ کر کے دکھا دیا۔ہمیں چاہیے تھا کہ جنہوں نے اِسلام نافذ کیا تھا ہم ان کے لئے جانیں دیتے،نمونہ ہمارے سامنے تھا، ہم نے افغانستان کے مجاہدین کی حکومت سے ہمدردی کے دو بول تک نہیں بولے

اگر ہم بھی اُن کو نمونہ بنا کر اِسلام نافذ کرتے تو پوری دنیا میں ایک مثالی حکومت قائم ہوتی۔ اُن کے سر فخر سے بلند ہوئے ہیں اور اُنہوں نے مسلمانوں کے سر نگوں نہیں ہونے دیئے، جتنا جتنا علاقہ حاصل کرتے گئے، اِسلام نافذ کرتے گئے، چور کا ہاتھ کاٹا جا رہا ہے،قتل کا قصاص لیا جا رہا ہے،جس کی وجہ سے ایسا اَمن قائم ہوا ہے کہ آپ اُس کو خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے ۔۔ آج اگر یہی اِسلام یہاں نافذ کردیں تو ان شاء اللہ ایک ایسا ہی نظام یہاں قائم ہوجائے گا۔

عملاً اِسلام نافذ کریں

تو اِس نعمت کی قدر یہ ہے کہ جس نعرے پر اِس ملک کو بنایا گیا تھا اُس نعرے کو عملاً نافذ کریں۔۔ اگر ہم نافذ کریں گے تو شکر گزاری ہوگی وگرنہ ناشکری ہوگی۔

53 سال تو ہو چکے ہیں۔ اور پتہ نہیں کتنی اور سزائیں ہم نے بھگتنی ہیں، اللہ ہمیں بھی، آپ کو بھی، حکام کو بھی، دوسرے لوگوں کو بھی جو برسر اقتدار ہیں، معاف فرمائے اور ہم سب کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دے اور اِس ملک کو اَمن کا گہوارہ بنائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سوال: حضرت!! عرض ہے کہ کیا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ پاکستان 25 سال تک قائم نہیں رہ سکتا، اور آپ کی یہ بات پاکستان کے ٹوٹنے اور بنگلہ دیش کے معرضِ وجود میں آنے کی صورت میں پوری ہوگئی؟

جواب: یہ بات حضرت مدنی کی نہیں مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے جو بنگالی مزاج سے واقف تھے کیونکہ وہ کلکتہ میں رہے، انہوں نے کہا تھا کہ میں بنگالیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ ساتھ نہیں رہیں گے اور جدا ہو جائیں گے۔ اِس لئے سارے پنجاب کا مطالبہ تھا کہ پاکستان ایک ہی طرف ہو جائے، آدھا بنگال لینے سے تم ٹھیک نہیں رہو گے۔ انہوں نے فرمایا زیادہ سے زیادہ تم ٹھیک رہے تو 25 سال تک رہ سکو گے اِس سے زیادہ نہیں۔ اور عام طور پر وہ کہا کرتے تھے کہ تقریباً 25 سال کے بعد بنگلہ دیش جدا ہو کر الگ ہو جائے گا، یہ حضرت مدنی کی بات نہیں ہے۔ اِس ضمن میں یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک سیاسی پیش گوئی تھی، جو اُن کی سیاسی بصیرت پر دلالت کرتی ہے۔۔ کوئی غیب کی خبر نہیں تھی۔

ہم **عالم الغیب** صرف اور صرف **اللہ تعالی** کی ذات ہی کو سمجھتے ہیں۔ اِس بات کو اچھی طرح نوٹ کر لو۔

سوال: آپ کے خیال میں ملک کے حق میں جنرل ضیاء الحق بہتر تھے یا بھٹو؟

جواب: اِس کی میں کیا تفصیل عرض کروں، اتنی بات تو ظاہر ہے کہ بھٹو کو ہٹانے کے لئے مذہبی طبقے نے ایک بھرپور تحریک چلائی ہے۔۔ اگر مذہبی طبقے نے ایسا کیا ہے تو بھٹو غلط تھا اور اگر مذہبی طبقے نے ایسا نہیں کیا تو بھٹو صحیح تھا۔ البتہ ضیاء الحق کے خلاف مذہبی طبقے نے تحریک نہیں چلائی، میں صرف اتنی بات کہہ سکتا ہوں۔ بھٹو کے خلاف

تحریک چلی اور بہت زیادہ نقصان ہوا، اور بڑی مشکل سے اُس سے جان چھوٹی، اور ضیاء الحق جتنی دیر تک رہا ملک کی سطح پر جیسے کیسے بھی ہوا لیکن مذہبی طبقے نے یا کسی اور طبقے نے اُس کے خلاف تحریک نہیں چلائی، کوئی تحریک اُس کے خلاف نہیں اٹھی، اور وہ دنیا سے جس حال میں گیا ہے آپ کو پتہ ہے۔